ترگنیف
چھوٹے بڑے

روسی
کلاسیکی ادب
کا
سلسلہ

Тургеневъ

И. С. ТУРГЕНЕВ

Три повести

АСЯ * ПЕРВАЯ ЛЮБОВЬ *
ВЕШНИЕ ВОДЫ *

ИЗДАТЕЛЬСТВО ЛИТЕРАТУРЫ НА ИНОСТРАННЫХ ЯЗЫКАХ

МОСКВА

تُرگینیف

جھونکے بہار کے

آسیہ * پہلی محبّت
جھونکے بہار کے

بدیسی زبانوں کا اشاعت گھر
ماسکو

ترجمہ: انور عظیم
ڈیزائین: ولاسووا

فہرست

ترجمہ: انور عظیم
ڈیزائین: ولاسووا

فہرست

آسیہ

۱

ن – ن – نے کہنا شروع کیا : میں اس وقت پچیس برس کا تھا (اب تو خیر یہ ایک قصہ پارینہ ہے) – مجھے ابھی ابھی سرپرستی سے نجات حاصل ہوئی تھی اور میں اپنے دیس سے باھر جا رہا تھا – یہ سفر «تعلیم مکمل کرنے کے لئے» نہیں تھا جیسا کہ ان دنوں لوگ کہا کرتے تھے – بلکہ اس سفر کی وجہ یہ تھی کہ میں اس پھیلی ہوئی وسیع دنیا کا نظارہ کرنا چاھتا تھا – میں تندرست و توانا، جوان اور پرحوصلہ تھا، میرے پاس روپیے کی افراط تھی – میں نے اب تک ذمہ داریاں اپنے سر نہیں لی تھیں —— اور میں ایک ایک لمحۂ حیات کا پور پورا لطف اٹھا رہا تھا، مختصر یہ کہ جو جی میں آتا کرتا – یہ میری زندگی کی بہار کا زمانہ تھا – اس وقت مجھ پر یہ راز نہیں کھلا تھا کہ آدمی پودا نہیں ہے – آدمی پر بہار صرف ایک بار آتی ہے اور وہ بھی دم بھر کو – جوانی میں آدمی دودھ شہد کھاتا ہے اور اسی میں مگن رہتا ہے – لیکن ایک وقت ایسا آتا ہے جب اسے روکھی روٹی کھانا پڑتی ہے اور وہ روکھی سوکھی کھا کر بھی خوش ہو لیتا ہے – لیکن اس کا ذکر بیکار ہے –

میں بغیر کسی مقصد اور غرض کے سفر کر رہا تھا۔ جہاں جی چاہتا اور جیسے ہی نئے چہروں کی خواہش ہوتی پھر اپنے سفر پر روانہ ہو جاتا۔ چہرے ہی میری کمزوری تھے۔ واحد چیز جس سے مجھے دلچسپی تھی، انسانی چہرے تھے، دلچسپ تاریخی یادگاروں اور شاندار یادگار ذخیروں سے مجھے نفرت تھی۔ گائڈ پر نظر پڑتے ہی میرے دل میں بیزاری اور اکتاہٹ کے جذبات پیدا ہو جاتے۔ ڈریسڈن «گریونے گیویلبے» (۱) میں مارے بوریت کے میری جان پر بن آئی تھی۔ قدرتی مناظر کا مجھہ پر بڑا شدید اثر ہوتا تھا۔ لیکن نام نہاد قدرتی حسن، پرشکوہ چوٹیوں، ڈھلوان چٹانوں یا آبشاروں کے لئے میرے دل میں جگہ نہ تھی۔ مجھے یہ بات بالکل نہ بھاتی کہ قدرت زبردستی میری نگاہوں میں چھا جائے، میں اس کی دخل اندازی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن چہرے، جیتے جاگتے چہرے، انسانی آواز، انسانی حرکات و سکنات اور قہقہے ـــ یہ وہ چیزیں تھیں جن کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ بھیڑ بھڑ کوں میں مجھے کچھہ عجیب خوشی اور اطمینان ہوتا۔ مجھے یہ اچھا لگتا تھا کہ دوسرے جدھر جائیں میں بھی ان کے ساتھہ مڑ جاؤں، جب دوسرے شور مچائیں تو میں بھی شور مچاؤں اور ساتھہ ہی مجھے اس کا شوق بھی تھا کہ ذرا دیکھوں تو سہی یہ لوگ کس طرح شور مچاتے ہیں۔ انسان کا مشاهده، میری سب سے بڑی تفریح کا مشغلہ تھا۔ ۔ ۔ اور میں ان کا صرف مشاهده نہیں کرتا تھا۔ میں ایک مسرت انگیز اور تجسس کی کبھی نہ بجھنے والی پیاس کے ساتھہ ان کا مطالعہ کرتا تھا۔ لیجئے ایک بار پھر میں اپنی داستان سے بھٹک گیا۔

ھاں تو، بیس برس پہلے میں دریائے رھائن کے بائیں کنارے پر چھوٹے سے جرمن شہر "ز" میں مقیم تھا— حال ھی میں، ایک نوجوان بیوہ کے عشوہ و ناز کا گھائل ہونے کے بعد میں تنہائی کی تلاش میں تھا— اس حسینہ سے میری ملاقات صحت گاہ میں ہوئی تھی— وہ حد درجہ حسین اور چالاک تھی— وہ ہر کس و ناکس سے آنکھیں لڑاتی، اور سب کو رجھاتی جن میں یہ ناچیز بھی شامل تھا— پہلے تو میری خوب حوصلہ افزائی کی اور نہائت بے رحمی سے گھائل کرنے کے بعد وہ مجھے چھوڑ کر گلاب جیسے سرخ سرخ گالوں والے ایک بویرین لفٹیننٹ کی آغوش میں چلی گئی— یہ مانتا ہوں کہ میرے دل پر جو گھاؤ لگا تھا اتنا زیادہ گہرا تو نہیں تھا لیکن میں نے یہ ضروری سمجھ لیا کہ کچھ دنوں کے لئے میں خود کو غم و الم اور تنہائی کے سپرد کر دوں— جوانی اپنی تسلی کے پہلو ڈھونڈ لیتی ھے— اور میں نے شہر "ز" میں سکونت اختیار کرلی—

اونچی پہاڑیوں کے دامن میں چھپا ہوا یہ شہر اپنے محل وقوع کی وجہ سے میرے دل میں کھب کے رہ گیا— وہ اس کی ڈھیتی ہوئی دیواریں اور مینار، اس کے لائم کے سدا بہار درخت، پارے کی طرح چمکتے ہوئے رھائن کے معاون دریا پر اونچا پل، اور سب سے بڑھ کر اس کی لاجواب شراب— سورج کے ڈوبتے ھی، (یہ جون کا مہینہ تھا) ہر شام، حسین ترین جرمن دوشیزائیں تنگ سڑکوں پر چہل قدمی شروع کر دیتیں اور بدیسیوں کو بڑی دل نواز ادا کے ساتھ سلام کرتیں «Guten Abend!» — ان میں سے بعض تو اس وقت بھی اپنے گھروں کے اندر نہ جاتیں جب پرانے مکانوں کی ڈھلوان

چھتوں کے پیچھے چاند نکل آتا اور اس کی خاموش کرنوں میں سڑک پر چھوٹے چھوٹے سنگریزے صاف نظر آنے لگتے — یہی وہ وقت ھوتا جب اس چھوٹے سے شہر کی سڑکوں پر آوارہ پھرنے میں مجھے سب سے زیادہ لطف آتا — اس وقت معلوم ھوتا کہ چاند ڈھلے ہوئے آکاش سے نیچے اس شہر کو بنا پلک جھپکائے گھورے جا رہا ھے اور شہر اس کی گھورتی ہوئی نگاہ کو محسوس کر رھا ھے اور چاندنی میں نہایا ھوا خاموش لیٹا اسے تک رھا ھے —— اس پرسکون روشنی میں، جو اپنی نرمی کے باوجود، ھلکا ھلکا ھیجان پیدا کرتی — گوتھک گرجا کے مینار پر ھوا کی خبر دینے والا مرغا پیلے سونے کی طرح چمکتا اور وھی سونا دریا کی سیاہ چمکتی ہوئی سطح پر جھلملانے لگتا — سلیٹی چھتوں کے زیر سایہ چھوٹی چھوٹی کھڑکیوں میں پتلی پتلی موم بتیوں (جرمن قوم ایک کفائت شعار قوم ھے!) کی مدھم مدھم لویں پھڑ پھڑاتیں — پتھر کی دیواروں کے پیچھے سے انگور کی بیلوں کے پیچ در پیچ سوتے پراسرار انداز سے جھانکتے — مثلث نما چوک کے درمیان پرانے کنویں کے سائے میں کوئی چیز تڑپ کر نکل جاتی، رات کے پہریدار کی اونگھتی ہوئی سیٹی یکایک خاموشی کا دل چھلنی کر دیتی، کوئی صلح پسند کتا آھستہ سے غراتا — اور ھوا چہرے کو یوں چومتی اور لائم کے پیڑ کچھ اس طرح مہکتے کہ آدمی زیادہ سے زیادہ گہری سانس لیتا اور لفظ «گریتھن» ھونٹوں پر کچھ اس طرح آ جاتا کہ اس میں حیرانی بھی سمٹ آتی اور سوال بھی —

شہر «ز» رھائن کے ساحل سے دو ایک میل کی دوری پر ھے — میں اکثر اس عظیم الشان دریا کا نظارہ کرنے کے لئے جاتا اور گھنٹوں

آیش کے ایک تنہا پیڑ تلے پتھر کی بنچ پر بیٹھا، زبردستی اس متلون مزاج بیوہ کے بارے میں سوچنے کی کوشش کرتا — اس پیڑ کے پتوں میں سے میڈونا کا چھوٹا سا مجسمہ جھانکتا رہتا جس کا منہ بچوں جیسا تھا اور چھاتی پر سرخ دل آرپار تلواروں سے چھلنی — دوسرے کنارے پر شہر «ل» تھا جو اس شہر سے بڑا تھا جہاں میں مقیم تھا — ایک دن میں اپنی محبوب بنچ پر بیٹھا، باری باری سے دریا، آسمان اور انگوروں کے چمن کو گھور رہا تھا — بھورے بھورے بالوں والے چھوکرے اس کشتی کے کنارے جھرمٹ بنائے کھڑے تھے جو کھینچ کر کنارے پر لائی گئی تھی — کشتی اوندھی پڑی تھی اور اس کی کولتار سے لتھڑی ہوئی پیٹھ نمایاں تھی — جہاز آہستہ آہستہ دریا کے رخ پر تیر رہے تھے جن کے بادباں ڈھیلے ہو گئے تھے — سبزی مائل لہریں آہستہ آہستہ غرغراتی ہوئی بہہ رہی تھیں — یکایک موسیقی کی دھنیں کانوں تک پہنچیں — میں نے اور غور سے سنا — شہر «ل» میں والز کی دھنیں فضا میں گونج رہی تھیں — ساز کی پاٹ دار بھاری آواز زوروں پر گونجی — وائلن سے ایک مبہم سی لے پھوٹ رہی تھی اور بانسری کی سریلی تان لہرا رہی تھی —

«کیا ہے یہ؟» میں نے ایک بوڑھے آدمی سے پوچھا جو ٹھیک اس وقت میرے قریب سے گزرا — وہ مخمل کا ویسٹ کوٹ پہنے ہوئے تھا — اس کے موزے نیلے تھے اور جوتوں میں بکل لگے ہوئے تھے —

«وہ؟» اپنے منہ کے ایک کونے سے پائپ ہٹاتے ہوئے اس نے دھرایا «یہ سب طلبا ہیں جو یہاں شہر «ب» سے «کومرس» منانے آئے ہیں — »

«میں ذرا یہ کومرس دیکھنا چاھتا ھوں» میں نے دل میں سوچا «اور میں کبھی شہر «ل» گیا بھی نہیں ھوں —» میں نے ایک مانجھی کو چنا اور دریا پار کرکے دوسرے کنارے پر پہنچ گیا —

۲

ممکن ھے کہ کچھہ لوگوں کو یہ نہ معلوم ھو کہ «کومرس» کیا بلا ھے — ایک قسم کی ضیافت ھے جس میں ایک ھی ضلع یا برادری (Landsmannschaft) کے طلبا شریک ھوتے ھیں — کومرس میں شریک ھونے والے قریب قریب تمام لوگ جرمن طلبا کا روایتی لباس پہنتے ھیں —— چھوٹے فوجی کوٹ، اونچے اونچے بوٹ، اور چھوٹی چھوٹی ٹوپیاں جن پر مقررہ رنگ کے فیتے لگے ھوتے ھیں — عام طور پر طلبا کسی سینیر یعنی کسی بزرگ کے زیر اھتمام اس ضیافت میں شریک ھوتے ھیں اور رات گئے تک جشن مناتے ھیں، پیتے پلاتے ھیں، گیت گاتے ھیں —— Landesvater, Gaudeamus —— تمباکو کے دھوئیں اڑاتے ھیں اور ظاھری ٹپ ٹاپ دکھانے والوں کو گالیاں دیتے ھیں — کبھی کبھی وہ کرائے پر ایک بینڈ کا انتظام بھی کر لیتے ھیں —

اس قسم کا ایک کومرس شہر «ل» کے ایک باغ میں جاری تھا جس کا پھاٹک ایک سدھارن قسم کی سرائے «آفتاب» کے سامنےوالی سڑک پر کھلتا تھا — باغ اور سرائے دونوں لہراتے ھوئے جھنڈوں سے سجے ھوئے تھے — طلبا لائم کے ان درختوں کے نیچے بیٹھے تھے جن کی ٹہنیاں تراش دی گئی تھیں — ایک میز کے نیچے ایک تگڑا کتا براجمان تھا — سازندے ذرا پرے، عشق پیچاں کے کنج کے

1—1577

پاس بیٹھے زور و شور سے چھین جھپٹ میں مصروف تھے، وہ تھوڑی تھوڑی دیر پر بیئر سے اپنا گلا تر کر کے تازہ دم ہو جاتے۔ باغ کے نیچے گھیروں کے سامنے سڑک پر بہت سے لوگ جمع تھے۔ «ل» کے بھلے مانس اس پر کمر بستہ تھے کہ اپنے مہمانوں کو دیکھنے کا یہ موقع هاتھه سے نہ جانے دیں۔ میں بھی تماشائیوں کے هجوم میں شامل ہو گیا۔ طلبا کے چہروں کو دیکھنے میں بڑا لطف آیا۔ ان کا ایک دوسرے کو گلے لگانا، حیرت کے کلمے منه سے نکالنا، نوجوانی کی معصوم حرکتیں، شعله بار نگاهیں، بے وجه قہقہے —— جو که بہترین قہقہے هیں—— یه تازه دم اور پر شباب زندگی کا نشاطانگیز طوفان، آگے بڑھتے رهنے کی تڑپ—— اس وقت تک آگے بڑھتے رهنے کی تڑپ جب تک که آگے بڑھنا ممکن هو—— یه معصومیت بھری بےخودی، هاں ان ساری باتوں نے مجھه پر اثر کیا اور دل میں ولوله پیدا کیا۔ میرا جی چاها که میں بھی ان میں شامل ہو جاؤں...

«کیا تمہارا جی نہیں بھرا آسیه؟» میرے پیچھے سے ایک مرد کی آواز آئی جو روسی بول رہا تھا۔

«آؤ کچھه دیر اور ٹھہر جائیں۔» اسی زبان میں ایک نسوانی آواز آئی۔

میں تیزی سے مڑا۔ میری نظر ایک خوش رو نوجوان پر پڑی جو چھجے والی ٹوپی اور ڈھیلی ڈھالی جیکٹ پہنے هوئے تھا۔ وہ ایک لڑکی کا بازو پکڑے هوئے تھا۔ لڑکی بہت زیادہ لمبی نہیں تھی۔ اس کے سر پر تنکوں کی ٹوپی تھی جس سے اس کے چہرے کا پورا بالائی حصه ڈھکا هوا تھا۔

«کیا آپ روسی ھیں؟» یہ الفاظ بے ارادہ میرے منہ سے نکل گئے۔

نوجوان ھنسا اور بولا «ھاں»۔

«مجھے کبھی اس کی توقع نہیں تھی... اس دورافتادہ جگہ میں...» میں نے شروع کیا۔

«اور نہ ھمیں اس کی توقع تھی!» اس نے بیچ سے بات کاٹ کر کہا «لیکن بہر حال یہ ھوا خوب! میں اپنا تعارف کراؤں میرا نام ھے گاگن اور یہ ھے میری...» اس کی زبان ایک لمحے کو لڑکھڑائی «میری بہن۔ اور کیا میں آپ کا نام پوچھہ سکتا ھوں؟»

میں نے اپنا نام بتایا اور بات چیت شروع ھوگئی۔ مجھے معلوم ھوا کہ گاگن جو میری طرح محض لطف و تفریح کے لئے سفر کر رھا تھا شہر «ل» میں صرف ایک ھفتہ پہلے وارد ھوا تھا اور وھیں مقیم تھا۔ سچی بات تو یہ ھے کہ پردیس میں مجھے روسیوں سے دوستی کرنے کا زیادہ چاؤ نہ تھا۔ میں تو ان کو دور ھی سے ان کی چال ڈھال دیکھہ کر، ان کے لباس کی کاٹ اور وضع دیکھہ کر اور خاص طور پر ان کے چہروں کی کیفیت دیکھہ کر پہچان لیتا تھا۔ چہرے پر ایک آسودہ خاطری، حقارت و نفرت اور بار بار ابھرنےوالی تحکمانہ کیفیت۔ اور یہی تاثر یکایک احتیاط اور تشویش میں بدل جاتا۔ وہ آدمی چوکنا ھو جاتا اور اس کی نظریں بےچینی سے بھٹکنے لگتیں۔ «اوہ کہیں میں نے کوئی احمقانہ حرکت نہ کردی ھو! وہ مجھہ پر تو نہیں ھنس رھے ھیں، ایں؟» ان کی گھبرائی ھوئی نگاھیں یہی کہتی ھوئی معلوم ھوتیں... ایک لمحہ اور گزرتا اور وھی شان و دبدبہ دو بارہ چہرے پر بحال ھو جاتا۔ ھاں البتہ

کبھی کبھی ایک کھوکھلی حیرانی کے جذبات جھلکنے لگتے۔ ھاں، میں روسیوں سے دامن بچاتا تھا لیکن گاگن نے فوراً ھی میرے دل میں گھر کر لیا۔ ایسے چہرے بھی ھوتے ھیں جن کو ھر شخص دیکھنا چاھتا ھے، ایسے چہرے جو دل کو گرماتے ھیں، ایسے چہرے جو دل پر پھایا رکھتے ھیں اور گاگن کے چہرے میں یہی بات تھی، چہرے سے پھوٹتی ھوئی، نرم دلی، دل میں اتر جانےوالی بڑی بڑی آنکھیں اور ملائم گھنگھریالے بال۔ اور وہ بولتا تو اس کے چہرے کو دیکھے بغیر اس کی آواز سے ایسا محسوس ھوتا کہ وہ مسکرا رہا ھے۔

وہ لڑکی جس کو اس نے اپنی بہن بتایا تھا، اسی آن مجھے بے حد سندر معلوم ھوئی۔ اس کے گول، زیتون کے رنگ کے چہرے میں ایک خاص انفرادیت تھی، ایک انوکھی بات۔ چھوٹی سی نازک ناک، بچوں جیسے گال اور چمکدار کالی آنکھیں۔ اس کے قد و قامت میں بڑی نزاکت اور جاذبیت تھی لیکن ایسا معلوم ھوتا تھا کہ اب تک وہ پکی عمر کو نہیں پہنچی ھے۔ وہ اپنے بھائی سے بالکل نہ ملتی تھی۔

«کیا تم ھمارے ساتھہ ھمارے گھر چلوگے؟» گاگن نے دعوت دی۔ «میرا خیال ھے کہ ھم کافی دیر جرمنوں کو دیکھہ چکے۔ ھمارے طلبا تو اب تک گلاس اور کرسیاں توڑنے کا پروگرام شروع کردیتے۔ یہ تو انتہائی سدھے ھوئے لڑکے ھیں۔ آسیہ گھر چلنے کے بارے میں کیا خیال ھے؟»

لڑکی نے سرھلا کر حامی بھری۔

«ھم شہر سے باھر رہتے ھیں» گاگن نے اپنی بات کا سلسلہ جاری

رکھا «بہت بلندی پر انگوروں کے چمن کے بیچوں بیچ ایک سنسان سے مکان میں — خوب جگہ ہے یہ — تم ضرور پسند کرو گے — ہماری مالکہ مکان نے کہا تھا کہ ہمارے لئے دھی تیار کرکے رکھیگی — جلدی اندھیرا ہوجائیگا — بہتر ہوگا کہ رھائن پار کرنے سے پہلے چاند کے نکلنے کا انتظار کر لو —»

ہم چل دئیے — شہر کے تنگ پھاٹکوں سے گزرکر (یہ شہر کھردرے پتھروں کی پرانی دیوار سے گھرا ہوا تھا جس پر اب تک دندانے دار برج اسی طرح موجود تھے) ہم کھلے ہوئے کھیتوں میں نکل آئے — دیوار کے ساتھہ ساتھہ کوئی سوگز چلنے کے بعد ہم ایک چھوٹے سے پھاٹک کے پاس رک گئے — گاگن نے پھاٹک کھولا اور ہمیں ایک ڈھلواں راستے سے اوپر کی طرف لے گیا — دونوں طرف انگور کی بیلیں مچانوں پر پھیلی ہوئی تھیں — ابھی ابھی سورج ڈوبا تھا اور ایک پگھلی پگھلی سی ارغوانی روشنی، ھری بیلوں، لمبے لمبے زریں پتوں اور سوکھی ہوئی مٹی پر کھیل رھی تھی — یہ روشنی آڑے سیدھے پتھروں کے راستے پر اور ایک چھوٹے سے مکان کی سفید دیواروں پر کھیل رھی تھی جو پہاڑی کے کنارے واقع تھا — اس کے شہتیر کالے اور ترچھے تھے اور چار کھڑکیاں چمک رھی تھیں —

«یہ ھے ھمارا آشیانہ!» جب ھم اس کے قریب پہنچے تو گاگن بولا «اور وہ رھی ھماری مکان والی — وہ ھمارے لئے دودھ لا رھی ھے — Guten Abend, Madame! ایک منٹ میں ھم کچھہ کھائینگے لیکن پہلے» اس نے کہا «ذرا پیچھے پلٹ کر دیکھنا —— کہو کیسا منظر ھے؟»

واقعی منظر حسین تھا— ہمارے نیچے بہت دور رھائن بہتا ہوا، اپنے دونوں سبز کناروں کے درمیان چاندی کی طرح چمک رھاتھا — ایک جگہ اس میں ڈوبتے ہوئے آفتاب کے ارغوانی سونے کی وجہ سے آگ سی لگی ہوئی تھی— اس کے کنارے آباد اس چھوٹے سے شہر کے سارے گھر اور سڑکیں نظر آ رہی تھیں— پہاڑیاں اور کھیت دور دور تک پھیلتے چلے گئے تھے— نیچے کافی دلکش منظر تھا لیکن اوپر تو اس سے کہیں زیادہ خوبصورت تھا— آسمان کی پاکیزگی اور گہرائی اور درخشاں اور صاف شفاف فضا نے مجھہ پر بہت اثر کیا— ہوا خنک اور ھلکی تھی— ہوا اس طرح سانس لے رہی تھی اور لہریں مار رہی تھی جیسے اس بلندی پر اسے بھی اپنے آزاد ہونے کا احساس ہو—

«تم نے رھنے کے لئے شاندار جگہ چنی ھے» میں نے کہا—

«یہ آسیہ کی دریافت ھے» گاگن نے جواب دیا— «چلو آسیہ» اس نے آگے کہا «آرڈر دو— ھر چیز باھر لانے کے لئے کہو— ھم اپنا کھانا یہیں کھائینگے— یہاں موسیقی بہتر سنائی دیگی— تم نے محسوس کیا» اس نے مجھہ سے مخاطب ھوتے ہوئے کہا «یہ والز جو قریب سے اتنا نا گوار معلوم ھوتا ھے، ھاں یہ بھدی اور مہمل آوازوں کا طوفان بدتمیزی، دور سے سننے سے یکایک بدل جاتا ھے اور دل کے تمام رومانی تاروں کو گدگدانے لگتا ھے—»

آسیہ (اس کا اصلی نام آننا تھا لیکن گاگن اس کو آسیہ پکارتا تھا اور آپ کی اجازت سے میں بھی یہی نام لونگا) گھر کے اندر گئی اور جلد ھی مکان والی کے ساتھہ واپس آگئی— دونوں ایک بڑی سی سینی اٹھائے ہوئے تھیں جس پر دودھہ کا ایک بڑا سا جگ تھا، پلیٹیں،

چمچیے، شکر، گوندنیاں اور روٹی رکھی تھی — ہم بیٹھ کر کھانے لگے — آسیہ نے اپنی ٹوپی اتاری — اس کے کالے بال، جو ذرا چھوٹے تھے اور جن پر کسی نوجوان مرد کے بالوں کی طرح بڑی صفائی اور ہمواری سے کنگھا کیا گیا تھا، پھسل کر، بھاری گچھوں کی طرح اس کی گردن اور کانوں پر جھولنے لگے — شروع میں تو وہ مجھ سے شرماتی لجاتی رہی لیکن گاگن نے اس پر اسے ڈانٹ بتائی:

«منہ میں گھنگھنیاں بھرکر نہ بیٹھو آسیہ! وہ تمہیں کھا تو نہیں جائیگا —»

وہ مسکرائی اور تھوڑی دیر کے بعد خود بخود مجھ سے بات چیت کرنے لگی— میں نے اس سے زیادہ بے چین روح آج تک نہیں دیکھی — ایک لمحے کو بھی وہ نچلی نہ بیٹھی — وہ ہمیشہ اٹھتی، بھاگتی ہوئی گھر کے اندر جاتی اور گنگناتی اور باربار قہقہے لگاتی ہوئی واپس آتی، کچھ اس انداز سے، جیسے کسی سنی ہوئی بات پر نہیں بلکہ ان تمام خیالات پر ہنس رہی ہو جو اس کے دماغ میں ابھر رہے تھے — اس کی بڑی بڑی آنکھیں بالکل سیدھے سامنے دیکھتیں، چمکتی ہوئی نڈر آنکھیں — لیکن تھوڑی دیر پر پلکیں سمٹنے لگتیں اور اس کی نگاہوں میں ایک حیرتناک گہرائی اور نرمی پیدا ہوجاتی —

ہم کوئی دو گھنٹے تک باتیں کرتے رہے — دن کب کا ڈھل چکا تھا اور شام ، شروع میں شعلے کی طرح بھڑک اٹھنے کے بعد، رفتہ رفتہ پرسکون ارغوانی چمک میں بدلی اور زرد اور دھندلی ہوتی ہوئی، پگھلتی اور جھلملاتی ہوئی رات میں تحلیل ہو گئی— لیکن ہماری بات چیت کا سلسلہ جاری رہا، ہمارے اردگرد سانس

لیتی ہوئی ہوا کی طرح پرسکون اور پر آہنگ بات چیت ــ گاگن نے رہائن‌وین شراب کا آرڈر دیا اور ہم اطمینان سے اس پر بات چیت کرتے رہے ــ موسیقی کی دھنیں اب تک ہمارے کانوں میں اتر رہی تھیں اور اب اس کی آواز زیادہ شیریں اور نرم محسوس ہو رہی تھی ــ شہر میں اور دریا پر روشنیاں جگمگا اٹھیں ــ آسیہ کا سر جھک گیا اور لٹیں آنکھوں کے آگے جھولنے لگیں ــ وہ یکایک خاموش ہو گئی اور ٹھنڈی سانس بھرنے لگی ــ اس نے ہم سے کہا کہ وہ سونے جا رہی ہے اور گھر کے اندر چلی گئی ــ لیکن میں اسے دیر تک دیکھتا رہا اس لئے کہ وہ اپنی موم بتی جلائے بغیر بند کھڑکی پر کھڑی رہی ــ آخر چاند نکلا اور اس کی کرنیں رہائن پر کھیلنے لگیں ــ ہر چیز بدلی بدلی نظر آنے لگی ــ کچھہ چیزیں جگمگا اٹھیں اور کچھہ چیزیں اندھیرے میں ڈوب گئیں یہاں تک کہ ہمارے کانچ کے ڈونگوں میں شراب بھی کچھہ پراسرار انداز سے چمکنے لگی ــ ہوا ہولے ہولے چلنے لگی جیسے اس نے اپنے پر سمیٹ لئے ہوں اور پھر خاموش ہو گئی ــ زمین سے مہکتی ہوئی رات کی گرمی نکلنے لگی ــ

«گھر جانے کا وقت ہو گیا!» میں چلدیا «ورنہ پھر دریا پار کرنے کے لئے مجھے کوئی ناؤ نہیں مل سکیگی ــ»

«گھر جانے کا وقت» گاگن نے دھرایا ــ

ہم پہاڑی راستے سے نیچے اترے ــ یکایک ہمارے پیچھے پتھر لڑھکنے لگے ــــ آسیہ ہمارے پیچھے پیچھے بھاگتی چلی آ رہی تھی ــ

«میں تو سمجھا کہ تم سو رہی ہو» اس کے بھائی نے کہا لیکن وہ ایک لفظ کہے بنا ہمارے پاس سے دوڑتی ہوئی آگے نکل

گئی — سرائے کے باغ میں طلبا کی جلائی ہوئی آخری مدھم مشعلیں نیچے سے گھنے پتوں کو روشن کر رہی تھیں اور اس طرح درختوں میں ایک طربناک اور پراسرار جگمگاہٹ پیدا ہو رہی تھی — ہم نے دریا پر آسیہ کو ایک مانجھی سے بات کرتے ہوئے پایا — میں ناؤ میں کود گیا اور اپنے نئے دوستوں سے رخصت ہوا — گاگن نے دوسرے دن آ کر مجھ سے ملنے کا وعدہ کیا — میں نے اس کا ہاتھ دبایا اور اپنا ہاتھ آسیہ کی طرف بڑھایا لیکن اس نے صرف میری طرف دیکھا اور سر ہلایا — کشتی پانی میں پھسلی اور ڈولنے لگی — ہٹے کٹے بوڑھے مانجھی نے چپو اٹھائے اور زور لگاتے ہوئے پانی میں ڈال دئے —

«ارے تم تو روشنی کے مینار سے جا ٹکرائے، تم نے اسے توڑ دیا!» آسیہ نے پکار کر کہا —

میں نے نیچے دیکھا —— کالی موجوں میں ڈولتی ہوئی کشتی کے گاؤدم کناروں کو چومتا ہوا پانی سانس لے رہا تھا —

«شب بخیر!» آسیہ کی آواز ایک بار پھر گونج گئی —

«کل ملینگے!» گاگن پکارا —

ناؤ کنارے پر پہنچ گئی — میں اترا اور مڑ کر دیکھا — دوسرے کنارے پر اب تو کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا — چاندنی کا مینار پھر سونے کے پل کی طرح دریا پر پھیل گیا تھا — اب تک میرے کانوں میں دقیانوسی لانر والز کی آوازیں آ رہی تھیں جیسے مجھے الوداع کہہ رہی ہوں — گاگن نے ٹھیک کہا تھا: میری روح کے سارے تار ان معنی خیز دھنوں کی ضرب سے تھرتھرا رہے تھے — میں اندھیرے میں سے ہوتا ہوا، معطر ہوا کو آہستہ آہستہ سانس

میں بساتا ہوا، اپنے کمرے پر پہنچا تو ایک مبہم اور ناتمام انتظار کی میٹھی میٹھی تھکن سے نڈھال ہو رہا تھا — میں خوش تھا... لیکن کس بات پر خوش ہو رہا تھا؟ مجھے کسی چیز کی خواہش نہیں تھی، میں کچھہ نہیں سوچ رہا تھا... میں مسرور تھا۔

روشنی کی چکا چوند اور خوشگوار احساسات سے قریب ہنستے ہوئے میں بستر میں کود پڑا اور اب میری آنکھہ لگنے ہی والی تھی کہ مجھے یکایک خیال آیا کہ آج میں نے پوری شام ایک بار بھی اپنی بے رحم حسینہ کو یاد نہیں کیا تھا... «اس کا مطلب؟» میں نے اپنے آپ سے پوچھا «کیا مجھے محبت نہیں ہے؟» لیکن اس سوال کے ساتھہ ہی میں فوراً سو گیا جیسے جھولے میں بچہ —

۳

دوسری صبح (میں جاگ چکا تھا مگر اب تک بستر میں پڑا اینڈ رہا تھا) کھڑکی پر ایک چھڑی کی کھٹ کھٹ سنائی دی اور ساتھہ ہی ایک آواز — میں گاگن کی آواز کو فوراً پہچان گیا — وہ گا رہا تھا:

«اور اگر تم سوتے ہو تو میں تمہیں اٹھاؤنگا
اپنے بربط کے سروں سے...»

میں نے جلدی سے دروازہ کھولا —

«آداب عرض ہے» اس نے اندر آتے ہوئے کہا «میں نے سویرے سویرے جگا دیا — لیکن ذرا دیکھو تو کیسی صبح ہے یہ! ہوا ایسی تازہ، ہر طرف شبنم اور چکاوک گا رہے ہیں...»

وہ اپنے گھنگھریالے چمکدار نرم بالوں، ننگی گردن اور گلابی رخساروں کی وجہ سے صبح کی طرح خود مجسم تر و تازہ اور شاداب نظر آ رہا تھا—

میں نے کپڑے بدلے— ہم باغ میں گئے اور ایک بنچ پر بیٹھ گئے— ہم نے قہوہ منگوایا اور پینے لگے— گاگن نے مجھے اپنے مستقبل کے منصوبوں کے بارے میں بتایا— اس کے پاس معقول آمدنی تھی اور وہ آزاد تھا— اس لئے اس کا ارادہ تھا کہ اپنی زندگی آرٹ کے لئے تج دے اور اسے صرف اس کا افسوس تھا کہ وہ اتنے دنوں سے بس ارادہ ھی ارادہ کر رہا تھا— اس‌نے اپنا بہت زیادہ وقت اسی خیالی پلاؤ میں ضائع کر دیا تھا— میں نے بھی اپنا پروگرام سنایا اور دوسری باتوں کے ساتھہ میں نے اسے اپنی سوگوار محبت کا راز بھی بتا دیا— اس نے بڑے غور سے میری باتیں سنیں— لیکن میں نے تاڑ لیا کہ میرے جذبات کی گرمی نے اس میں کوئی ھمدردی نہیں جگائی— محض اخلاقاً میری ٹھنڈی سانسوں میں چند ٹھنڈی سانسوں کا اضافہ کرنے کے بعد اس نے مجھے اپنے گھر چلنے اور اپنے ہاتھوں کے اسکچ دیکھنے کی دعوت دی— میں فوراً تیار ہو گیا—

ہم پہنچے تو آسیہ گھر پر نہیں تھی— مکان والی نے کہا کہ وہ «کھنڈروں» کی طرف گئی ھے— شہر «ل» سے چند کوس کی دوری پر ایک جاگیردار کے قلعے کے کھنڈر تھے— گاگن نے میری خاطر اپنے تمام تھیلے کھولے— اس کے اسکچوں میں کافی زندگی اور خلوص تھا، کچھہ بیباکی اور وسعت— لیکن ان میں سے ایک بھی مکمل نہ تھا اور میرے خیال میں اس کی کاوشیں بے پروائی کا نتیجہ اور کمزور تھیں— میں نے نہایت صافگوئی سے اسے اپنا خیال بتا دیا—

«ھاں، ھاں!» اس نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا «تم ٹھیک کہتے ھو— یہ سب بڑے کمزور اور خام ھیں— لیکن میں کیا کر سکتا ھوں؟ میں نے صحیح معنوں میں کبھی مطالعہ نہیں کیا اور پھر یہ اپنی کمبخت سلاف بے پروائی— جب تم اس پر سوچتے ھو کہ تمھیں کیا کرنا ھے تو اس وقت تم ایک عقاب کی طرح ھوا میں پرواز کرتے ھو، تمھیں محسوس ھوتا ھے کہ تم میں پورے پورے پہاڑ کو ھٹا دینے کا کس بل موجود ھے —— لیکن جب عمل کی باری آتی ھے تو تم یکایک کمزور اور نڈھال ھوجاتے ھو—»

میں کچھہ حوصلہ افزا باتیں کہنے والا تھا کہ اس نے اپنے ھاتھہ کی جنبش سے خاموش کر دیا اور تمام تصویروں کو ایک ڈھیر کی طرح اکٹھا کرکے صوفے پر پٹک دیا—

«اگر مجھہ میں کچھہ صبر و استقلال ھوگا تو شاید میں کچھہ کر سکونگا» اس نے اپنے دانت پیستے ہوئے کہا «اور نہیں تو پھر میں کودن کا کودن رہ جاؤنگا— آؤ چلیں آسیہ کو دیکھیں!»

ھم گھر سے باھر نکل گئے—

٤

کھنڈروں کی طرف جانے والا راستہ ایک تنگ سی جنگل بھری وادی کے ڈھلان کے ساتھہ ساتھہ لہراتا ھوا گزرتا تھا— اس وادی کے دامن میں ایک تیز رو چشمہ شور مچاتا ھوا اور پتھروں کے اوپر سے اپنا راستہ بناتا ھوا دوڑتا تھا جیسے اسے اس بڑے سے دریا سے ملنے کی جلدی ھو جو پہاڑی سلسلے کی نکیلی گھاٹیوں کی کالی دیوار کے اس پار سکون سے چمک رھا تھا— گاگن نے میری توجہ

ان جگھوں کی طرف مبذول کرائی جہاں روشنی ایک انوکھے حسن کے ساتھہ سو رھی تھی اور اس کے الفاظ سے پٹک رھا تھا کہ بھلے وہ مصور نہ ھو، لیکن اس کی روح ایک فنکار کی تھی۔ کھنڈر جلد ھی نظر آنے لگے ۔ ایک ننگی چٹان کی سطح پر ایک مربع برج تھا، بالکل سیاہ، لیکن مضبوط ۔ ھاں ایک آڑی دراڑ نے اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اس کے دونوں طرف دیواریں دوڑتی چلی گئی تھیں جن پر سبزہ اگا ھوا تھا اور کہیں کہیں اس کے پتھروں سے عشق پیچاں جھانک رھا تھا۔ جھکے ھوئے درخت توپ کے لئے پرانے سوراخوں اور ٹوٹی پھوٹی محرابوں میں لہرا رہے تھے ۔ پتھریلا راستہ پھاٹکوں کی طرف جاتا تھا جو اب تک اسی طرح قائم اور دائم تھے ۔ جب ھم ان کے قریب پہنچے تو ایک عورت کا پیکر کوندتا ھوا گزر گیا، تیزی سے دوڑنے اور کنکر کے ایک ڈھیر پر ھاتھوں اور گھٹنوں کے بل چڑھنے کے بعد ایک دیوار کے نکلے ھوئے تختے پر آ کر رکا اور پھر یہ پیکر ایک کھڈ کے اوپر کھڑی دیوار کے کنارے پر نظر آیا ۔

«ارے، یہ تو آسیہ ھے!» گاگن کے منہ سے نکلا «پگلی لڑکی!»

ھم پھاٹک سے گزرکر ایک صحن میں پہنچے جو جنگلی سیب اور خاردار پودوں سے بھرا ھوا تھا ۔ ھاں سچ منڈیر پر یہ تو آسیہ ھی بیٹھی تھی ۔ ھماری طرف منہ پھیرکر وہ ھنسی لیکن اپنی جگہ سے ذرا نہ ھلی ۔ گاگن نے انگلی لہرا کر دھمکی دی اور میں نے اس کی لاپروائی کے لئے اسے ڈانٹ پلائی ۔

«چھوڑ دو اسے!» گاگن نے زیرلب مجھہ سے کہا «اس کو مت چڑاؤ۔ تم اسے نہیں جانتے ۔ وہ مینار سے چھلانگ لگانے میں

ذرا نہ جھجکیگی— بہتر یہ ہے کہ ہم نظارہ کریں اور یہاں کے لوگوں کی عقل اور سوجھہ بوجھہ کی داد دیں—»

میں نے چاروں طرف نظر دوڑائی— ایک کونے میں، لکڑی کی ایک دوکان کے سائے میں ایک بوڑھی عورت بیٹھی موزہ بن رہی تھی اور اپنی عینک میں سے ہمیں دیکھہ رہی تھی— وہ سیاحوں کے ہاتھوں بیئر، ادرک والی روٹی اور پانی بیچتی تھی— ہم ایک بنچ پر بیٹھہ کر جست کے ڈونگوں میں ٹھنڈی بیئر پینے لگے— آسیہ اپنی جگہ پر بے حس و حرکت دوزانو بیٹھی رہی— اس کے سر پر باریک جالی دار کپڑے کا رومال بندھا ہوا تھا— اس کے نازک بدن کے دل آویز نقوش ڈھلے ہوئے آکاش کے پس منظر میں نمایاں ہو گئے تھے— لیکن میں ناپسندیدگی کے جذبات سے اسے دیکھہ رہا تھا— پیچھلے دن میں نے اس میں کچھہ عجیب سا تناؤ، کوئی ایسی چیز محسوس کی تھی جو بالکل فطری تو نہیں تھی «وہ ہم پر رعب ڈالنا چاہتی ہے» میں نے سوچا «وہ ایسا کیوں کرتی ہے؟ کیا بچکانہ ہتکنڈا ہے!» — جیسے اس نے میرے خیالات بھانپ لئے ہوں— اس نے یکایک تیز اور سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا، پھر قہقہہ لگایا، اور اچھلتی کودتی دو جست میں دیوار سے اتر گئی، بوڑھی عورت کے پاس گئی اور اس سے ایک گلاس پانی مانگا—

«کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں پیاسی ہوں اس لئے پانی مانگ رہی ہوں؟» اس نے اپنے بھائی سے کہا «نہیں... دیوار پر کچھہ پھول اگ رہے ہیں— ان میں پانی ڈالنا بالکل ضروری ہے—»

گاگن نے اس کی باتوں کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا— ہاتھہ میں گلاس پکڑے ہوئے وہ کھنڈر کے اوپر چڑھنے لگی، کبھی

یہاں رکتی کبھی وہاں— پانی کے دو چار قطرے چھلکاتے ہوئے وہ کچھه اس انداز سے جھکی جیسے بڑا اهم کام کر رهی هو— پانی کے قطرے دھوپ میں خوب چمک رہے تھے— اس کی حرکتیں بڑی دلکش تھیں لیکن پھر بھی اس کی طرف سے طبیعت الجھه رهی تھی— حالانکه میں دل هی دل میں اس کی سبک چال ڈھال اور چستی کی داد دے رها تھا— ایک بہت هی خطرناک جگه پر اس نے ایک بناوٹی چیخ ماری اور پھر قہقہه مارکر هنسنے لگی... میں اور بھی چڑ گیا—

«ارے یه تو بکری کی طرح کود کے لگاتی هوئی چڑھتی هے!» بوڑھی عورت نے اپنے موزے سے نظر هٹاکر ایک لمحے کو اوپر دیکھتے هوئے کہا—

آخر، تمام پانی بہانے کے بعد، آسیه کھیلتی کودتی اور جھومتی جھامتی همارے پاس نیچے آ گئی— اس کی بھویں، نتھنے اور هونٹ کچھه عجیب مسخرے پن سے تھر تھرا رہے تھے— اس کی کالی آنکھیں کچھه باغیانه شان سے اور کچھه جوش نشاط سے مچ سی گئی تھیں—

«میں جانتی هوں تم کو میرے یه ڈھنگ کچھه جچے نہیں» اس کے چہرے سے یہی بات ٹپک رهی تھی— «لیکن مجھے پروا نہیں— میں جانتی هوں، سچ، تم دل هی دل میں مجھے سراه رہے هو—»

«خوب، آسیه، خوب کیا تم نے!» گاگن نے زیرلب کہا—

یکایک وه نادم نظر آنے لگی اور وه اپنی پلکیں جھکائے، سهمی سهمی سی همارے پاس بیٹھی رهی جیسے اسے اپنے جرم کا

احساس ہو– پہلی بار میں نے اس کے چہرے کو ذرا نظر بھر کے دیکھا —— اتنا رنگ بدلنے والا، اتنا سیمابی چہرہ میں نے کبھی نہیں دیکھا– چند ھی منٹوں میں چہرہ بالکل پیلا پڑ گیا اور کچھھ کھویا کھویا سا انداز پیدا ھوگیا، ایک غم‌ناکی اور اداسی– مجھے ایسا معلوم ھوا کہ اس کے چہرے کے نقوش بڑے ھوگئے ھیں، زیادہ تیکھے اور سادہ– ایسا لگتا تھا کہ وہ ایک گہرے سکوت میں غرق ھے– ھم کھنڈروں میں چاروں طرف گھومتے رھے (اور آسیہ ھمارے پیچھے پیچھے چلتی رھی) اور مناظر کی داد دیتے رھے– کھانے کا وقت آ رھا تھا– گاگن نے بوڑھی عورت کے پیسے ادا کئے، ایک اور ڈونگے کا آرڈر دیا اور میری طرف مڑ کر ایک معنی خیز نظر سے دیکھتے ھوئے بولا :

«تمہارے دل کی رانی کی صحت کا جام!»

«کیا اس کی —— کیا واقعی تمہاری کوئی دل کی رانی ھے؟» آسیہ نے اچانک پوچھا–

«کس کی نہیں ھوتی؟» گاگن بولا–

ایک لمحے کو آسیہ سوچ میں پڑ گئی– پھر اس کے چہرے کا رنگ بدلا اور اس کے چہرے پر باغیانہ، قریب قریب گستاخی بھرے تمسخر کے جذبات جھلکنے لگے–

لوٹتے ھوئے وہ اور زیادہ ترنگ کے ساتھھ ھنستی اور کلیلیں کرتی رھی– اس نے ایک ٹہنی توڑ لی اور اس کو اپنے کندھے پر بندوق کی طرح رکھھ لیا، اور رومال سر پر باندھھ لیا– مجھے یاد ھے کہ راستے میں ھمیں ایک بڑا سا انگریز خاندان ملا– ان کے بال سنہرے تھے– سب کے سب خاصا لئے دئے معلوم ھوتے تھے– ان میں سے ھر

ایک نے، گویا فوجی کمان کی تعمیل میں، آسیہ کو انتہائی سردمہری اور پتھرائی ہوئی نظروں سے گھور کر دیکھا، اور وہ ایک گیت الاپنے لگی جیسے ان کا منہ چڑانا چاہتی ہو— گھر پہنچتے ہی وہ اپنے کمرے میں چلی گئی اور دوبارہ صرف کھانا لگنے کے بعد ہی دکھائی دی— اس وقت وہ اپنا بہترین فراک پہنے ہوئے تھی— بال بڑی ستھرائی سے سنوارے گئے تھے— اس کی کمر کسی ہوئی اور بھی پتلی سی نکل آئی تھی— اس کے ہاتھوں میں دستانے تھے— وہ کھانے کی میز پر بہت سنجیدہ رہی، روائیتی حد تک متین اور پر تکلف— اس نے کھانے کو برائے نام چھوا ہوگا— وہ ایک جام سے پانی پیتی رہی— یہ ظاہر تھا کہ وہ میرے سامنے ایک نئے رول میں آنا چاہتی تھی—— ایک مہذب اور شایستہ خاتون کے رول میں— گاگن نے اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا— میں نے دیکھ لیا تھا کہ وہ اس کی تمام من موجی حرکتوں کو جھیلنے کا عادی تھا— کبھی کبھار وہ اپنے ایک کندھے کو ذرا ابھارتے ہوئے ایک مسکراتی ہوئی نگاہ سے مجھے دیکھتا جیسے کہہ رہا ہو «بچی ہے—— اس پر ترس کھاؤ!» کھانا ختم ہوتے ہی، آسیہ اٹھی، ہلکے سے کورنش بجا لائی اور اپنی ٹوپی پہنتے ہوئے گاگن سے پوچھا کہ کیا میں فراؤ لوئی‌زا سے ملنے جا سکتی ہوں—

«تم میری اجازت کب سے لینے لگیں؟» اس نے اپنی اسی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا جس میں ابکے کچھ بوکھلاہٹ بھی شامل ہوگئی تھی «کیا تم ہماری صحبت میں اتنا اکتا گئیں؟»

«بالکل نہیں، لیکن کل میں نے فراؤ لوئی زا سے وعدہ کیا تھا کہ آج میں آکر ان سے ملونگی— دوسرے یہ کہ میں نے سوچا

کہ تم میرے بنا زیادہ خوش ہو گے— جناب ن— (اس نے میری طرف اشارہ کیا) تمہیں کچھہ اور بتا سکینگے—»

وہ چلی گئی—

«فراؤ لوئی‌زا» گاگن نے میری نظر سے کتراتے ہوئے کہا «شہر کی میونسپلٹی کے کمیشنر کی بیوہ ہیں— لائق خاتون ہیں مگر کھوپڑی بالکل خالی ہے— ان کو آسیہ سے بڑی محبت ہوگئی ہے— آسیہ کو ذرا نچلے طبقے کے لوگوں سے راہ و رسم پیدا کرنے کا بڑا چاؤ ہے— میں نے دیکھا ہے کہ اس قسم کی چیز بڑائی اور غرور سے پیدا ہوتی ہے— جیسا کہ تم نے دیکھا ہوگا یقینی اس کے ڈھنگ ذرا بگڑے ہوئے ہیں» اس نے ایک لمحے کی خاموشی کے بعد کہا «لیکن کیا کیا جا سکتا ہے اس سلسلے میں؟ میں کبھی بھی کسی کے ساتھہ سختی سے نہیں پیش آیا—— اور اس کے ساتھہ تو اور بھی کم— میں اس کے ساتھہ مروت سے پیش آنے پر مجبور ہوں—»

میں نے کچھہ نہیں کہا اور گاگن نے بات بدل دی— اس کے بارے میں جتنا زیادہ مجھے معلوم ہوتا گیا میں اسی قدر اس کی طرف کھنچتا گیا— میں جلد ہی اسے خوب سمجھہ گیا— اس کی طبیعت بالکل روسی تھی، کھری کھری کہنے والا، ایمان دار، بے لاگ لیکن افسوس ناک حدتک نڈھال اور الوالعزمی اور ولولے سے محروم— اس میں جوانی کی تڑپ نہیں تھی— اس میں سے خاموش روشنی پھوٹتی تھی— اس میں کشش اور ذہانت تھی لیکن میں اس کا تصور نہیں کر سکتا تھا کہ وہ پورے طور پر نکھرنے کے بعد کیا روپ دھارن کریگا— کیا وہ ایک مصور بن جائیگا؟ ایک فنکار بننے کے لئے انتھک، پتا مارکر محنت کرنا ضروری ہے... اور محنت— میں نے

اس کے غیر واضح نقوش کو دیکھتے ہوئے اور دھیمی آواز میں اس کی باتوں کو سنتے ہوئے سوچا —— ھاں محنت ھی تو تم سے نہیں ھو گی، تم کبھی اپنے آپ پر زور نہیں چلا سکو گے— لیکن اس کو نہ چاھنا نا ممکن تھا— دل اس کی طرف کھنچتا تھا— ھم نے ایک ساتھہ کوئی تین چار گھنٹے بتائے —— باری باری سے صوفے پر بیٹھتے ہوئے، گھر کے سامنے چہل قدمی کرتے ہوئے —— اور ان چار گھنٹوں میں ھم گہرے دوست بن گئے—

سورج ڈوب گیا تھا اور اب میرے رخصت ہونے کا وقت آ گیا تھا— آسیہ اب تک واپس نہیں آئی تھی—

«کتنی خود رو لڑکی ھے یہ!» گاگن بولا «کیا میں تمہیں گھر تک چھوڑ آؤں؟ راستے میں ھم ذرا فراؤ لوئی‌زا کے ھاں ھو لینگے اور آسیہ کو دیکھہ لینگے وھاں ھے یا نہیں— وہ تمہارے راستے سے بہت دور بھی نہیں —»

ھم شہر کی طرف اترے اور ایک تنگ سی ٹیڑھی میڑھی گلی میں مڑ گئے اور ایک چار منزلہ مکان کے سامنے رک گئے (جس کی چوڑان صرف دو کھڑکیوں کے برابر تھی. . .)— دوسری منزل نچلی منزل کے اوپر نکلی ہوئی تھی اور تیسری اور چوتھی دوسری منزل کے اوپر— ڈھیتا ھوا پتھر کا کام، بالائی منزلوں کو اٹھائے ہوئے دو موٹے ستون، کھپریل کی ڈھلوان چھتیں، چونچ کی طرح نکلا ھوا بالائی حصہ جیسے کوئی سمٹی سمٹائی چڑیا بیٹھی ھو—

«آسیہ» گاگن نے آواز دی «کیا تم یہاں ھو؟»

تیسری منزل سے روشن کمرے کی کھڑکی کے کھلنے کی آواز آئی اور اس میں سے جھانکتا ھوا آسیہ کا چھوٹا سا کالا سر نظر آیا—

اس کے پیچھے سے ایک بوڑھی جرمن عورت کا چہرہ اپنے پوپلے منہ اور چندھی آنکھوں کے ساتھ جھانکتا دکھائی دیا—

«میں یہاں ہوں!» آسیہ نے بڑی دل نواز ادا کے ساتھ کھڑکی پر اپنی کہنیوں کو ٹکاتے ہوئے کہا «میں کافی خوش ہوں! لو، یہ لو!» گاگن کی طرف پھول پھینکتے ہوئے بولی «بس یوں سمجھ لو کہ میں تمہارے دل کی رانی ہوں—»

فراؤ لوئی‌زا ہنسی—

«ن— گھر جا رہا ہے» گاگن نے کہا «وہ تمہیں خدا حافظ کہنا چاہتا ہے—»

«کیا واقعی؟» آسیہ نے کہا «تو پھر پھول اسی کو دے دو— میں ابھی آئی—»

اس نے کھڑکی بند کی اور بلاشبہہ فراؤ لوئی‌زا کو پیار کیا— گاگن نے خاموشی سے پھول میرے ہاتھ میں دے دیا— چپکے سے میں نے پھول اپنی جیب میں رکھ لیا— وہاں سے دریا تک ٹہلتا ہوا گیا اور ناؤ میں بیٹھ کر دوسرے کنارے پر پہنچ گیا—

مجھے یاد ہے— جب میں بے خیالی کے عالم میں دل پر ایک بوجھ سا لئے ہوئے اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا تو یکایک خوشبو کا ایک تیز جھونکا آیا— ایک جانی پہچانی خوشبو جو جرمنی میں کبھی کبھار ہی نصیب ہوتی تھی— میں چپ چاپ کھڑا ہوگیا— سڑک کے کنارے سن کی ایک کیاری نظر آئی— صحرائی وادی کی خوشبو نے فوراً ہی مادروطن کی یاد تازہ کر دی اور میری روح میں وطن پہنچنے کے لئے ہوک سی اٹھنے لگی— میں روسی ہوا میں سانس

لینا چاهتا تها— میں روسی دهرتی پر چلنا چاهتا تها— «میں کیا کر رهاهوں یہاں، میں کیوں ایک اجنبی دیس میں، اجنبیوں کے درمیان مارا پهر رها هوں؟» میرے منه سے نکلا اور دل کا بهاری بوجهه ایک تلخ اور جلتے هوئے هیجان میں بدل گیا— جب میں گهر پہنچا تو میرا موڈ پچهلے دن کے مقابلے میں بہت مختلف تها— میری کیفیت کچهه غصے کی سی تهی اور اس سے میں کافی دیر تک چهٹکارا نه پا سکا— ایک کوفت کا احساس تها جو ستائے چلا جا رها تها اور میری سمجهه سے بالاتر تها— آخر میں اپنی متلون مزاج بیوه کے متعلق سوچنے لگا (هر دن اس خاتون کی مقدس یادوں کے ساتهه ختم هوتا تها)— اس کا ایک خط نکالا— لیکن میں نے اسے کهولا بهی نہیں اس لئے که میرے خیال کا دهارا کسی اور طرف مڑ گیا تها— میں سوچنے لگا... آسیه کے بارے میں— مجهے یاد آیا که بات چیت کے دوران میں گاگن نے اشاره کیا تها که اس کے روس لوٹنے کے راستے میں کوئی روڑا رکاوٹ بنا هوا هے... «اچها، کیا وه واقعی اس کی بہن هے؟» میں نے زور سے کہا—

میں نے اپنے کپڑے اتارے اور بستر پر لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگا— لیکن ایک گهنٹے کے بعد میں پهر اٹهه بیٹها اور اپنی کہنیوں کو تکیے پر رکهتے هوئے پهر «اس زبردستی کے قہقہے والی من موجی لڑکی» کے متعلق سوچ میں گم هو گیا— «اس کا پیکر، فارنیزینا کی دیواروں پر رافیل کی گالاتیا (۲) کی طرح هے» میں بڑبڑایا «اور مجهے یقین هے که وه اس کی بہن نہیں هے...»

اور اس بیوه کا خط خاموش فرش پر پڑا، چاندنی میں سفید سفید نظر آ رها تها—

اگلی صبح پھر میں ناؤ میں دریا پار کرکے شہر «ل» پہنچا۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ میں تو گاگن سے ملنا چاھتا ھوں لیکن اندر ھی اندر جی میں یہ تمنا انگڑائیاں لے رھی تھی کہ دیکھوں آسیہ کا کیا رویہ رھتا ھے۔ کیا وہ پچھلے دن کی طرح اپنی «ادا» دکھائیگی؟ میں پہنچا تو دونوں ڈرائنگ روم میں بیٹھے ملے۔ اور حیرت کی بات یہ تھی کہ (شاید اس وجہ سے کہ رات اور صبح میں روس کے متعلق اتنا زیادہ سوچتا رھا تھا) آسیہ مجھے پکی روسی لڑکی نظر آئی، ھاں پکی روسی لڑکی، ایک معمولی لڑکی، گھر کا کام کاج کرنے والی لڑکی۔ وہ ایک پرانے فراک میں تھی۔ اس کے بال کانوں کے پیچھے لٹک رھے تھے۔ وہ کھڑکی کے پاس خاموش بیٹھی تھی۔ وہ اتنے انکسار اور خاموشی سے کشیدہ کاری کے فریم پر کام کر رھی تھی کہ معلوم ھوتا تھا کہ زندگی بھر اس نے اس کام کے سوا اور کچھہ نہیں کیا ھے۔ وہ مشکل سے ایک آدھہ لفظ بولی اور اپنی آنکھیں اپنے کام پر جمائے رھی۔ اس کے خد و خال اتنے معمولی اور چہرہ اتنا روکھا پھیکا نظر آیا کہ میں اپنے گھر کی کاتیاؤں اور ماشاؤں کو یاد کئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس یکسانیت کو مکمل بنانے کے لئے اس نے گنگنانا شروع کر دیا «ماں پیاری ماں!»۔ اس وقت اس کے پیلے اور بے جان چہرے کو دیکھہ کر مجھے کل کے سپنوں کا خیال آیا اور پتہ نہیں کیوں دل میں افسوس کے جذبات ابھر آئے۔ یہ ایک شاندار دن تھا۔ گاگن نے اعلان کیا کہ وہ باھر اسکچ بنانے کے لئے جا رھا ھے۔ میں نے اس سے پوچھا

که آیا میں بھی اس کے ساتھہ چل سکتا ہوں، میں اس کے راستے میں رکاوٹ تو نہیں ہونگا۔

«اس کے برعکس» اس نے جواب دیا «تم مجھے بھلی صلاح دے سکتے ہو!»

وہ اپنی گول à la Van Dyck * ٹوپی پہن، لبادہ اوڑھہ، تھیلا بغل میں دبا باہر نکل گیا اور اس کے پیچھے پیچھے میں۔ آسیہ گھر پر ہی رہی۔ جانے سے پہلے گاگن نے اسے ہدائت کی کہ وہ ذرا شوربہ دیکھتی رہے کہیں زیادہ پتلا نہ ہو جائے۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ باورچی خانے پر نظر رکھیگی۔ جب گاگن اس وادی میں پہنچا جس سے میں مانوس ہو چکا تھا تو وہ ایک چٹان پر بیٹھہ گیا اور ایک بوڑھے اور کھوکھلے شاہ بلوط کی تصویر کھینچنے لگا جس کی شاخیں پھیلی ہوئی تھیں۔ میں گھاس پر لیٹ گیا اور اپنی جیب سے ایک کتاب نکالی۔ لیکن میں دو صفحے سے آگے نہ پڑھہ سکا اور وہ اپنے کاغذ کا تختہ برباد کرنے کے سوا اور کچھہ نہ کر سکا۔ ہم زیادہ تر باتیں کرتے رہے، جہاں تک میرا خیال ہے، ہم ذہانت اور اپج کے ساتھہ اس پر بات چیت کرتے رہے کہ کام کرنے کا ٹھیک ڈھنگ کیا ہے، کس چیز سے بچنا چاہئے، کیا طریقہ اپنانا چاہئے اور یہ کہ ہمارے دور میں آرٹ کی کیا اہمیت ہے۔ گاگن نے آخر فیصلہ کیا کہ آج وہ «اچھے فارم میں نہیں ہے» اور میرے پاس لیٹ گیا۔ پھر ہماری جوانی کی باتوں کا دریا امڈ آیا۔ اور ہم نے خود کو ان باتوں کے دھارے پر چھوڑ دیا جو کبھی

---

* وان دیک والی ٹوپی۔

پرخلوص ہوتی ہیں، کبھی مفکرانہ اور کبھی وجدانی، لیکن اکثر مبہم جو روسی دل کو اتنی عزیز ہیں ــ ہم جی بھر کے گپ کرنے کے بعد گھر لوٹ آئے ــ ہمارے دل میں طمانیت کے جذبات تھے جیسے ہم نے کامیابی سے کوئی منزل مارلی ہو ــ میں نے آسیہ کو وہیں اور اسی حالت میں پایا جس حالت میں چھوڑ کر گیا تھا ــ میں نے غور سے دیکھا ــ اس میں عشوہ وادا کی کوئی جھلک نہ تھی، اداکاری کا کوئی نشان نہیں تھا ــ ابکے کوئی بھی اس پر بناوٹ کا الزام نہیں دھر سکتا تھا ــ

«اوہ» گاگن بولا «وہ تو توبہ کے لباس میں ہے ــ»

دن ڈھلتے اس نے بغیر کسی بناوٹ کے کئی بار جماہیاں لیں اور جلد ہی اپنے کمرے میں چلی گئی ــ میں نے بھی گاگن سے رخصت چاہی اور گھر چلا گیا ــ اب میں خواب نہیں دیکھ رہا تھا... یہ سچے احساسات کا دن تھا ــ مجھے یاد ہے کہ بستر پر لیٹتے ہوئے بے ساختہ میرے منہ سے نکلا «کیسی گرگٹ ہے یہ لڑکی!» پھر ذرا رک کر «بہرحال مجھے یقین ہے کہ وہ اس کی بہن نہیں ہے!»

٦

پورے دو ہفتے بیت گئے جس کے دوران میں میں ہر دن گاگن کے یہاں جاتا رہا ــ آسیہ مجھ سے کتراتی ہوئی معلوم ہوتی تھی ــ لیکن وہ اب من موجی حرکتوں کا مظاہرہ نہ کرتی جن پر مجھے اپنی ملاقات کے شروع کے دو دن میں اتنا اچنبھا ہوا تھا ــ ایسا لگتا تھا کہ اندر ہی اندر اسے کوئی دکھ ستا رہا ہے یا کسی

قسم کی بوکھلاہٹ اور گھبراہٹ ہو رہی ہے — اب وہ ہنستی بھی کم تھی — میں بڑے تجسس کے ساتھ اسے دیکھتا —

وہ جرمن اور فرانسیسی دونوں زبانیں اچھی طرح بولتی تھی — لیکن اس کی ہر ہر بات چغلی کھاتی تھی کہ اس کا بچپن عورت کی نگرانی میں نہیں گزرا ہے اور اسے جو تعلیم ملی تھی کچھ اجنبی اور غیر معمولی تھی خود گاگن کی تعلیم سے بالکل مختلف — à la Van Dyck ٹوپی اور لبادے کے باوجود گاگن ایک کھاتے پیتے روسی گھرانے کا نازو نعمت میں پلا ہوا چشم و چراغ معلوم ہوتا تھا — آسیہ میں ایک ایسے گھرانے کی دوشیزہ کی کوئی بات نہ تھی — اس کی چال ڈھال میں ایک اضطراری کیفیت تھی — اس خود رو پودے کا قلم پوری طرح پروان نہ چڑھا تھا — یہ شراب ابھی تک ابال کی منزل میں تھی — وہ فطری طور پر کچھ لجائی لجائی اور سہمی سہمی سی تھی — لیکن وہ اپنے اس حجاب پر خود ہی دکھی تھی اور بے باک اور آزاد بننے کی سخت کوشش کرتی تھی لیکن اس کا نتیجہ بہت زیادہ کامیاب نہ تھا — کئی بار میں نے کوشش کی کہ وہ روس میں اپنی زندگی کے بارے میں بتائے، اپنے ماضی کے بارے میں — لیکن ہمیشہ اس نے میرے سوالوں کا جواب جھجکتے ہوئے دیا — ہاں البتہ اتنا تو مجھے معلوم ہو گیا کہ ملک سے نکلنے سے پہلے بہت عرصے تک وہ گاؤں میں رہی تھی — ایک دن میں نے اس کو اکیلا پایا — وہ ایک کتاب پر جھکی ہوئی تھی — اس کا چہرہ ہاتھوں کے سہارے رکھا تھا، اس کی انگلیاں بالوں میں الجھی ہوئی تھیں، وہ نگاہوں نگاہوں میں کتاب کی تحریر پی رہی تھی — «شاباش!» میں نے اس کے پاس جاتے ہوئے کہا «تم کتنی محنتی ہو!»

اس نے اپنا سر اٹھایا اور کڑی نظروں سے دیکھا —

«تم سمجھتے ہو کہ میں کھلکھلانے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتی» اس نے کہا اور وہاں سے چلنے لگی —

میں نے کتاب کا نام دیکھا — یہ کوئی فرانسیسی ناول تھا —

«شاید میں تمہارے انتخاب کو سراہ نہ سکوں —» میں نے کہا —

«تو پھر کیا پڑھوں میں؟» اس نے کتاب کو میز پر پھینکتے ہوئے چلاکر کہا «بہتر ہو کہ میں باہر جاؤں اور تفریح کروں —» اور بھاگ کر وہ باغ میں چلی گئی —

شام کے وقت میں نے «هرمن اور ڈروتهیا» پڑھ کر گاگن کو سنایا — شروع میں تو آسیہ ہمارے پاس سے یونہی گزرتی ہوئی آتی جاتی رہی — لیکن کچھ دیر کے بعد وہ ایک طرف اپنا سر جھکائے میرے پاس آکر بیٹھ گئی اور ختم ہونے تک سنتی رہی — اگلے دن پھر میں اسے پہچان نہ سکا — پھر میری سمجھ میں آیا کہ اس کے من میں کیا سمائی ہے —— وہ ڈروتهیا کی طرح متین اور گرهستن بننے کی کوشش کر رہی تھی — مختصر یہ کہ وہ میرے لئے ایک پہیلی تھی — وہ حد درجہ خودپسند اور تیز حس کی لڑکی تھی — لیکن جب مجھے اس پر غصہ آتا تھا تو اس وقت بھی وہ مجھے اپنی طرف کھینچتی تھی — ہاں ایک بات کا یقین روز بروز پختہ ہوتا جا رہا تھا — اور وہ یہ کہ وہ گاگن کی بہن نہیں تھی — وہ اس کے ساتھ بھائی کا برتاؤ نہیں کرتا تھا —— وہ اسے ضرورت سے زیادہ چاہتا تھا، وہ ضرورت سے زیادہ ڈھیل دیتا تھا، اور ساتھ ہی اس کی صحبت میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گاگن پر کسی قسم کا دباؤ پڑ رہا ہے —

ایک عجیب واقعہ ہوا اور اس نے قریب قریب میرے شبہے کی تصدیق کر دی —

ایک شام جب میں انگوروں کے اس چمن میں پہنچا جہاں گاگن رہتا تھا، تو مجھے پھاٹک بند نظر آیا — میں نے اس پر حیران ہونے اور سوچنے میں زیادہ وقت ضائع نہیں کیا اور سیدھا میں دیوار کے اس ٹوٹے ہوئے حصے کی طرف بڑھا جسے میں پہلے دیکھ چکا تھا اور یہاں سے دیوار پار کرکے اندر آ گیا — اس سے قریب ہی، راستے سے ذرا پرے کیکر کی جھاڑیوں کا ایک چھوٹا سا کنج تھا — میں اس کے پاس پہنچا اور آگے بڑھنے ہی والا تھا کہ آسیہ کی آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی آواز سن کر میں دم بخود رہ گیا —

«میں تمہارے سوا اور کسی سے محبت نہیں کرنا چاہتی — نہیں، نہیں، میں صرف تم سے محبت کرنا چاہتی ہوں — ہمیشہ ہمیشہ تم سے محبت کرنا چاہتی ہوں — »

«چھوڑو، آسیہ اب بس کرو، چپ ہو جاؤ!» گاگن نے کہا «تم جانتی ہو کہ میں تم پر بھروسہ کرتا ہوں — »

ان کی آوازیں کنج سے آ رہی تھیں — میں ان کو جھاڑیوں کے چھدرے جال میں سے دیکھ رہا تھا — انہوں نے مجھے نہیں دیکھا —

«تم سے، صرف تم سے!» آسیہ نے دھرایا اور اس کے سینے پر گرکر، زور زور سے سسکیاں بھرتے ہوئے اور اس کو چومتے ہوئے، اس سے اور زیادہ لپٹنے لگی —

«بس، بس!» اس نے نرمی سے اپنا ہاتھ اس کے بالوں پر پھیرتے ہوئے کہا —

میں ایک دو لمحے کو بے حس و حرکت کھڑا رہا — پھر میں نے خود کو جھنجھوڑا — «کیا ان کے پاس جاؤں؟ نہیں کسی قیمت پر نہیں!» میرے دماغ میں کوند گیا — میں تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا دیوار کی طرف گیا، اس کو پار کرکے سڑک پر پہنچا اور بھاگتا ہوا گھر کی طرف چل دیا — میں اس واقعے پر حیران ہوتا ہوا، جس نے میرے اندیشوں کو صحیح ثابت کر دیا تھا، مسکرایا اور اپنے ھاتھه رگڑنے لگا (ایک لمحے کو بھی مجھے ان اندیشوں کی صحت پر شبہه نہیں ہوا تھا) — ساتھه ھی میرے دل میں ایک تلخی پیدا ہو رہی تھی — واقعی انہیں دورنگی باتیں خوب آتی ھیں! لیکن کیوں؟ آخر مجھے بیوقوف بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ مجھے گاگن سے اس کی ھرگز امید نہ تھی — اوہ کیسا زوردار اور پراثر اقرار!

۷

ایک بری رات کاٹنے کے بعد اگلی صبح میں سویرے ھی اٹھه بیٹھا، میں نے اپنا سفری تھیلا کندھے پر ڈالا، اپنی گھر کی مالکن سے کہا کہ شام تک میرا انتظار نہ کیا جائے، اور پہاڑوں پر اس دریا کے ساتھه چڑھتا چلا گیا جس پر شہر «ز» آباد ھے — یه پہاڑ اس پہاڑی سلسلے کا حصه ھے جس کو «کتے کی پیٹھه» (Hundsrück) کہتے ھیں اور علم ارضیات کے نقطه نظر سے یه پہاڑی سلسلے بہت دلچسپ ھیں — خاص طور پر قابل غور اس کے زرد یا بادامی آتش انگیز پتھر کی کھڑی پرتوں کی ھمواری اور پاکیزگی تھی — لیکن اس وقت مجھے ارضیاتی جانچ پڑتال میں ذرا دلچسپی نہ تھی — مجھے کچھه معلوم نہ تھا که میرے اندر ھی اندر کیا ھو رہا

ہے — لیکن ایک احساس بالکل صاف تھا — میں گاگن اور آسیہ سے بالکل ملنا نہ چاہتا تھا — میں نے خود کو یقین دلایا کہ ان کے بارے میں یکایک میرے دل میں جو ناپسندیدگی پیدا ہوگئی تھی اس کی تہہ میں ان کے دو رخاپن کے خلاف میرا غصہ کام کر رہا تھا — ان سے کس نے کہا تھا کہ خود کو رشتہ دار بتائیں؟ اور باقی باتوں کے سلسلے میں میں نے ان کے بارے میں ہر خیال کو اپنے ذہن سے نکالنے کی کوشش کی — میں من موجی انداز میں پہاڑیوں، ندی نالوں پر گھومتا پھرا، دیہاتی سرائے میں آرام کیا، جہاں میں نے میزبانوں اور مہمانوں سے بڑے اطمینان کے ساتھہ بات چیت کی، یا ایک چپٹی اور دھوپ سے گرم چٹان پر لیٹ گیا اور اپنے اوپر بادلوں کو تیرتے ہوئے دیکھتا رہا کیونکہ موسم لاجواب تھا — میں نے اسی طرح تین دن بتائے اور اس میں خاص لطف آیا گرچہ باربار میرے دل میں ایک ہوک سی اٹھتی رہی — اس علاقے کے پرسکون قدرتی مناظر میرے خیالات کے لئے عین موافق تھے —

میں نے خود کو اتفاقی جذبات و احساسات کے سپرد کر دیا — لمحاتی تاثرات کے حوالے — میری روح کے اندر ایک کے بعد دوسرا تاثر خاموشی سے ترتیب پاتا رہا اور جذب ہو ہوکر ایک واحد تاثر یا احساس کا روپ دھارن کرتا رہا جس میں وہ سب کچھہ مدغم ہوگیا تھا جو میں نے ان تین دنوں میں دیکھا، محسوس کیا اور سنا تھا — جنگلوں میں چیڑ کے گوند کی مدھم مدھم خوشبو، کھٹ بڑھئی کی کھٹ کھٹ، شیشے کی طرح جھلملاتے ہوئے چشموں کی کل کل، جس کی ریت بھری تہہ میں داغ داغ فریل مچھلیاں چمک رہی تھیں، پہاڑوں کی دھندلی دھندلی اونچی نیچی چوٹیاں، صاف ستھرے

گاؤں، قدیم مقدس گرجا گھر اور درخت، جنگلی گھاس کے میدانوں میں بگلے، چھوٹی چھوٹی پن چکیاں، جن کی چکیاں گھوم رہی تھیں، دیہاتیوں کے دوستانہ چہرے، جو اپنے نیلے لبادوں اور بھورے موزوں میں تھے، کاشت کاروں کی چرخ چوں چرخ چوں کرتی ہوئی گاڑیاں جن کو تگڑے گھوڑے یا کبھی گائیں کھینچ رہی تھیں، اچھی اور صاف ستھری سڑکوں پر جواں سال، لمبے لمبے بالوں والے یاتری، سڑکیں جن پر دونوں طرف سیب اور ناخ کے پیڑوں کی قطاریں تھیں...

آج تک ان تاثرات کو یاد کرکے میں لطف اٹھاتا ہوں — مرحبا! اے جرمن سرزمین، انکسار آمیز طمانیت سے سرشار! تیرے انگ انگ پر محنتی ہاتھوں کی چھاپ ہے، صبروسکون بھری محنت کی چھاپ — مرحبا! تجھے آرام اور چین نصیب ہو!

تیسرے دن کے ختم ہوتے ہوتے میں اپنی قیام گاہ پر واپس آ گیا — ہاں میں یہ بتانا تو بھول ہی گیا کہ گاگن اور آسیہ کے خلاف اپنے غصے کے عالم میں میں نے اپنی سنگ دل بیوہ کا تصور جگانے کی کوشش کی لیکن میری کوششیں نا کام رہیں — مجھے یاد ہے کہ ایک بار جب میں اس کے بارے میں سوچنے کی کوشش کر رہا تھا تو میری نظر پانچ برس کی ایک کسان لڑکی پر پڑی، جس کا منہ گول اور معصوم تھا اور آنکھیں پھٹی پھٹی اور گھورتی ہوئی — اس نے مجھے معصومیت اور سادگی سے دیکھا — اس کی صاف شفاف نظر نے مجھے نادم سا کر دیا، اس کی موجودگی میں جھوٹ نہیں بول سکا، اور اس وقت سے میں نے ہمیشہ ہمیشہ کو اپنی پچھلی محبوبہ کو خیرباد کہہ دیا —

گھر پر مجھے گاگن کا ایک پرچہ ملا — اس نے میرے اچانک فیصلے پر تعجب کا اظہار کیا تھا، اپنے ساتھه نه لے جانے پر برا بھلا کہا تھا، اور مجھه سے کہا تھا که میں واپسی پر فوراً جاکر ان سے ملوں — میں نے ناخوشگوار جذبات کے ساتھه پرچے کو پڑھا لیکن دوسرے دن شہر «ل» ضرور گیا —

۸

گاگن نے بڑے خلوص سے آؤ بھگت کی، پیار اور محبت سے برا بھلا کہا — لیکن آسیه نے مجھے دیکھتے هی زوروں سے قہقهه بلند کیا اور همیشه کی طرح فوراً وهاں سے بھاگ گئی — گاگن کچھه بوکھلا سا گیا اور بڑبڑایا که پگلی هے، اسے معاف کر دو — مجھے اعتراف هے که میں آسیه سے بری طرح جلا هوا تھا — میں بڑی کوفت محسوس کر رها تھا اور اس بناوٹی قہقهے نے، ان من موجی اوٹ پٹانگ حرکتوں نے میرے اندر کوئی گرمی نہیں پیدا کی — بهرحال میں نے یوں دکھانے کی کوشش کی جیسے میں نے کچھه سنا هی نه هو اور میں نے گاگن کو اپنے چھوٹے سے سفر کا حال سنانا شروع کر دیا — اور اس نے مجھے بتایا که وه میری غیر موجودگی میں کیا کرتا رها تھا — لیکن بات چیت کی گاڑی آگے نه چل سکی — پھر آسیه کمرے میں آئی اور پھر باهر بھاگ گئی — آخر میں نے کہا که مجھے ایک ضروری کام کرنا هے اور اب مجھے گھر چل دینا چاهئے — پہلے تو گاگن نے مجھے روکنے کی کوشش کی لیکن مجھے غور سے دیکھنے کے بعد اس نے کہا که میں تمهیں گھر تک چھوڑ آؤنگا — هال میں آسیه یکایک میرے پاس آئی اور اپنا هاتھه میری

طرف بڑھایا — میں نے صرف اس کی انگلیوں کے سروں کو چھوا اور برائے نام جھکا — میں اور گاگن ناؤ میں رھائن پار ھوئے اور اپنے محبوب ایش کے درخت کے پاس سے گزرتے ھوئے، جہاں اس کی شاخوں میں میڈونا کا بت تھا، ھم منظر کا لطف اٹھانے کے لئے بنچ پر بیٹھہ گئے — اور تب ھمارے درمیان ایک لاجواب بات چیت شروع ھوئی —

شروع میں تو ھم یونہی بے ربط سے جملے ایک دوسرے سے کہتے رھے — پھر ھم چپ ھو گئے اور جھلملاتے ھوئے دریا کو گھورتے رھے —

«اچھا بتاؤ» دفعتاً گاگن نے اپنے خاص انداز میں مسکراتے ھوئے کہا «آسیه کے بارے میں تمھاری کیا رائے ھے؟ میرا خیال ھے که وہ تمھیں بڑی عجیب و غریب نظر آتی ھوگی — »

«کیوں، ھاں» میں نے کچھه تعجب سے کہا — مجھے اس کی توقع نه تھی که وہ اس کے متعلق باتیں کریگا —

«اس کے بارے میں فیصله کرنے سے پہلے اسے اچھی طرح جاننے اور سمجھنے کی ضرورت ھے» وہ بولا — «اس کا دل سونے کا ھے — مگر ذرا سنکی ھے — اس کے ساتھه نباہ ذرا مشکل ھے — لیکن قصور اس کا نہیں اور اگر تمھیں اس کی کہانی معلوم ھوتی . . . »

«اس کی کہانی؟» میں نے بات کاٹ کر پوچھا «میرا خیال ھے که تم نے یه کہا تھا که وہ تمھاری...»

گاگن نے مجھے دیکھا —

«کیا تمھارے دل میں یه خیال پیدا ھوگیا ھے که وہ میری بہن نہیں ھے؟ اوہ ھاں — » اس نے میری بوکھلاھٹ کو نظر انداز کرتے ھوئے کہا «وہ میری بہن تو ھے ھی — وہ میرے باپ

کی بیٹی ہے— دیکھو! میں جانتا ہوں کہ میں تم پر بھروسہ کر سکتا ہوں اور میں تمہیں سارا ماجرا سناؤنگا—»

«میرے ابا ایک حددرجہ نیک دل، عقل مند، خوب تعلیم‌یافتہ ——اور بدنصیب آدمی تھے— انہیں قسمت نے بہتوں کے مقابلے میں کچھہ ایسا زیادہ تو نہ ستایا تھا لیکن وہ پہلے ہی دھکے میں تلملا گئے— انہوں نے کم عمری میں ہی محبت کے ہاتھوں مجبور ہوکر شادی کی— ان کی بیوی، یعنی میری ماں، شادی کے فوراً بعد مر گئیں جبکہ میں ابھی صرف چھہ مہینے کا تھا— میرے ابا مجھے گاؤں میں لے گئے اور بارہ برس تک وہیں رہے— وہ خود ہی میری تعلیم و تربیت کرتے— اگر ان کے بھائی، میرے چچا ان سے ملنے کے لئے وہاں گاؤں نہ آئے ہوتے تو وہ ہرگز مجھے جدا نہ کرتے— چچا پیٹرس‌برگ میں رہتے تھے اور خاصے اہم عہدے پر مامور تھے— انہوں نے میرے ابا پر زور ڈالا کہ مجھے ان کی سرپرستی میں دے دیا جائے اس لئے کہ ابا کسی قیمت پر دیہاتی زندگی کو چھوڑنے پر رضامند نہ تھے— میرے چچا نے ان سے کہا کہ میری عمر کے لڑکے کے لئے یہ مناسب نہ تھا کہ وہ بالکل اکیلا ہو اور میرے ابا جیسے آزردہ اور غم‌زدہ اتالیق کے زیر سایہ میرا اپنی عمر کے لڑکوں سے بچھڑ جانا لازمی تھا اور اس طرح میری مزاج کے بگڑنے کا خطرہ بھی تھا— ابا نے دیر تک بحث کی لیکن آخر میں مان گئے— ان سے جدا ہوتے ہوئے میں رویا بھی— میں انہیں چاہتا تھا گرچہ انہیں میں نے کبھی مسکراتے نہیں دیکھا تھا— لیکن پیٹرس‌برگ پہنچتے ہی میں اپنے تاریک اور افسردہ حال گھر کو بھول گیا— میں افسروں کی

تربیت گاہ میں بھیج دیا گیا — جہاں سے میں سیدھا گارد دستے میں چلا گیا — میں ہر سال ایک دو ہفتے کے لئے گھر آتا تھا اور ہر بار میں نے ان کو اور زیادہ غم زدہ اور اداس پایا، بہت زیادہ سوچ فکر کی بدولت سنیاسی کی طرح کھچے کھچے اور تنہائی پسند — وہ روزانہ گرجا گھر جاتے — ان کی قوت گویائی قریب قریب ختم ہو چکی تھی — ایک بار اسی طرح جب میں وہاں چھٹیوں میں آیا ہوا تھا (اس وقت میری عمر بیس برس تھی) میری نظر کالی کالی آنکھوں والی ایک دس سالہ لڑکی پر پڑی، جسے اس سے پہلے میں نے کبھی اس گھر میں نہیں دیکھا تھا — یہ تھی آسیہ — میرے ابا نے کہا کہ یہ ایک یتیم لڑکی ھے جس کو انہوں نے پناہ دی ھے اور پال پوس رہے ھیں—— یہی تھے ان کے الفاظ — میں نے اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی — وہ چھوٹے سے جانور کی طرح، چست اور پھرتیلی تھی اور کچھہ لجائی لجائی خاموش سی رہتی — جب کبھی میں ابا کے محبوب، بڑے اور اندھیرے کمرے میں جاتا، جہاں میری اماں مری تھیں، اور جہاں دن کے وقت بھی موم بتیاں جلتی تھیں، تو مجھے دیکھتے ھی یہ لڑکی ابا کی اونچی پشت والی کرسی یا کتابوں کی الماری کے پیچھے چھپ جاتی — کچھہ ایسا ہوا کہ اس کے بعد میں اپنے فوجی فرائض کی بنا پر تین چار برس تک گاؤں نہ جا سکا — ہر مہینے میں ابا کا ایک مختصر خط آ جاتا تھا — وہ شاذ و نادر ھی آسیہ کا ذکر کرتے اور کرتے بھی تو بالکل سرسری — وہ اس وقت پچاس سے اوپر ہو گئے تھے لیکن دیکھنے میں وہ جوان معلوم ہوتے تھے — اس لئے ذرا تصور کرو اس وقت میرے اضطراب کا کیا عالم ہوا ہوگا جب

ناگہاں مجھے اپنے پٹواری کے خط سے اطلاع ملی کہ ابا بسترمرگ پر پڑے ھیں اور اس میں التجا تھی کہ اگر میں اپنے باپ کی موت سے پہلے ان سے ملنا چاھتا ھوں تو جہاں تک جلد ممکن ھو سکے ان کے پاس پہنچ جاؤں — میں بے تحاشا بھاگا اور ابا زندہ ملے لیکن وہ اپنی آخری سانس لے رھے تھے — مجھے دیکھہ کر ان کو ایک ناقابل بیان مسرت ھوئی، انھوں نے مجھے اپنے سوکھے ھوئے ھاتھوں سے گلے لگایا — وہ دیر تک میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گھورتے رھے — ان کی آنکھوں میں کچھہ جستجو تھی اور کچھہ التجا — انھوں نے مجھہ سے وعدہ لیا کہ میں ان کی آخری التجا پوری کرونگا — انھوں نے اپنے بوڑھے خدمتگار سے کہا کہ آسیہ کو لاؤ— بڈھا خدمتگار اسے اپنے ساتھہ اندر لایا — وہ مشکل سے کھڑی ھو پا رھی تھی — وہ سر سے پاؤں تک کانپ رھی تھی —

«'یہ لو، میرے ابا نے ذرا جدوجہد کے ساتھہ کہا 'میں اپنی بیٹی کو تمہارے حوالے کرتا ھوں، تمہاری بہن کو— یاکوف تمھیں سب کچھہ بتا دیگا—، انھوں نے کہا اور بوڑھے خدمتگار کی طرف اشارہ کیا — آسیہ پھوٹ پھوٹ کر سسکیاں بھرنے لگی اور اپنے منہ کے بل بستر پر گر پڑی... آدھے گھنٹے کے بعد میرے ابا چل بسے —

«اس کے بعد مجھے یہ معلوم ھوا ۔ آسیہ میرے ابا کی اور میری مرحومہ اماں کی ملازمہ تتیانہ کی بیٹی ھے— مجھے تتیانہ اچھی طرح یاد ھے، لمبی لمبی سی، چھریرا بدن، خوبصورت، تیکھا، ذھین مکھڑا، بڑی بڑی کالی آنکھیں — وہ ایک مغرور اور ایسی لڑکی سمجھی جاتی تھی جو بس میں نہ آسکتی ھو— جہاں تک مجھے یاکوف کی باتوں سے معلوم ھو سکا، ابا نے اماں کی موت کے چند

برس بعد اس کے ساتھه تعلق پیدا کر لیا ــ تتیانه اس وقت بڑے گھر میں نہیں رهتی تھی ــ وه اپنی بیاهی بهن کے ساتھه رهتی تھی جو مویشی کی رکھوالی کرتی تھی ــ میرے ابا اس سے بہت مانوس هوگئے تھے اور گاؤں سے میری روانگی کے بعد اس سے شادی کرنا چاهتے تھے ــ لیکن ان کی تمام التجاؤں کے باوجود وه ان کی بیوی بننے پر راضی نه هوئی ــ

«یاکوف نے، دروازے پر کھڑے کھڑے، اپنے دونوں هاتھه اپنی پیٹھه پر باندهه کر کہا 'مرحومه تتیانه ولاسیونا بوتے اور ضبط کا نمونه تھیں ــ وه تمہارے ابا کو نقصان پہنچانا نہیں چاهتی تھیں ــ «میں تمہارے کس کام کی بیوی بن سکونگی؟ میں ایک اچھی اور شریف عورت نہیں هوں ــ» وه یہی جواب دیا کرتیں ــ وه یه باتیں میرے سامنے کہتیں ــ،

«تتیانه همارے گھر آ کر نه رهی ــ وه وهیں اپنی بہن کے جھونپڑے میں آسیه کے ساتھه پڑی رهی ــ بچپن میں میں تتیانه کو صرف سینٹ کے دنوں میں گرجا گھر میں دیکھا کرتا تھا ــ وه همیشه هجوم میں کھڑکی کے پاس کھڑی هوتی ــ ایک سیاه رومال سر پر بندها هوتا اور ایک پیلے رنگ کی شال اس کے شانوں پر پڑی هوتی ــ اس کے تیکھے خدوخال، کھڑکی کے صاف شیشے کے پس منظر میں بہت نمایاں هو جاتے ــ وه دعاؤں میں ایک سہمے سہمے وقار کے ساتھه شامل هوتی اور پرانے انداز سے زمین تک جھک جاتی ــ جب میرے چچا مجھے اپنے ساتھه لے کر چلے گئے تو اس وقت آسیه صرف دو برس کی تھی اور جب اس کی عمر آٹھه برس هوئی تو اس کی ماں کا سایه اٹھه گیا ــ

«تتیانہ کی موت کے فوراً بعد میرے ابا آسیہ کو بڑے گھر میں لے آئے — انہوں نے پہلے بھی اس کو اپنے ساتھ لے آنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا مگر تتیانہ نے اس کی اجازت ھی نہیں دی — ذرا سوچو آسیہ جب بڑے گھر میں آئی ہوگی تو اس پر کیا بیتی ہوگی! وہ آج تک وہ لمحہ نہیں بھولی ھے جب پہلی بار اس نے ریشمیں کپڑے پہنے اور ملازموں نے بڑھ کر اس کا ھاتھ چوما — اس کی ماں نے بڑی سختی کے ساتھ اس کی پرورش کی تھی — اپنے باپ کے گھر میں اسے مکمل آزادی نصیب ہوئی — وھی اس کے استاد تھے — وھی اس کے واحد ساتھی تھے — انہوں نے اس کو بگاڑا نہیں یا کم از کم انہوں نے اس کو بہت لاڈ اور دلار میں نہیں رکھا — لیکن وہ اس پر جان چھڑکتے تھے اور اس کے جی میں جو آتا اسے کرنے دیتے — اپنے دل میں وہ محسوس کرتے کہ انہوں نے اس کو نقصان پہنچایا ھے — آسیہ جلد ھی سمجھ گئی کہ وہ گھر کی اھم ترین شخصیت ھے — وہ جانتی تھی کہ گھر کا مالک اس کا باپ ھے — لیکن اتنی ھی جلدی اسے اپنی غلط پوزیشن کا بھی احساس ہو گیا — اس میں غیرمعمولی خود بینی پیدا ہوگئی اور اتنی ھی غیر معمولی جھجک — بری عادتیں جڑ پکڑتی گئیں اور سادگی غائب ہوگئی — ایک بار اس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ یہ سپنا دیکھتی ھے کہ «ساری دنیا» کے دل سے اپنی اصلیت کا احساس مٹا دے — بیک وقت وہ اپنی ماں پر شرمندہ تھی، اپنی ذلت پر نادم اور ساتھ ھی اپنی ماں پر نازاں —

«اس نے بہت کچھ سنا اور دیکھا ھے جو اس کی عمر کے لحاظ سے مناسب نہیں... لیکن کیا یہ اس کا قصور ھے؟

وہ اپنی جوانی کے جذبات میں بھی جا رہی تھی— جوانی کا خون اس کی رگوں میں موجیں مار رہا تھا— اور کوئی نہ تھا جو اسے رستہ دکھاتا— ہر طرح سے آزاد! اور یہ کوئی ھلکا بوجھہ نہ تھا! اس نے دوسری جواں سال خواتین کی طرح اچھی بھلی بننے کی ٹھان رکھی تھی— وہ جی کھول کے کتابوں میں کھو گئی— لیکن ان سب باتوں سے کیا ھاتھہ آنا تھا؟ اس کی زندگی، جس کی کونپل ھی ایک غلطی سے پھوٹی تھی، غلط ڈھرے پر پروان چڑھتی رہی— لیکن اس کا دل آلودہ نہ تھا، اس کا دماغ پاک تھا—

«اور یہ رہا میں، بیس برس کا جوان، جس کے سپرد تیرہ برس کی ایک لڑکی کی نگرانی کا فرض ھوا تھا— ابا کی موت کے بعد شروع کے چند دن تو میری آواز کی بھنک بھی اسے بخار میں مبتلا کرنے کے لئے کافی تھی، میری محبت اور پیار سے اس کا حال برا ھو جاتا— مجھہ سے مانوس ھونے میں اسے خاصا وقت لگا— ھاں البتہ جب بعد میں اسے اندازہ ھوا کہ میں واقعی اسے اپنی بہن سمجھتا ھوں اور ایک بھائی کی حیثیت سے اسے چاھتا ھوں تو وہ انتہائی شدت اور گرمی کے ساتھہ مجھے چاھنے لگی— اس کے جذبات میں تھمی تھمی سی کیفیت کی کوئی گنجائش نہیں—

«میں اسے پیٹرس برگ لے گیا— اس سے جدا ھونے میں جی بہت کڑھا— لیکن اس کو اپنے ساتھہ رکھنا بالکل ناممکن تھا اس لئے میں نے اس کو ایک بہترین بورڈنگ اسکول میں رکھہ دیا— آسیہ نے مانا کہ ھماری جدائی ضروری ھے، لیکن اس نے اس دور کا آغاز ایک ایسی بیماری سے کیا کہ جان کے لالے پڑ گئے—

لیکن رفتہ رفتہ اس نے خود کو بورڈنگ اسکول کی زندگی کا
عادی بنا لیا اور وھاں چار برس رھی— لیکن میری توقعات کے
خلاف وہ وھاں سے، جیسی گئی تھی ویسی ھی نکل آئی — اس میں
ذرا تبدیلی نہیں ہوئی — اسکول کی ھیڈ مسٹرس ھمیشہ اس
کی شکایت کرتی — 'کوئی سزا اسے رام نہیں کر سکتی، وہ
کہتی 'اور پیار سے اس پر کوئی اثر ھی نہیں ھوتا'— آسیہ
بے حد ھونہار اور تیز شاگرد تھی— وہ تمام لڑکیوں میں سب سے
اچھی تھی— لیکن کسی طرح بھی ضبط و پابندی کو نہ مانتی —
وہ ضدی اور نک چڑھی تھی... میں اپنے دل میں اسے مجرم نہ ٹھہراتا— اس
کی جو صورت حال تھی اس میں وہ کیا راستہ اختیار کرتی، خوشامدانہ
عاجزی کا یا سرکشی اور بغاوت کا— اپنی تمام ھمجولیوں میں
وہ صرف ایک لڑکی سے دوستی گانٹھہ سکی جو خوبصورت نہ تھی—
وہ ایک سادہ لوح اور غریب لڑکی تھی— جن لڑکیوں کے جھرمٹ
میں وہ پروان چڑھی تھی، ان میں سے اکثر اچھے خاندانوں کی
لڑکیاں تھیں — وہ اسے نا پسند کرتی تھیں اور جی بھر کے اس کو
ستاتی اور چرکے لگاتی تھیں — مگر آسیہ کی جوتی بھی ان سے اتنا
سا نہ دبتی— ایک بار جب دینیات کے استاد نے بدی کا ذکر کیا
تو آسیہ نے کہا 'خوشامد اور بزدلی بدترین برائیاں ھیں'— مختصر
یہ کہ وہ ذرا نہ بدلی اور اپنی اسی ڈگر پر چلتی رھی جس پر وہ
شروع سے چل رھی تھی — صرف ایک چیز میں ترقی ھوئی، تہذیب
اور طور طریقے میں— اور اس میدان میں بھی کوئی بہت زیادہ
ترقی نظر نہیں آئی—

«آخر اس کی سترھویں سالگرہ آ گئی— اور اب وہ بورڈنگ
اسکول میں نہیں رہ سکتی تھی— میں بڑی چپقلش میں تھا— یکایک

ایک خوشگوار خیال کوند گیا کہ نوکری سے دست بردار ہوجاؤں اور ایک دو برس کے لئے آسیہ کے ساتھہ پردیس کی سیر و سیاحت کر آؤں— جھٹ منگنی پٹ بیاہ— اس خیال کا آنا تھا کہ اس پر عمل بھی ہو گیا— اور یہ رہے ہم، وہ اور میں، یہاں، دریائے رہائن کے کنارے، جہاں میں خود کو مصوری میں محو کرنے کی کوشش کر رہا ہوں اور وہ... اس کا وہی من موجی اور وحشیانہ انداز جو تھا سو ہے— مجھے امید ہے کہ اب تم اس کے بارے میں ذرا زیادہ ہمدردی سے فیصلہ کرو گے— تم جانو، چاہے وہ کتنا ہی ڈھونگ رچائے، اسے دوسروں کی رائے کی پروا ہے—— خاص طور پر تمہاری رائے کی—»

اور گاگن پھر اپنی پرسکون مسکراہٹ بکھیرنے لگا— میں نے اس کا ہاتھہ زور سے دبایا—

«یہ سب تو خیر جو ہے سو ہے» اس نے پھر پرانے موضوع کو چھیڑتے ہوئے کہا— «لیکن مجھے اس کی وجہ سے بڑی مصیبت ہو رہی ہے— وہ ایک بارود خانہ ہے— اب تک اس نے کسی کو نہیں چاہا ہے لیکن جب اسے کسی سے محبت ہوگی تو خدا پناہ!.. کبھی کبھی میں سوچتا ہوں اس کا کیا حشر ہوگا— جانتے ہو پچھلے دنوں اس کے من میں کیا سمائی؟ پہلے تو اس نے یہ اعلان کر دیا کہ میں اس کی طرف سے سرد مہری برت رہا ہوں اور پھر کہنے لگی کہ وہ سوائے میرے کسی سے محبت نہیں کرتی اور جیون بھر میرے سوا اور کسی سے محبت نہیں کریگی... اور اف، کس طرح روئی ہے پھوٹ کر، کیا بتاؤں...»

«اچھا تو یہ...» میرے منہ سے نکلا اور میں نے فوراً خود کو روک لیا—

«اچھا بتاؤ» میں نے پوچھا (اب ہم خاصی صافگوئی سے بات کر رہے تھے) «تمھارا مطلب یه ہے که اب تک اسے کوئی ایسا آدمی نہیں ملا ہے جسے وہ چاہ سکے؟ پیٹرس‌برگ میں اس کی ملاقات نوجوانوں سے ہوئی ہوگی؟»

«وہ پھوٹی آنکھہ اسے نه بھائے— نہیں— آسیه کے لئے ایک ہیرو کا ہونا ضروری ہے— ایک شاندار آدمی، یا پھر ایک پہاڑی درے میں کوئی بانکا گڈریا— لیکن میں نے بہت دیر تمھیں یوں اپنی باتوں میں پھنسائے رکھا—» اس نے اٹھتے ہوئے کہا—

«سنو» میں نے کہا «آؤ ہم واپس چلیں— میں گھر جانا نہیں چاہتا—»

«اور تمھارا کام؟»

میں نے کوئی جواب نہیں دیا — گاگن بڑی نیک دلی سے مسکرایا اور ہم «ل» کی طرف لوٹ گئے— جب میں نے انگوروں کا وہی مانوس چمن، اور پہاڑی کی بلندی پر چھوٹا سا سفید گھر دیکھا تو مجھے اپنے دل میں ایک میٹھی سنسنی کا احساس ہوا—— ہاں اپنے اندر ایک میٹھی سنسنی کا احساس—— بالکل جیسے میرے دل میں قطرہ قطرہ شہد ٹپک رہا ہو— گاگن کی کہانی سننے کے بعد مجھے اپنا دل بہت ہلکا لگ رہا تھا—

۹

آسیه سے ہماری مڈبھیڑ دروازے پر ہی ہو گئی— میں ایک دوسرے قہقہے کے لئے بالکل تیار تھا— لیکن وہ ہماری طرف آئی— وہ زرد اور خاموش تھی— اس کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں—

«لو پھر وہ آن دھمکا» گاگن نے کہا «یاد رہے اس نے خود ھی آنے کے لئے کہا —»

آسیہ نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا — ابکے میں نے خود ھی اپنا ھاتھہ بڑھایا اور گرم جوشی سے اس کی ٹھنڈی انگلیوں کو دبایا — مجھے اس پر بڑا ترس آیا — اس کی وھی باتیں پہلے جن سے مجھے الجھن ھوتی تھی اب بہت کچھہ میری سمجھہ میں آ گئی تھیں — اس کی بے چینی، اس کا اچھی طرح پیش نہ آ سکنا، اس کی دکھاوے کی بناوٹی حرکتیں —— اب یہ ساری باتیں میری نظر میں صاف تھیں — میری نگاھیں اس کی روح میں اتر چکی تھیں — ایک اندرونی لہر برابر اسے مضطرب رکھتی، اس کی ناپختہ خودی اسے چین نہ لینے دیتی، لیکن وہ اپنے پورے وجود کے ساتھہ صداقت کو ڈھونڈنے کی کوشش کر رھی تھی — میں نے جان لیا کہ وہ کیا چیز تھی جس نے مجھے اس عجیب لڑکی کی طرف کھینچا تھا — یہ محض اس کی نیم وحشیانہ دل ربائی نہیں تھی جو اس کے نازک پیکر سے روشنی کی طرح پھوٹتی تھی — بلکہ اس کی روح تھی جس کا میں شیدا تھا —

گاگن نے اپنے ڈرائنگ ڈھونڈنا اور الٹ پلٹ کرنا شروع کئے — میں نے آسیہ سے چمن کی سیر کو چلنے کے لئے کہا — وہ فوراً مان گئی، خوش خوش اور عاجزانہ آمادگی کے ساتھہ — آدھا ڈھلان طے کرنے کے بعد ھم ایک چٹان پر بیٹھہ گئے —

«اور کیا تمھیں ھماری کمی محسوس نہ ھوئی؟» آسیہ نے پوچھا —

«کیا تم نے میری کمی محسوس کی؟» میں نے جوابی سوال کیا —

آسیه نے کنکھیوں سے مجھے دیکھا —

«ہاں» اس نے کہا اور فوراً دوسری بات کرنے لگی «کیا پہاڑوں پر بہت اچھا لگا؟ کیا وہ بہت اونچے ہیں؟ بادلوں سے بھی زیادہ اونچے ؟بتاؤ تم نے کیا کیا دیکھا — تم نے میرے بھائی کو سب کچھ بتایا لیکن میں کچھ سن نہ سکی —»

«تم تو خود ہی چل دیں وہاں سے» میں نے کہا —

«میں چلی گئی... اس لئے کہ... لیکن اس وقت تو میں نہیں جا رہی ہوں —» اس نے کچھ رازدارانہ انداز سے کہا — «تم آج مجھ سے خفا تھے، اوں؟»

«میں —— خفا!»

«ہاں —— تم!»

«کیوں بھلا میں کیوں خفا ہوتا؟»

«میں نہیں جانتی — مگر جب تم آئے تو خفا تھے، اور تم خفا ہی واپس گئے — مجھے بڑا افسوس ہوا کہ تم یوں واپس چلے گئے اور میں کتنی خوش ہوں کہ تم لوٹ آئے —»

«میں خوش ہوں کہ میں لوٹ آیا —» میں بولا —

آسیہ نے کندھے ہلائے جس طرح بچے خوشی میں ہلاتے ہیں —

«اوہ، میں ہمیشہ لوگوں کے دل کی بات جان لیتی ہوں —» اس نے اپنی بات جاری رکھی — «دوسرے کمرے میں ابا کے کھانسنے کے انداز سے ہی میں جان لیتی تھی کہ ابا مجھ سے خوش ہیں یا نہیں —»

اب تک آسیہ نے ایک بار بھی مجھ سے اپنے ابا کا ذکر نہیں کیا تھا — اس وقت اس کے منہ سے یہ سن کر مجھ پر بہت اثر ہوا —

«کیا تم اپنے ابا کو چاہتی تھیں؟» میں نے پوچھا اور یکایک مجھے یہ محسوس کرکے زبردست کوفت ہوئی کہ میرا منہ سرخ ہو رہا ہے۔

اس نے جواب نہیں دیا اور اس کا رنگ بھی اڑ گیا۔ ہم دونوں چپ رہے۔ دور رھائن میں ایک جہاز تیرتا ہوا اپنے پیچھے دھوئیں کے بادل چھوڑ گیا۔ ہم اسے دیکھتے رہے۔

«تم نے مجھے پہاڑوں کے بارے میں کیوں نہیں بتایا؟» آسیہ نے ہولے سے پوچھا۔

«آج صبح جب تم نے مجھے دیکھا تو تم قہقہہ مار کر کیوں ہنس دیں؟» میں نے پوچھا۔

«میں خود نہیں جانتی۔ سچ، بعض مرتبہ جب رونا چاہتی ہوں تو ہنس پڑتی ہوں۔ لیکن میں جو کچھ کرتی ہوں اس سے میرے بارے میں رائے قائم نہ کرو۔ ہاں ـــــ اوہ ـــــ لوریلئی کی کہانی کتنی پیاری ہے۔ وہ وہاں اسی کی چوٹی ہے نا؟ کہتے ہیں کہ شروع میں تو وہ ہر شخص کو ڈبو دیتی تھی لیکن جب اسے محبت ہوئی تو خود پانی میں کود پڑی۔ مجھے یہ کہانی پسند ہے۔ فراؤ لوئی‌زا مجھے بھانت بھانت کی پریوں اور دیوؤں کی کہانیاں سناتی ہے۔ فراؤ لوئی‌زا کے پاس پیلی پیلی آنکھوں والی ایک کالی بلی ہے...»

آسیہ نے اپنا سر اٹھایا اور اپنی گھنگھریالی لٹوں کو سر کے جھٹکے سے پیچھے کر لیا۔

«ہائے میں کتنی خوش ہوں!» وہ بولی۔

اس وقت ہمارے کانوں میں بے کیف اور بے ربط آوازیں

آئیں — سینکڑوں گلوں سے تھوڑے تھوڑے وقفے پر کلیسائی بھجن کی دھنیں ابھر رہی تھیں—— یاتریوں کا ھجوم، صلیبوں اور جھنڈیوں کے ساتھه نیچے سڑک پر گزر رھا تھا۔

«جی چاھتا ھے کاش میں بھی ان کے ساتھه جاتی» نغمے کی مٹتی ھوئی آواز پر اپنے کان لگاتے ھوئے آسیه نے کہا —

«کیوں کیا تم اتنی پارسا ھو؟»

«میں چاھتی ھوں که کہیں دور، بہت دور چلی جاؤں، پجارن بن جاؤں اور کوئی بڑا کمال کر دکھاؤں» اس نے اپنی بات جاری رکھی — «اس لئے که صبح ھوتی ھے شام ھوتی ھے، عمر یونہی تمام ھوتی ھے— اور ھم نے کون سے تیر مار لئے ھیں؟»

«تم بڑے بڑے خواب دیکھتی ھو» میں نے کہا «تم چاھتی ھو که تمھاری زندگی رائیگاں نه جائے، تم اپنے پیچھے نقش‌قدم چھوڑ جانا چاھتی ھو...»

«اور کیا تم سمجھتے ھو که یه ناممکن ھے؟»

میرے ھونٹ ھلے اور لفظ «ناممکن» پھوٹنے والا تھا... لیکن میں نے اس کی چمکتی ھوئی آنکھوں میں دیکھتے ھوئے کہا «کوشش کر دیکھو—»

«اچھا بتاؤ» آسیه نے ایک ذرا رکتے ھوئے کہا — اس کے چہرے پر جو پھر پیلا ھو گیا تھا پرچھائیاں ایک دوسرے کا پیچھا کر رھی تھیں «کیا تم اس خاتون کو بہت چاھتے تھے؟.. وھی، تم جانو، جس کا جام صحت بھیا نے کھنڈروں میں ھماری ملاقات کے دوسرے دن پیا تھا—»

میں ھنس پڑا —

«تمہارے بھائی نے مذاق کیا ــ میں نے کبھی کسی عورت کو بہت زیادہ نہیں چاہا ــ اور کم از کم اس وقت تو میں کسی کو نہیں چاہتا ــ»

«اور تمہیں عورتوں کی کیا چیز بھاتی ھے؟» آسیه نے معصوم ٹوه کے ساتھه پیچھے کی طرف سر جھٹکتے ھوئے پوچھا ــ

«کیا مضحکه خیز سوال ھے!» میں بولا

آسیه کچھه کھسیا سی گئی ــ

«مجھے تم سے ایسی باتیں نہیں پوچھنی چاھئیں، ھے نا؟ معاف کرو، میں تو من میں آئی ھر بات بک دینے کی عادی ھوں ــ اسی لئے تو مجھے بولتے ھوئے ڈر لگتا ھے ــ»

«خدا کے لئے خوب باتیں کرو ــ ذرا نه ڈرو» میں نے کہا «میں اتنا خوش ھوں که تم نے آخر اپنی شرم پر قابو پالیا ــ»

آسیه نے اپنی آنکھیں نیچی کر لیں اور اس کے منه سے ایک ننھا اور ھلکا سا قہقہه نکل پڑا ــ میں نے اسے پہلے کبھی اس طرح ھنستے نہیں دیکھا تھا ــ

«ھوں، بولتے رھو» اس نے اپنی ٹانگوں پر لہنگے کو برابر کرتے ھوئے لجاجت سے کہا جیسے اس کا دیر تک وھاں پڑے رہنے کا ارادہ ھو ــ «مجھه سے باتیں کرو، یا کچھه سناؤ، اسی طرح جیسے تم نے اس بار پشکن کی نظمیں ھمیں سنائی تھیں...»

وہ چپ ھو گئی اور ھولے ھولے بولی ــ

«کہاں ھے صلیب اور شاخوں کی چھاؤں
میری سوگوار ماں کے مزار پر!»

«پشکن نے یوں نہیں لکھا تھا» میں نے کہا ــ

«کاش میں تتیانہ ہوتی» وہ اسی طرح دکھی آواز میں بولتی رہی — «لیکن تم بولتے رہو!» اس نے یکایک چہکتے ہوئے کہا —

لیکن میں بات کرنے کے موڈ میں نہ تھا — میں نے اس کو دیکھا —— سورج کی کرنوں میں دمکتی ہوئی، خاموش اور پرسکون — ہر طرف روشنی ہی روشنی تھی — ہمارے نیچے، ہمارے اوپر —— آکاش، دھرتی، پانی — ایسا لگتا تھا کہ خود ہوا میں رنگ‌ترنگ اور تابناکی رچی ہوئی ہے —

«دیکھو کتنی حسین ہے ہر چیز!» میں نے بے ساختہ اپنی آواز دھیمی کرتے ہوئے کہا —

«حسین!» اس نے بھی اپنی آواز دھیمی کرتے ہوئے اور مجھ سے پرے دیکھتے ہوئے کہا — «اگر ہم پرندے ہوتے تو کس طرح ہوا میں اڑتے، کس طرح پرواز کرتے —— ہم کس طرح ان نیلاہٹوں میں ڈوبتے چلے جاتے... لیکن ہم پرندے نہیں ہیں —»

«شاید ہمارے پر نکل آئیں» میں نے کہا —

«کیسے؟»

«زندہ رہو اور سیکھو — کچھ ایسے جذبات اور احساسات ہوتے ہیں جو ہمیں زمین کے اوپر اٹھا لیتے ہیں — گھبراؤ مت ایک دن خود تمہارے بھی پر نکل آئینگے —»

«کیا تمہارے کبھی پر نکلے ہیں؟»

«یہ کہنا مشکل ہے... میں سمجھتا ہوں میں اب تک پرواز نہیں کر سکا ہوں —»

آسیہ پھر خاموش ہو گئی — میں ذرا سا اس کے اوپر جھک گیا —

«کیا تم والز ناچ سکتے ہو؟» اس نے یکایک پوچھا ـ

«ہاں، میں ناچ سکتا ہوں» میں نے کچھہ بوکھلاتے ہوئے جواب دیا ـ

«آؤ تو پھر آؤ! میں بھیا سے کہونگی کہ ہمارے لئے والز بجائیں . . . ہم یوں سمجھینگے جیسے ہم پرواز کر رہے ہوں، جیسے ہمارے پر نکل آئے ہوں ـ»

وہ دوڑتی ہوئی گھر میں واپس گئی ـ میں اس کے پیچھے بھاگا اور چند لمحے بعد، ہم لانر کے والز کی دھنوں پر، سامان سے بھرے ہوئے ڈرائنگ روم میں گردش کر رہے تھے ـ آسیہ بہت خوبصورت ناچ رہی تھی، بڑے جوش اور گرمی سے ـ یکایک اس کے چہرے سے کنوارپن کے زہد سے کوئی نرم نرم اور نسوانی دمک سی چھننے لگی ـ میرے ہاتھہ میں دیر تک اس کی پتلی اور لچکیکی کمر کا لمس باقی رہا اور بہت دیر تک وہ سب کچھہ اسی طرح تازہ رہا ـ میں دیرتک اس کی تیز تیز سانسوں کو نہ بھول سکا، سانسیں جو اتنی قریب تھیں مجھہ سے اور پھر وہ گھنگھریالی لٹوں کے ہالے میں گھرے ہوئے زرد چہرے میں کالی خاموش اور نیم وا آنکھیں ـ

۱۰

وہ پورا دن بہت ہی خوشگوار کٹا ـ ہم بچوں کی طرح چھیڑ چھاڑ کرتے رہے ـ آسیہ بڑی پیاری اور معصوم حرکتیں کرتی رہی ـ گاگن اس کو یوں دیکھہ کر بہت خوش ہوا ـ جب میں ان سے رخصت ہوا تو بہت دیر ہو چکی تھی ـ جب ناؤ بیچ دھارے میں پہنچی تو میں نے مانجھی سے کہا کہ ناؤ کو دھارے پر چھوڑ دو ـ بڈھے

نے چپو چلانا بند کر دیا — اور شاندار دریا ہمیں اپنے سینے پر سنبھالے رہا — میں نے چاروں طرف دیکھا، میں سن رہا تھا، میں یاد کر رہا تھا —— اچانک دل میں ایک بےچینی سی پیدا ہوئی . . . میں نے اوپر آسمان کو دیکھا —— لیکن آسمان کو بھی قرار نہ تھا — ستاروں سے جگمگاتا ہوا مستقل حرکت کر رہا تھا اور دھڑک رہا تھا — میں پانی پر جھک گیا . . . لیکن وہاں بھی سیاہ اور سرد گہرائیوں میں ستارے جھلملا اور تھرتھرا رہے تھے — ہر طرف مجھے ایک قسم کی بےچینی اور بےقراری محسوس ہوئی اور خود میرے اندر بھی وہ بےقراری ابھری — میں ناؤ کے کگر پر اڑ گیا . . . میرے کانوں میں ہوا کی سرگوشیاں اور دنبالے کے چاروں طرف پانی کی ہلکی ہلکی چھپ چھپ، مجھے پریشان اور بےقرار بنا رہی تھیں اور لہروں سے اٹھتی ہوئی تازگی مجھے ٹھنڈک بخشنے میں ناکام تھی — کنارے پر ایک بلبل نے اپنے نغمے کا شیریں زہر میری رگوں میں سرائیت کر دیا — میری آنکھوں میں آنسو آگئے لیکن یہ میرے مبہم انبساط کے آنسو نہیں تھے — اس وقت میرا احساس اب ایک ہمہ گیر احساس نہیں رہا تھا، جو روح میں بالیدگی اور وسعت پیدا کرتا ہے، جس احساس سے روح گنگناتی ہے اور لگتا ہے کہ اس میں پوری کائنات کے لئے چاہ اور اپناپن ہے . . . نہیں یہ تو مسرت کی پیاس تھی جو اب مجھے اپنے اندر جذب کئے لے رہی تھی — میں ابھی اسے کوئی نام دینے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا، یہ ایک لبالب چھلکتی ہوئی مسرت تھی . . . اور ناؤ دھارے پر تیر رہی تھی اور بوڑھا مانجھی چپوؤں پر جھکا ہوا کسی خواب میں کھویا ہوا تھا —

١١

جب دوسرے دن میں گاگن کے گھر کی طرف روانہ ھوا تو میں نے اپنے آپ سے یہ نہیں پوچھا کہ مجھے کہیں آسیہ سے محبت تو نہیں — لیکن میں اس کے بارے میں بہت زیادہ سوچتا رہا، اس کی زندگی سے مجھے بڑی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی — میں بہت خوش تھا کہ آخر ہم ایک دوسرے سے قریب آ گئے — مجھے لگتا تھا کہ میں نے پچھلے دن سے ھی اسے جاننا شروع کیا ھے — اس وقت تک تو وہ ھمیشہ میری طرف سے منہ پھیر لیتی تھی — اور اب آخرکار جب وہ مجھ سے کھل کر ملی تو اس کے پیکر سے کیسا سحر انگیز نور پھوٹ رہا تھا، یہ پیکر کتنا نیا تھا میرے لئے، اس کی گہرائیوں میں کیسی انجانی سی، شرمیلی شرمیلی سی رعنائیاں سانس لے رہی تھیں !

میں مانوس راستے پر تیز تیز چلتا رہا — جس وقت سے وہ چھوٹا سا گھر نظر آیا میری نگاھیں اس پر جم کر رہ گئیں وہ دور سے صرف ایک سفید دھبہ نظر آتا تھا — مستقبل کے بارے میں سوچنا تو خیر دور رہا، میں تو آنے والی کل کے بارے میں بھی نہیں سوچ رہا تھا — میرے دل کو مکمل تسلی اور تسکین حاصل تھی —

میں کمرے میں داخل ھوا تو آسیہ کے چہرے پر رنگ آ گیا — میں نے دیکھا کہ اس نے پھر بڑی سج دھج سے بانکپن کا لباس پہن رکھا ھے لیکن اس کے چہرے کی کیفیت اس کے لباس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی — اس کا چہرہ ستا ھوا تھا — اور میں کتنے ولولے کے ساتھ آیا تھا! مجھے لگا کہ وہ ھمیشہ کی طرح بھاگنے والی ھے لیکن زبردستی کوشش کر کے وھاں بیٹھی رہی — گاگن پر

جنوں انگیز فنکارانہ وجدان کا دورہ پڑا تھا جو یکایک شوقیہ فنکاروں کو اس وقت آدبوچتا ھے جب (فنکاروں کی اصطلاح میں) وہ یہ محسوس کرتے ھیں کہ انھوں نے «قدرت کو اسیر کر لیا ھے» — وہ اپنے کنواس کے سامنے کھڑا تھا — اس کے بال الجھے ھوئے تھے اور رنگ کے دھبوں سے کپڑے داغدار — اس نے کنواس پر تیزی سے برش کو دوڑاتے ھوئے، وحشیانہ انداز سے سرکو جنبش دے کر مجھے سلام کیا، پیچھے ھٹا، اپنی آنکھیں چھوٹی چھوٹی کرکے میچ لیں، اور پھر دوبارہ اپنی تصویر پر ٹوٹ پڑا — میں نے اس کی مصروفیت میں خلل نہ ڈالا اور آسیہ کے پاس بیٹھ گیا — اس کی آنکھیں دھیرے دھیرے میری طرف مڑ گئیں —

«تم وہ نہیں معلوم ھوتیں جو کل تھیں»میں نے اس کے ھونٹوں پر ایک مسکراھٹ ابھارنے کی ناکام کوشش کرتے ھوئے کہا —

«نہیں، میں وہ نہیں ھوں» اس نے دھیرے سے کھوکھلے لہجے میں کہا — «لیکن کوئی بات نہیں — رات بری سوئی — میں رات بھر پڑی سوچتی رھی —»

«کس چیز کے بارے میں؟»

«اوہ دنیا بھر کی چیزوں کے بارے میں — بچپن کے زمانے سے ھی یہ میری عادت ھے، اس زمانے سے جب میں اپنی ماں کے ساتھ رھتی تھی...»

اس نے آخری لفظ مشکل سے ادا کیا اور اپنے اوپر دباؤ ڈال کر اسے دھرایا:

«اسی زمانے سے جب میں اپنی ماں کے ساتھ رھتی تھی... میں اس پر حیران ھوتی تھی کہ آخر کوئی شخص یہ کیوں نہیں

جانتا کہ کیا ہونے والا ہے اور کبھی ایسا کیوں ہوتا ہے کہ آدمی مصیبت کو آتے ہوئے دیکھتا ہے لیکن اسے روک نہیں سکتا... اور آدمی ہمیشہ پوری سچائی کیوں نہیں بیان کرتا.. اور تب میں نے اپنے آپ سے کہا — میں کچھ نہیں جانتی — مجھے سیکھنا چاہئے — مجھے دوبارہ تعلیم حاصل کرنی چاہئے — میری پرورش بری طرح ہوئی — میں پیانو نہیں بجا سکتی، میں تصویر نہیں بنا سکتی، میں تو ٹھکانے سے سلائی بھی نہیں کر سکتی — مجھ میں کوئی گن نہیں — میں بہت بری ساتھی ثابت ہونگی —»

«تم اپنے آپ سے انصاف نہیں کر رہی ہو» میں نے اس سے کہا «تم نے بہت کچھ پڑھا ہے، تم کافی پڑھی لکھی ہو اور پھر تمہارا دماغ...»

«کیا تم سمجھتے ہو کہ میں ہوشیار لڑکی ہوں؟» اس نے کچھ ایسے بھولے تجسس سے پوچھا کہ مجھے بےساختہ ہنسی آگئی — لیکن وہ مسکرائی بھی نہیں — «بھیا کیا میں ہوشیار لڑکی ہوں؟» اس نے گاگن کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا —

اس نے جواب نہیں دیا اور اپنے کام میں محو رہا — وہ باربار برش بدلتا اور اپنا ہاتھ ہوا میں اٹھاتا تو اٹھائے رہ جاتا —

«بعض مرتبہ خود مجھے معلوم نہیں ہوتا کہ میرے سر میں کیا سمائی ہے» آسیہ نے ان ہی حسرت بھری نگاہوں کے ساتھ کہا — «کبھی کبھی مجھے اپنے آپ سے ڈر لگتا ہے، سچ... مجھے ڈر لگتا ہے! کاش میں... کیا یہ سچ ہے کہ عورتوں کو زیادہ نہیں پڑھنا چاہئے؟»

«بہت زیادہ تو نہیں... لیکن ہاں...»

«بتاؤ مجھے کیا پڑھوں میں، کیا کروں میں — تم جو کہو میں کرونگی» اس نے بھولپن بھرے اعتماد کے ساتھه میری طرف دیکھتے ہوئے کہا —

فوراً میری سمجھه میں نه آسکا که کیا جواب دوں —

«تمہیں مجھه سے اکتاهٹ تو نہیں ہوگی؟»

«نہیں هرگز نہیں...» میں نے کہنا شروع کیا —

«اوه، شکریه، شکریه!» وه چلائی — «میں ڈرتی تھی که تم اکتا جاؤگے —»

اور اس کے چھوٹے اور گرم هاتھه نے میرا هاتھه روز سے دبایا —

«ن —!» اس وقت گاگن کے پکارنے کی آواز آئی — «کیا خیال هے تمہارا، پس منظر زیاده سیاه تو نہیں؟»

میں اس کے پاس گیا — آسیه اٹھی اور کمرے سے باهر چلی گئی —

۱۲

وه ایک گھنٹے بعد واپس آئی اور دروازے پر کھڑی هوکر مجھے اشارے سے بلانے لگی —

«اچھا بتاؤ» اس نے کہا «اگر میں مرجاؤں تو کیا تمہیں رنج هوگا؟»

«آج تمہارے دل میں کیسا کیسا خیال آ رها هے!»

«میں همیشه یه سوچتی رهتی هوں که بہت جلد مر جاؤنگی — کبھی کبھی مجھے ایسا لگتا هے که هر شخص مجھے الوداع کہه رها هے — ایسی زندگی سے تو موت بہتر هے... یوں نه دیکھو مجھے...

میں بن نہیں رہی ہوں، سچ، میں بن نہیں رہی ہوں! اگر تم اس طرح دیکھوگے تو میں پھر تم سے ڈرنے لگونگی!»

«کیا تم واقعی مجھہ سے خوف زدہ تھیں؟»

«اگر میں اتنی عجیب ہوں تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں...»
اس نے اپنی بات جاری رکھی— «دیکھو.. اب میں ہنس بھی نہیں سکتی...»

وہ دن بھر غم زدہ اور اداس رہی، اپنے کام میں کھوئی کھوئی سی— اس کے اندر کچھہ ہو رہا تھا جو میری سمجھہ سے باہر تھا— اس کی نظر بار بار میرے اوپر جم جاتی— ان اتھاہ نگاہوں کے سامنے میرا دل بیٹھنے لگتا— اگرچہ بظاہر وہ پرسکون نظر آرہی تھی پھر بھی بار بار میرا جی چاہتا تھا کہ میں اس سے التجا کروں کہ پریشان نہ ہو— اس کو دیکھتے ہوئے، اس کے چہرے میں، جو اب زرد ہو گیا تھا، اور اس کی تھمی تھمی، آہستہ آہستہ رکات وسکنات میں مجھے بڑی اداس اداس سی رعنائی نظر آئی— اور وہ کسی نہ کسی وجہ سے اس نتیجے پر پہنچی کہ میں کچھہ بجھا بجھا سا ہوں—

«جانتے ہو؟» اس نے میرے رخصت ہونے سے ذرا پہلے کہا «میں اس خیال سے بریشان ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی کہ تم مجھے من موجی سمجھتے ہو... وعدہ کرو کہ تم، جو کچھہ میں کہونگی، اس پر یقین کروگے... اور تمہیں بھی مجھہ سے صافگوئی سے پیش آنا چاہئے— اور میں ہمیشہ سچ کہونگی، سچ کہتی ہوں ہمیشہ سچ کہونگی...»

اس کے «سچ» پر مجھے ہنسی آگئی—

«هنسو مت!» اس نے بڑے چاؤ سے کہا «ورنہ میں تم سے وهی پوچھونگی جو تم نے کل مجھه سے پوچھا تھا: 'تم هنس کیوں رهے هو؟'» اور ذرا رک کر اس نے کہا «تمھیں یاد هے که تم نے کل پروں کے بارے میں کیا کہا تھا؟ میرے پر نکل آئے هیں، مگر اڑکر جانے کو میرے پاس کوئی جگه نہیں...»

«بس تو چلو!» میں نے کہا «تمھارے سامنے پوری دنیا موجود هے...»

آسیه نے سیدھے میری آنکھوں میں دیکھا —

«آج تم مجھه سے ناخوش هو» اس نے اپنی بھویں سکیڑتے هوئے کہا —

«میں؟ تم سے ناخوش؟»

«تمھارا منه اتنا اترا اترا کیوں هے؟» گاگن نے بیچ سے بات کاٹ کر مجھے مخاطب کرتے هوئے کہا — «کیا میں کل کی طرح تمھارے لئے والز بجاؤں؟»

«نہیں! نہیں!» آسیه چلائی، اور اپنی دونوں مٹھیوں کو جوڑتے هوئے بولی «آج نہیں... خدا کے لئے آج نہیں...»

«کوئی تم کو مجبور نہیں کر رها هے... هنگامے کی ضرورت نہیں...»

«خدا کے لئے، نہیں!» اس نے زرد پڑتے هوئے کہا —

. . . .

«کہیں ایسا تو نہیں که وہ مجھه سے محبت کرتی هے؟» جب میں تیزرو رھائن کے قریب پہنچا تو یه خیال میرے دماغ میں کوند گیا —

«کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ مجھہ سے محبت کرتی ھے؟» اگلی صبح آنکھہ کھلتے ھی میں نے اپنے آپ سے پوچھا— میں خود اپنے دل میں جھانک کر دیکھنا نہ چاھتا تھا— میں نے محسوس کیا کہ اس کا تصور، «بناوٹی قہقہےوالی لڑکی» کا تصور میرے دل پر نقش ھو کر رہ گیا ھے اور یہ کہ اس سے چھٹکارا حاصل کرنا آسان نہ ھوگا— میں شہر «ل» گیا اور دن بھر وھیں ٹھہرا رھا— لیکن میں نے آسیہ کو صرف ایک لمحے کو دیکھا— وہ بیمار تھی— اس کے سر میں درد تھا— وہ ایک آن کو نیچے آئی— اس کے سر پر پٹی بندھی ھوئی تھی— وہ لاغر اور پیلی نظر آرھی تھی— اس کی آنکھیں قریب قریب بند تھیں— ھلکی سی مسکراھٹ کے ساتھہ اس نے کہا «یہ ختم ھو جائیگا— یہ کچھہ بھی نہیں— ھر چیز گزر جاتی ھے— ھے نا؟» اور کمرے سے نکل گئی— مجھہ پر اداسی چھا گئی جس میں ایک سونی سونی سی غم‌انگیزی شامل تھی— لیکن دل وھاں سے رخصت ھونے پر رضامند نہ ھوا اور جب اس کو دوبارہ دیکھے بغیر وھاں سے روانہ ھوا تو بہت دیر ھو چکی تھی—

دوسری صبح ایک بےخودی کے عالم میں گزری— میں نے کچھہ کام کرنے کی کوشش کی، مگر بات بنی نہیں— میں نے کوشش کی کہ کچھہ نہ کروں اورکسی چیز کے بارے میں نہ سوچوں... لیکن یہ بھی بیکار تھا— میں نے شہر کی خاک چھانی، گھر واپس گیا اور پھر باھر نکل گیا—

«کیا تم مسٹر ن— ہو؟» یکایک ایک بچے کی آواز کان میں آئی— میں نے مڑکر دیکھا— میرے سامنے ایک چھوٹا سا چھوکرا کھڑا تھا— «یہ فراؤلین Annette نے دیا ھے» اس نے ایک پرچہ دیتے ہوئے کہا—

کھولنے پر، آسیہ کی تیز تیز اور ٹیڑھی میڑھی لکھائی کو میں نے پہچان لیا— «تم سے ملنا ضروری ھے» اس نے لکھا تھا «سڑک پر کھنڈر کے پاس، پتھر کے گرجا گھر میں —— آج چار بجے— آج مجھه سے ایک عجیب غلطی ہوگئی ھے... خدا کے لئے ضرور آؤ، سب معلوم ہو جائیگا... نامہ بر سے کہه دو: ،ھاں،—»

«کوئی جواب؟» چھوکرے نے پوچھا—

«کہنا —— ،ھاں،» میں نے کہا اور لڑکا یہ جا، وہ جا—

١٤

اپنے کمرے میں واپس جاکر میں اپنے خیالات میں گم ہو گیا— میرا دل پوری وحشت سے دھڑک رہا تھا— میں نے آسیہ کا خط باربار پڑھا— میں نے گھڑی دیکھی... بارہ بج رہے تھے—

دروازہ کھلا اور گاگن اندر داخل ہوا—

اس کا چہرہ اترا ہوا تھا— اس نے میرا ھاتھه پکڑا اور اسے زور سے تھامے رہا— وہ بہت پریشان نظر آ رہا تھا—

«کیا حال ھے؟» میں نے پوچھا—

گاگن نے کرسی لی اور میرے سامنے بیٹھه گیا—

«چار دن قبل» اس نے زبردستی مسکراتے ہوئے اور ھکلاتے ہوئے کہا «میں نے تمھیں ایک کہانی سنائی تھی .س سے تم اچنبھے

میں پڑگئے تھے — آج میں تمہیں اور بھی زیادہ اچنبھے میں ڈالنےوالا ہوں — سچ کہتا ہوں... تمہارے علاوہ کوئی اور ہوتا تو میں ہرگز ایسا نہ کرتا — مگر تم ایک شریف آدمی ہو، تم میرے دوست ہو، ہو نا؟ اب میری سنو... آسیہ، میری بہن، تم سے محبت کرتی ہے —»

میں بالکل چونک گیا اور قریب قریب کرسی سے اچھل پڑا...

«تمہاری بہن، تمہارا مطلب ہے...»

«ہاں، ہاں» اس نے میری بات کاٹ کر کہا — «وہ پگلی ہے، میں کہتا ہوں، وہ مجھے بھی پاگل بنا کر رہیگی — لیکن خوش قسمتی سے وہ جھوٹ نہیں بول سکتی... اور مجھ پر بھروسہ کرتی ہے — کیا بتاؤں اس لڑکی کا دل کیسا ہے — لیکن میں جانتا ہوں وہ خود کو برباد کرکے رہیگی — میں جانتا ہوں...»

«تمہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی» میں نے کہا —

«نہیں بالکل نہیں — کل، جیسا کہ تم جانتے ہو، وہ دن بھر یونہی پڑی رہی اور کچھ کھایا پیا بھی نہیں —— لیکن کسی قسم کی شکائت نہیں کی... وہ کبھی شکائت نہیں کرتی — مجھے کوئی پریشانی نہیں ہوئی حالانکہ شام تک اسے حرارت ہو گئی — رات کے دو بجے مکان کی مالکن نے مجھے اٹھایا: ‹آؤ اپنی بہن کے پاس آؤ، اس نے کہا ‹اس کی حالت خراب ہے —›، میں لپکا ہوا آسیہ کے کمرے میں گیا اور دیکھا کہ وہ کپڑے اتارے بغیر پڑی ہے، بدن گرم ہے، اور آنکھوں میں آنسو ہیں — اس کا ماتھا جل رہا تھا اور دانت بج رہے تھے — ‹بات کیا ہے؟›، میں نے پوچھا ‹کیا تم بیمار ہو؟›، اس نے اپنی باہیں میری گردن میں ڈال دیں اور گڑ گڑائے

لگی کہ اگر میری جان عزیز ہے تو مجھے جلد از جلد یہاں سے لے چلو۰۰۰ میں بالکل نہ سمجھ سکا کہ بات کیا ہے اور ڈھارس بندھانے کی کوشش کی... اس کی سسکیاں اور بھی شدید ہو گئیں... اور یکایک میں نے سسکیوں کے درمیان اس کو کہتے ہوئے سنا کہ وہ تم سے محبت کرتی ہے — میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میرے اور تمہارے جیسے سوچنے سمجھنے والے لوگ اس کے جذبات کی گہرائی کا اور اس کا اندازہ نہیں کر سکتے کہ اس کے جذبات کیا کیا شدید صورتیں اختیار کرتے ہیں — وہ ناگہاں آندھی طوفان کی طرح بےروک اس پر چھاتے ہیں اور چھاتے چلے جاتے ہیں -- ہاں میں دیکھ سکتا ہوں کہ تم میں بڑی کشش ہے —» گاگن نے اپنی بات جاری رکھی «لیکن وہ اس طرح تمہارے عشق میں کیوں کر گرفتار ہو گئی، یہ میں مانتا ہوں کہ میری سمجھ سے باہر ہے — وہ کہتی ہے کہ پہلی نظر میں ہی وہ تمہیں دل دے بیٹھی تھی — اسی وجہ سے اس دن وہ اتنا روئی جب اس نے مجھے یقین دلایا تھا کہ میرے سوا وہ کسی دوسرے کو چاہنا نہیں چاہتی — اس کے سر میں یہ سمائی ہے کہ تم شاید اس سے نفرت کرتے ہو، شاید تمہیں اس کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے — اس نے مجھ سے پوچھا کہ میں نے تو اس کی کہانی تمہیں نہیں سنائی — ہاں میں نے کہا کہ میں نے نہیں سنائی -- مگر یہ بڑا غضب ہے کہ اس کا دل سب کچھ جان لیتا ہے -- وہ صرف ایک چیز چاہتی ہے کہ ابھی چلی جائے، اسی لمحے یہاں سے چلی جائے — میں صبح تک اس کے پاس ہی بیٹھا رہا — اس نے مجھ سے قسم لی کہ کل تک ہم یہاں سے چلے جائینگے اور جب کہیں اسے نیند آئی — میں نے سوچا اور باربار

سوچا اور آخر فیصلہ کیا کہ تم سے بات کر لوں — میں سمجھتا ہوں کہ آسیہ ٹھیک .کر رہی ہے— ہم دونوں کے لئے سب سے اچھی بات یہی ہے کہ ہم اس جگہ کو چھوڑکر چلے جائیں — آج ہی میں اسے لے کر چلا جاتا مگر ایک خیال نے مجھے باز رکھا — شاید.. ممکن ہے... تم بھی میری بہن کو چاہتے ہو؟ اگر ایسا ہو تو میں اسے لے کر کیوں چلا جاؤں؟ اور اس لئے میں نے ہر طرح کی شرم کو بالائے طاق رکھتے ہوئے فیصلہ کیا... اس کے علاوہ میں نے خود بھی کچھہ محسوس کیا ہے... میں نے فیصلہ کیا... کہ تم سے پوچھہ دیکھوں...» بیچارا گاگن گڑبڑاکر چپ ہو گیا — «معاف کرنا مجھے» اس نے کہا «میں کبھی ایسی مصیبت میں نہیں گرفتار ہوا تھا —»

میں نے اس کا ہاتھہ اپنے ہاتھہ میں لیا —

«تم جاننا چاہتے ہو» میں نے زوردار لہجے کے ساتھہ کہا «کہ میں تمہاری بہن کو پسند کرتا ہوں؟ ہاں میں اسے پسند کرتا ہوں...»

گاگن نے مجھے دیکھا — «لیکن» وہ ہکلایا «تم اس سے شادی کرنا نہیں چاہتے، ہے نا؟»

«بتاؤ تم ایسے سوال کے جواب کی توقع کس طرح کر سکتے ہو؟ تم اپنے آپ سے پوچھو کیا اس وقت میں...»

«میں جانتا ہوں، جانتا ہوں!» اس نے میری بات کاٹ کر کہا «مجھے اس کا حق نہیں کہ جواب کا مطالبہ کروں اور میرا سوال بےہنگم‌پن کی انتہا ہے... لیکن میں کیا کروں؟ تم اس سے کھیل نہیں سکتے — تم آسیہ کو نہیں جانتے... وہ بیمار پڑ سکتی ہے، وہ بھاگ سکتی ہے، وہ تم سے پینگیں بڑھا سکتی ہے اور تنہائی

میں مل سکتی ھے... کوئی دوسری لڑکی ھوتی تو ھر چیز چھپائے رھتی اور انتظار کرتی... مگر وہ ایسا نہیں کر سکتی — اس کے دل پر یہ پہلی چوٹ لگی ھے —— یہی تو مصیبت ھے — اگر تم آج اسے میرے قدموں پر پڑی سسکیاں بھرتے دیکھتے تو میرے اندیشوں کو سمجھہ سکتے —

میں نے غور کیا — «تم سے تنہائی میں مل سکتی ھے» گاگن کے الفاظ میرے دل میں چبھہ رھے تھے — مجھے محسوس ھوا کہ اگر میں اس صافگوئی کا جواب اتنی ھی صافگوئی سے نہ دوں تو بڑی اوچھی بات ھوگی —

«ھاں» میں نے آخر کہا «تم ٹھیک کہتے ھو — ایک گھنٹہ پہلے مجھے تمہاری بہن کا ایک خط ملا — یہ رھا — »

گاکن نے پرچہ لیا، جلدی جلدی پڑھا اور اپنے ھاتھہ گھٹنوں پر گرا دئے — اس کے چہرے پر حیرانی کے جذبات بڑے مضحکہ خیز معلوم ھو رھے تھے — لیکن اس وقت میں قہقہہ لگانے کے موڈ میں نہ تھا —

«تم ایک شریف آدمی ھو اور پھر کہتا ھوں» اس نے کہا «لیکن اب کیا کیا جائے؟ کیا؟ وہ یہاں سے چلی جانا چاھتی ھے اور تم کو خط لکھتی ھے اور اپنی جلد بازی پر خود کو کوستی ھے... اور اس کو یہ لکھنے کا وقت کب ملا؟ وہ تم سے چاھتی کیا ھے؟»

میں نے اس کو مطمئن کیا اور جہاں تک ممکن ھو سکتا تھا ھم نے اس معاملے پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا شروع کیا —

اور آخرکار ھم اس نتیجے پر پہنچے — آفت سے بچنے کے لئے

ضروری تھا کہ میں ملاقات کی مقررہ جگہ پر جاؤں اور آسیہ سے صاف صاف بات کروں — گاگن نے گھر پر ٹھہرنے کا وعدہ کیا اور یہ کہ کسی طرح بھی وہ اس کو یہ معلوم نہ ہونے دیگا کہ اسے خط کے بارے میں معلوم ھے — اور شام کے وقت ہمیں دوبارہ ملنا تھا —

«میں تم پر بھروسہ کرتا ہوں» گاگن نے میرے ہاتھہ کو زور سے دباتے ہوئے کہا — «اس سے اور مجھہ سے رحم دلی سے پیش آنا — بہر حال ہم کل چلے ھی جائینگے» اس نے اٹھتے ہوئے کہا «اس لئے کہ تم آسیہ سے شادی نہیں کروگے، ھے نا؟»

«شام تک مجھے وقت دو» میں نے کہا—

«بہت اچھا... لیکن تم اس سے شادی نہیں کروگے —»

وہ چلا گیا — میں صوفے پر گر گیا اور اپنی آنکھیں بند کر لیں — میرا سر چکرا رہا تھا — ہزاروں خیال زبردستی دماغ میں ابھر رہے تھے اور بھنور کی طرح چکرا رہے تھے — گاگن کی صافگوئی سے مجھے رنج ہوا تھا — میں آسیہ کی طرف سے بھی رنجیدہ تھا جس کی محبت نے بیک وقت دل پر پھایا بھی رکھا تھا اور مجھے کوفت میں بھی مبتلا کر دیا تھا — میری سمجھہ میں نہ آتا تھا کہ آخر اس نے سب کچھہ اپنے بھائی کو کیوں بتا دیا — اس قدر جلدی اور اسی لمحے فیصلہ کرنے کی ضرورت کا احساس بہت ھی تکلیف دہ تھا...

«سترہ برس کی لڑکی اور یہ مزاج —— کیا اس سے شادی کر لوں؟» میں نے صوفے سے اٹھتے ہوئے کہا — «میں کیسے کر سکتا ہوں؟»

میں نے مقررہ وقت پر ناؤ میں بیٹھ کر رھائن کو پار کیا — اور دوسرے کنارے پر جس پہلے شخص سے ملاقات ہوئی وہ وہی چھوٹا سا لڑکا تھا جو صبح کے وقت میرے پاس آیا تھا — وہ میرا انتظار کر رہا تھا —

«فراؤلین Annette کے یہاں سے» اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا اور مجھے ایک دوسرا پرچہ دیا —

آسیہ نے مجھے اطلاع دی تھی کہ ہماری ملاقات کی جگہ بدل گئی تھی — مجھے ڈیڑھ گھنٹے میں گرجا گھر نہیں بلکہ فراؤ لوئی‌زا کے گھر پہنچنا تھا — جہاں مجھے سڑک والے دروازے پر دستک دینی تھی اور پھر تیسری منزل پر جانا تھا —

«پھر — وہاں؟،» لڑکے نے پوچھا —

«ہاں» میں نے دھرایا اور دریائے رھائن کے کنارے کنارے چلنے لگا — گھر جانے کے لئے میرے پاس وقت کافی نہیں تھا اور میں سڑکوں پر آوارہ نہیں پھرنا چاہتا تھا — شہر کی دیوار کے پار ایک چھوٹا سا پارک تھا جس میں ایک چھپردار گیلری بنی ہوئی تھی اور بیئر پینے والوں کے لئے میزیں رکھی ہوئی تھیں — میں وہاں گیا — چند ادھیڑ عمر کے جرمن اسکیٹل کھیل رہے تھے — لکڑی کی گیندیں شور مچاتی ہوئی لڑھک رہی تھیں اور تھوڑی تھوڑی دیر پر واہ وا کا شور گونج اٹھتا تھا — ایک خوبصورت ویٹرس جس کی آنکھیں رونے کی وجہ سے لال ہو رہی تھیں میرے لئے بیئر کا ڈونگا لائی — میں نے اس کے چہرے کو دیکھا — وہ فوراً مڑی اور چل دی —

میرے برابر بیٹھے ہوئے ایک ھٹے کٹے سرخ گالوں والے شہری نے کہا «ھاں ٭ھماری ھانچن آج بہت دکھی ھے— اس کا محبوب سپاھی بن کر چلا گیا ھے—»

میں نے اس کو دیکھا — وہ چپکے سے کونے میں کھسک گئی تھی اور وھاں اپنی ایک ھتھیلی سے گال کو سہارا دئے کھڑی تھی — اور آنسو بوند بوند کرکے اس کی انگلیوں میں سے چھنتے ہوئے ٹپک رھے تھے — کسی نے بیئر کے لئے پکارا — وہ اس کے لئے بیئر کا ڈونگا لائی اور پھر اپنی جگہ پر واپس چلی گئی — اس کے غم نے مجھ پر بھی اثر کیا — میں آنے والی ملاقات کے بارے میں سوچنے لگا — لیکن میرے خیالات گمبھیر اور بے قرار تھے — میں ایک اداس دل کے ساتھ اس ملاقات کا انتظار کرنے لگا — میں باھمی محبت کی مسرتوں کے لئے نہیں جا رھا تھا— میں تو اپنا وعدہ پورا کرنے، ایک ناخوشگوار فرض پورا کرنے کے لئے جا رھا تھا— «تم اس کے ساتھ کھیل نہیں سکتے» گاگن کے الفاظ میرے دل میں تیر کے پھل کی طرح پیوست ھو گئے تھے — اور صرف چار دن پہلے ناؤ میں لہروں پر بہتے ہوئے کیا میرے دل میں مسرت کی تمنا نہیں امڈ پڑی تھی ؟ اور اب یہ مسرت ممکن تھی اور میں جھجک رھا تھا — میں اسے اپنے پاس سے دھکیل کر ھٹا رھا تھا، میں اسے اپنے پاس سے دھکیلنے پر مجبور تھا... یہ اتنا اچانک آگئی تھی کہ میں بوکھلا گیا تھا — اور خود آسیہ، اس قدر دل‌ربا اور عجیب آسیہ، اتنی گرم مزاج لڑکی، جس کا ماضی ایسا ھو، جس کی پرورش اور تربیت کچھ اس ڈھنگ سے ہوئی ھو— مجھے اعتراف ھے، اس سے مجھے ڈر لگ رھا تھا — متضاد جذبات میرے اندر دیر تک ایک

دوسرے کو دبانے کی کشمکش کرتے رہے — مقررہ وقت قریب آگیا — «میں اس سے شادی نہیں کر سکتا» میں نے آخر طے کیا — «اسے نہیں معلوم ہو سکیگا کہ میں بھی اس سے محبت کرتا ہوں —»

میں اٹھا اور غریب ہانچن کے ہاتھہ میں ایک سکہ ڈال کر (اس نے میرا شکریہ بھی نہیں ادا کیا) فراؤ لوئی‌زا کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا — شام کے سائے پھیل چکے تھے اور اندھیری سڑک کے اوپر آسمان کا چھوٹا سا ٹکڑا غروب آفتاب کے روشن عکس سے ارغوانی ہو رہا تھا — میں نے دھیرے سے دروازہ کھٹکھٹایا جو فوراً ھی کھل گیا — میں نے چوکھٹ کو پار کیا اور اب میں گھٹا ٹوپ اندھیرے میں تھا —

«اس طرف» ایک بوڑھی عورت کی آواز نے بتایا — «تمہارا انتظار ہو رہا ہے —»

میں نے ایک دو قدم آواز کی سمت میں اٹھائے اور ھڈیالے مریل ہاتھہ نے میرا ہاتھہ تھام لیا —

«کیا یہ تم ہو فراؤ لوئی‌زا ؟ » میں نے پوچھا —

«ہاں» اسی آواز نے جواب دیا «ہاں میرے بانکے نوجوان یہ میں ہی ہوں — » بوڑھی عورت مجھے ایک کھڑے زینے پر سے اوپر لے گئی اور تیسری منزل پر پہنچ کر رک گئی — چھوٹی سی کھڑکی سے چھنتی ہوئی مدھم روشنی میں مجھے شہر کی میونسپلٹی کے کمیشنر کی بیوی کا جھریوں بھرا چہرہ نظر آیا — اس نے اپنے اندر کو دھنسے ہوئے ہونٹوں پر شہد کی طرح میٹھی مسکراہٹ

پھیلاتے ہوئے اور اپنی چندھی آنکھوں کو میچتے ہوئے ایک چھوٹے سے دروازے کی طرف اشارہ کیا — میں نے تھرتھراتے ہوئے ہاتھ سے دروازہ کھولا جو میرے اندر آنے کے بعد بند ہو گیا —

۱٦

اب میں جس کمرے میں تھا وہ اندھیرا تھا اور میں فوراً آسیہ کو نہیں دیکھ سکا — وہ کھڑکی کے پاس ایک کرسی پر بیٹھی تھی، اس نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر رکھا تھا اور شال میں قریب قریب چھپا ہوا تھا جو اس نے اپنے چاروں طرف لپیٹ رکھا تھا — وہ ایک ڈری اور سہمی ہوئی چڑیا نظر آرہی تھی — وہ تیز تیز سانس لے رہی تھی اور سارے بدن سے کانپ رہی تھی — مجھے اس پر ایک ناقابل بیان ترس آیا — میں اس کے پاس گیا — اس نے اپنا سر اور بھی دوسری طرف موڑ لیا...

«آننا نکولائونا» میں نے کہا —

وہ سیدھی ہوکر بیٹھ گئی — اس نے مجھے دیکھنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی — میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا — ہاتھ بہت ٹھنڈا تھا اور میری مٹھی میں بے جان پڑا تھا —

«میرا مطلب ہے...» اس نے کہنا شروع کیا اور مسکرانے کی کوشش کی — لیکن اس کے زرد ہونٹوں نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا «میرا مطلب ہے — نہیں، میں نہیں کہہ سکتی —» اس نے کہا اور پھر کچھ نہ بولی — اور واقعی ہر لفظ پر اس کی آواز نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا —

میں اس کے پاس بیٹھ گیا —

«آنتا نکولائونا» میں نے پھر کہا اور میں بھی اس سے آگے نہ بڑھ سکا۔

پھر خاموشی چھا گئی۔ میں اس کا ہاتھ تھامے اور اس کی صورت پر نظر جمائے بیٹھا رہا۔ وہ شال میں سمٹی سمٹائی گٹھری بنی بیٹھی تھی۔ وہ بڑی مشکل سے سانس لے رہی تھی اور اپنے امڈتے ہوئے آنسوؤں کو باز رکھنے کے لئے اپنا نچلا ہونٹ کاٹ رہی تھی۔ میں نے اس کو دیکھا۔ اس کی سراسیمگی بھری خاموشی میں ایک المناک بےبسی تھی، جیسے نڈھال ہوکر وہ کسی طرح کرسی تک پہنچ کر گر پڑی ہو۔ میرا دل پسیجنے لگا۔

«آسیہ» میں نے زیرلب کہا۔

اس نے آہستہ آہستہ اپنی آنکھیں میرے چہرے کی طرف اٹھائیں— ہائے، عورت کی محبت بھری نظر! کون اس کی تشریح کر سکتا ہے؟ وہ آنکھیں، وہ التجا کر رہی تھیں، ان میں اعتماد تھا، ان میں سوال تھا، ان میں سپردگی تھی... میں ان کے جادو کا مقابلہ نہیں کر سکا۔ باریک شعلے سوئیوں کی طرح میری رگوں میں دوڑنے لگے۔ میں نے جھک کر اپنے ہونٹ اس کے ہاتھ پر رکھ دئے۔ ایک ہیجانی آواز— ایک تھرتھراتی ہوئی ٹھنڈی سانس کی آواز میرے کانوں میں آئی۔ اور میں نے ایک نرم سا لمس محسوس کیا۔ پتے کی طرح لرزتا ہوا ایک ہاتھ میرے بالوں کو چھو رہا تھا۔ میں نے اپنا سر اٹھایا اور اس کا منہ دیکھا۔ یکایک اس کا چہرہ کتنا بدل گیا تھا! خوف کی جھلک غائب ہو گئی تھی، نگاہوں کی چبھن بھاگ کر کہیں اندر گہرائی میں چھپ گئی تھی، جو مجھے کھینچتی ہوئی اپنے ساتھ ڈبوئے دے رہی تھیں، ہونٹ ذرا سا کھلے ہوئے،

پیشانی مرمر کی طرح زرد اور لٹیں پیچھے یوں لٹک رہی تھیں جیسے ہوا نے ان کو گدگدا گدگدا کر وہاں پہنچا دیا ہو— میں سب کچھ بھول گیا، میں نے اس کو اپنی طرف کھینچا، اس کا ہاتھ ایک اشارے پر کھنچ آیا، اور ہاتھ کے پیچھے پیچھے اس کا پورا جسم— شال اس کے شانوں سے ڈھلک گئی اور اس کا سر خاموشی سے میرے سینے پر آگیا اور میرے جلتے ہوئے ہونٹوں کے نیچے سویا رہا...

«تمہاری...» اس نے انتہائی دھیرے سے کہا—

میرے بازو سرکتے ہوئے اس کی کمر میں حائل ہوگئے... لیکن یکایک گاگن کی یاد میرے دماغ میں بجلی کی طرح کوند گئی—

«یہ ہم کیا کر رہے ہیں؟» میں چلایا اور چونک کر پیچھے ہٹ گیا— «تمہارا بھائی... وہ سب جانتا ہے— وہ جانتا ہے کہ میں تم سے اس وقت ملنے آیا ہوں...»

آسیہ واپس کرسی میں دھنس گئی—

«ہاں» میں نے اٹھ کر کمرے کے کونے میں دور تک جاتے ہوئے کہا— «تمہارا بھائی سب جانتا ہے... میں اسے سب کچھ بتانے پر مجبور تھا...»

«مجبور؟» وہ دھیرے سے بولی— یہ صاف ظاہر تھا کہ اب تک اس کے حواس ٹھکانے نہیں ہوئے تھے اور میری بات مشکل سے اس کی سمجھ میں آ رہی تھی—

«ہاں» میں نے ایک ایسی تندی سے کہا جس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی «اور یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے— آخر تمہیں اپنا راز بتانے کی کیا ضرورت تھی؟ کس نے تمہیں اپنے بھائی کو سب کچھ

بتانے پر مجبور کیا؟ وہ خود آج میرے پاس آیا اور اس نے مجھے بتایا کہ تم نے اس سے کیا کچھ کہا تھا—» میں نے کوشش کی کہ آسیہ کو نہ دیکھوں اور کمرے میں ٹہلنے لگا— «سارا کھیل بگڑ کر رہ گیا، سب کچھ!»

ایسا لگا کہ آسیہ اپنی کرسی سے اٹھنے کی کوشش کر رہی ہے—

«بیٹھ جاؤ، مہربانی سے» میں چلایا «مہربانی سے، بیٹھ جاؤ— تمہارا واسطہ ایک باعزت آدمی سے ہے —— ہاں ایک باعزت آدمی سے — خدا کے لئے مجھے بتاؤ کہ آخر کس چیز نے تمہیں اتنا بوکھلا دیا؟ کیا تمہیں میرے اندر کوئی تبدیلی نظر آئی؟ جب آج صبح تمہارا بھائی مجھ سے ملنے آیا تو میں سچی بات اس سے چھپا نہ سکا—»

«میں کیا بک رہا ہوں؟» میں نے اپنے آپ سے پوچھا اور اس خیال نے کہ میں ایک بےرحم فریب کار ہوں اور یہ کہ گاگن کو ہماری ملاقات کے بارے میں معلوم ہے، یہ کہ سب کچھ گڈمڈ ہوکر رہ گیا ہے، سب کچھ طشت ازبام ہو گیا ہے، ہاں اس خیال نے میرا سر چکرا دیا—

«میں نے اپنے بھائی کو نہیں بلایا تھا» آسیہ کی سہمی ہوئی دھیمی آواز آئی «وہ خود ہی آیا تھا—»

«دیکھو کیا گل کھلایا ہے تم نے!» میں نے اپنی بات جاری رکھی— «اور اب تم چلی جانا چاہتی ہو. . .»

«ہاں مجھے ضرور جانا چاہئے» اس نے پہلے کی طرح اسی نرمی سے کہا— «اسی لئے میں نے تم کو یہاں بلایا تھا، میں تمہیں الوداع کہنا چاہتی تھی—»

«اور تم سمجھتی ہو» میں نے کہا «میرے لئے تم سے بچھڑنا آسان ھے؟»

«لیکن تم نے میرے بھائی سے کیوں کہا؟» آسیه نے کچھه حیران لہجے میں پوچھا —

«میں کہتا ہوں، میرے سامنے اور دوسرا راسته نه تها — ہاں اگر تم نے اپنا راز نه بتایا ہوتا...»

«میں نے خود کو کمرے میں بند کر لیا» اس نے سادگی سے کہا «مجھے نہیں معلوم تھا که مکان والی کے پاس دوسری کنجی بھی ھے — »

اس وقت اس کے منه سے اس بھولے اقرار نے مجھے قریب قریب بھڑکا دیا... اور اب مجھے جب اس کا خیال آتا ھے تو دل میں ہوک سی اٹھتی ھے — بیچاری ایمان دار اور مخلص بچی!

«اور اب سب کچھه ختم ہوکر رہ گیا» میں نے پھر کہنا شروع کیا — «سب کچھه! اب ہمیں ایک دوسرے سے جدا ہو جانا چاہئے —» میں نے چوری چوری ایک نظر آسیه پر ڈالی — یکایک اس کا رنگ سرخ ہو گیا — میں نے محسوس کیا که وہ شرمنده اور گھبرائی ہوئی ھے — میں خود ھی اس طرح محسوس کر رہا تھا اور بک رہا تھا جیسے جنون میں ہوں — «تم اس جذبے کو، جس نے ابھی اپنے پر ھی تولنا شروع کئے تھے، پرواز کرنے کا، پوری طرح پروان چڑھنے کا موقع نه دے سکیں — تم نے مجھه پر بھروسه نہیں کیا، تم نے مجھه پر شک کیا...»

میں بول رہا تھا اور آسیه آگے جھکتی چلی جا رہی تھی —

یہاں تک کہ وہ اپنے گھٹنوں پر گر گئی— اس کا سر ہتھیلیوں میں گر گیا اور وہ سسکیاں بھرنے لگی— میں لپک کر اس کے پاس گیا اور اس کو اٹھانے کی کوشش کی لیکن اس نے میرے ہاتھہ پیچھے ہٹا دئے— میں عورت کے آنسو نہیں برداشت کر سکتا— عورت کے آنسو مجھے بالکل پاگل بنا دیتے ہیں—

«آننا نکولائونا، آسیہ» میں نے دھرایا «میں تم سے التجا کرتا ہوں، خدا کے لئے، آنسو نہ بہاؤ...» میں نے دوبارہ اس کے ہاتھہ تھام لئے...

لیکن میں حیران دیکھتا رہ گیا، وہ یکایک تیزی سے اٹھی، بجلی کی رفتار سے دروازے کی طرف لپکی اور غائب ہو گئی—

جب چند منٹ کے بعد فراؤ لوئی‌زا کمرے میں آئی تو میں اب تک کمرے کے درمیان اس طرح کھڑا تھا جیسے مجھہ پر بجلی گر پڑی ہو— میری سمجھہ میں نہیں آتا تھا کہ یہ ملاقات اتنی جلدی اتنے بے ہنگم طریقے سے کیوں کر ختم ہو گئی جبکہ ابھی میں نے اس کا سواں حصہ بھی نہیں کہا تھا جو میں کہنا چاھتا تھا جبکہ مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ اس کا نتیجہ کیا نکلیگا...

«کیا فراؤلین انیتا چلی گئی؟» فراؤ لوئی‌زا نے اپنے سنہری بھوؤں کو چڑھاتے ہوئے پوچھا یہاں تک کہ اس کی بھویں لٹوں کو چھونے لگیں—

میں نے خالی خولی نگاھوں سے اس کو دیکھا اور باھر نکل گیا—

میں شہر سے باھر نکلا اور چلتا رھا، چلتا رھا، یہاں تک کہ کھلے کھیتوں اور میدانوں میں نکل آیا — مجھے زبردست کوفت گھن کی طرح کھائے جا رھی تھی... میں خود کو کوس رھا تھا — آخر میری سمجھہ میں یہ وجہ کیوں نہ آئی جس نے آسیہ کو ملاقات کی جگہ بدلنے پر مجبور کیا تھا — آخر میں یہ کیوں محسوس نہ کر سکا کہ اس بوڑھی عورت کے یہاں جانے میں اس کے دل پر کیا بیتی ھوگی؟ میں نے اس کو اپنے پاس سے جانے سے باز کیوں نہ رکھا؟ اس دور دراز اکیلے اور اندھیرے کمرے میں مجھے اس کو دھکا دینے اور برا بھلا کہنے کی ھمت اور سکت ھوئی... اور اب اس کا تصور میرا پیچھا کر رھا تھا اور میں اس سے معافی کی التجا کر رھا تھا — اس پیلے چھرے، ان بھیگی ھوئی سراسیمہ آنکھوں، اس کی گردن پر جھولتے ھوئے گیسوؤں اور اپنے سینے پر اس کے نرم سے لمس کی یاد دل میں آگ لگا رھی تھی — «تمھاری...» میرے کانوں نے پھر یہ سرگوشی سنی — «میں نے اپنے ضمیر کا تقاضا پورا کیا» میں نے خود کو یقین دلایا... لیکن یہ سچ نہ تھا — کیا یہی ھے وہ انجام جس کی تمنا دل میں تھی؟ کیا مجھہ میں اس سے بچھڑنے کی سکت ھے؟ میں اس کو کھو کر زندہ رہ سکتا ھوں؟ «پاگل پن! پاگل پن!» میں پوری تلخی سے بڑبڑا رھا تھا...

رات کا اندھیرا چھانے لگا — میں پلٹا اور اس گھر کی طرف چلنے لگا جہاں آسیہ رھتی تھی —

گاگن باہر میرے پاس آیا ـ

«کیا تم میری بہن سے ملے؟»اس نے دور ہی سے پوچھا ـ

«کیا وہ گھر پر نہیں ہے؟» میں نے پوچھا ـ

«نہیں ـ»

«کیا وہ واپس نہیں آئی؟»

«نہیں، معاف کرنا» گاگن نے اپنی بات جاری رکھی «لیکن میں مجبور تھا... فیصلے کے خلاف میں گرجا گھر گیا ـ وہ وہاں نہیں تھی ـ میرا خیال ہے کہ وہ اس وقت تک نہیں آئی تھی ـ»

«وہ گرجا گھر میں نہیں تھی ـ»

«اور تم اس سے نہیں ملے؟»

مجھے مجبوراً اعتراف کرنا پڑا کہ میں اس سے مل چکا تھا ـ

«کہاں؟»

«فراؤ لوئی‌زا کے گھر ـ ایک گھنٹہ قبل ہم ایک دوسرے سے جدا ہوئے ـ» میں نے کہا ـ «مجھے یقین تھا کہ وہ واپس گھر گئی ہے ـ»

«ہم انتظار کرینگے» گاگن نے کہا ـ

ہم گھر کے اندر گئے اور پاس پاس بیٹھ گئے ـ دونوں چپ تھے ـ دونوں کو عجیب بےتکا سا معلوم ہو رہا تھا ـ ہم نظریں اٹھا اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھتے رہے ـــ ہمہ تن گوش ـ آخر گاگن اٹھ کھڑا ہوا ـ

«یہ ناممکن ہے!» اس کے منہ سے نکلا «میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اپنا کیا بنالوں— وہ میری جان لے کر رہیگی، واقعی وہ میری جان... آؤ چلیں، اسے ڈھونڈیں —»

ہم باہر نکل گئے— اب اندھیرا پوری طرح چھا چکا تھا—

«کس چیز کے بارے میں تمھاری باتیں ہوئیں؟» گاگن نے اپنی ٹوپی کو بھوؤں پر جھکاتے ہوئے پوچھا—

«میں اس کے پاس صرف پانچ منٹ ٹھہرا» میں نے کہا «میں نے اس سے وہی کچھہ کہا جو ہم نے طے کیا تھا—»

«میں بتاؤں» اس نے کہا «بہتر ہو کہ ہم ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں— عین ممکن ہے کہ ہماری مڈ بھیڑ ہو جائے اس سے — بہرحال ایک گھنٹے میں یہاں واپس آ جانا—»

۱۹

میں اس ڈھلان پر بھاگتا چلا گیا جو انگوروں کے چمن سے باہر کی طرف جاتا تھا اور لپکتا ہوا شہر کی طرف لوٹ گیا— میں نے تیز تیز قدموں سے تمام سڑکوں کے چکر لگائے، ہر طرف نظر دوڑائی، فراؤ لوئی‌زا کی کھڑکیوں تک پر ایک نظر ڈال لی، دریائے رھائن کے ساحل پر لوٹا اور اس کے کنارے کنارے دوڑتا چلا گیا... بار بار میری نگاھیں کسی عورت کے پیکر پر جم کر رہ جاتیں لیکن آسیہ کا کہیں پتہ نہ تھا— اب یہ محض دکھہ باقی نہ رہا تھا جو اندر ھی اندر مجھے کھائے جا رہا تھا— اب اندر ھی اندر ایک ڈر تھا جو میرے دل کو مسل رہا تھا—— اور یہ محض ڈر بھی نہیں تھا... اب مجھے ایک پچھتاوا، ایک جلتی ہوئی پشیمانی ستا

رهی تھی —— یہ محبت تھی، ہاں لطیف‌ترین محبت! میں اپنے
ہاتھ ملتا اور رات کے بڑھتے ہوئے اندھیرے میں اس کا نام پکارتا،
شروع میں اس کا نام میرے ہونٹوں پر آہستہ آہستہ آیا، پھر یہ
آواز تیز ہوتی گئی، تیز، اور تیز، اور تیز! میں نے سو بار دھرایا ہوگا
کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں — میں نے قسم کھائی کہ اب کبھی
اس سے جدا نہ ہونگا — اس کے ٹھنڈے ہاتھ کو ایک بار پھر اپنے
ہاتھوں میں لینے کے لئے، دوبارہ اس کی آواز سننے کے لئے، اسکو پھر
اپنی نگاہوں کے سامنے دیکھنے کے لئے، میں دنیا کی ہر چیز تج سکتا
تھا... وہ میرے اتنا قریب آگئی تھی، وہ میرے پاس پورے عزم کے
ساتھ آئی تھی، وہ میرے پاس ایک ایسے دل کے ساتھ آئی تھی
جو معصومیت اور جذبات سے سرشار تھا، وہ میرے پاس اپنے کنوارے
شباب کے ساتھ آئی تھی... اور میں نے اسکو اپنے سینے سے نہیں
لگایا، میں نے اس کے کومل چہرے کو خوشی اور خاموش بےخودی
کی جوت سے دمکتے ہوئے دیکھنے کی راحت کو ٹھکرا دیا... اس
خیال نے مجھے پاگل بنا دیا —

«کہاں گئی ہوگی وہ؟ اس نے اپنا کیا بنایا ہوگا؟» میں
ایک بےبس غم کے احساس سے چلانے لگا... ٹھیک دریا کے کنارے
پر کوئی سفید سی چیز ابھری — میں اس جگہ کو جانتا تھا — وہاں،
ایک شخص کے مزار پر، جس نے ستر سال قبل ڈوب کر اپنی جان دے
دی تھی، پتھر کی ایک صلیب زمین میں نیم دفن تھی اور اس پر ایک
پرانی عبارت موجود تھی... میرا دل دھک سے ہو گیا... میں
دوڑ کر صلیب کے پاس گیا... وہ سفید پیکر غائب ہو چکا تھا— میں

چلایا «آسیه!» میری اپنی آواز کی وحشیانہ گونج نے مجھے ڈرا دیا... لیکن کسی نے جواب نہ دیا...

میں نے طے کیا کہ لوٹ چلوں اور دیکھوں شاید گاگن کو وہ مل گئی ہو—

۲۰

جب میں انگوروں کے چمن کے درمیان والے راستے پر لپک رہا تھا تو مجھے آسیہ کے کمرے میں ایک روشنی نظر آئی... اس سے میرے دل کو کچھ سکون ہوا—

میں گھر کے قریب گیا— سامنے کا دروازہ بند تھا— میں نے دستک دی— نچلی منزل کی ایک اندھیری کھڑکی احتیاط سے کھولی گئی— اور گاگن کا سر دکھائی دیا—

«ملی؟»

«ہاں وہ لوٹ آئی ہے» اس نے سرگوشی میں جواب دیا— «وہ اپنے کمرے میں کپڑے بدل رہی ہے— سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے—»

«خدا کا شکر ہے!» میں نے ایک ناقابل بیان سکون اور راحت کے ساتھ کہا «خدا کا شکر ہے! اب سب کچھ بہت شاندار ثابت ہوگا— لیکن، جانتے ہو، ہمیں ایک بار اور بات چیت کرنی پڑیگی—»

«کسی اور وقت» اس نے دھیرے سے کھڑکی کے پٹ کو اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا «کسی اور وقت اور اب خدا حافظ—»

«کل تک کے لئے» میں نے کہا «کل سب کچھ ٹھیک ہو جائیگا—»

«خدا حافظ!» گاگن نے دھرایا — کھڑکی بند ھو گئی —

میں کھڑکی پر دستک دینے ھی والا تھا — اس وقت میں گاگن سے یہ کہنے کے لئے تیار تھا کہ وہ اپنی بہن کا ھاتھہ میرے ھاتھہ میں دے دے — لیکن یہ وقت شادی بیاہ کی بات کے لئے مناسب نہ معلوم ھوا — «اچھا کل تک» میں نے سوچا «کل میں ایک مسرور آدمی ھونگا — »

کل مجھے خوش ھونا تھا — لیکن مسرت کل سے بےنیاز ھوتی ھے — آنے والی اور گزری ھوئی کل دونوں سے — مسرت ماضی کو بھلا دیتی ھے اور مستقبل کے بارے میں نہیں سوچتی — یہ صرف حال کو جانتی ھے —- ایک دن نہیں بلکہ صرف ایک لمحے کو —

مجھے یاد نہیں کہ میں شہر «ز» کس طرح واپس پہنچا — میری ٹانگیں مجھے نہیں لے گئیں اور نہ ناؤ — میں نے تو پروں پر اڑ کر دریا پار کیا — میں ایک جھاڑی کے پاس سے گزرا جس میں ایک بلبل گا رھی تھی — میں دیر تک کھڑا اس کی سریلی آواز سنتا رھا — مجھے ایسا لگا کہ وہ میری محبت اور مسرت کا گیت گا رھی ھے —

۲۱

جب میں اگلی صبح اس مانوس گھر کے پاس پہنچا تو میں نے دیکھا کہ تمام کھڑکیاں کھلی ھوئی ھیں — دروازہ بھی کھلا ھوا تھا — سامنے کاغذ کے پرزے ادھر ادھر بکھرے ھوئے تھے — ایک ملازمہ جھاڑو لئے دروازے میں نظر آئی —

میں اس کے پاس گیا —

«وہ تو چلے گئے!» اس سے پہلے کہ میں پوچھوں گاگن گھر پر ھے یا نہیں، اس نے چھوٹتے ھی جڑ دیا—

«چلے گئے؟» میں نے دھرایا «کیا مطلب ھے تمھارا؟ وہ کہاں گئے ھیں؟»

«وہ آج صبح چلے گئے، چھہ بجے، اور یہ بھی نہیں بتایا کہ کہاں جا رہے ھیں — ایک منٹ ٹھہرنا — کیا تم مسٹر ن -- ھو؟»

«ھاں — »

«انہوں نے مالکن کے پاس تمہارے لئے ایک خط چھوڑا ھے —» ملازمہ اوپر گئی اور ھاتھہ میں ایک خط لئے ھوئے واپس آئی — «یہ تمہارے لئے ھے — »

«ایسا نہیں ھو سکتا — کیسے...» میرے منہ سے نکلا — لڑکی نے خالی خالی آنکھوں سے مجھے دیکھا اور پھر جھاڑو دینے لگی —

میں نے خط کھولا — یہ گاگن کا خط تھا — آسیہ نے ایک لفظ بھی نہیں لکھا تھا — گاگن نے خط کے شروع میں لکھا تھا کہ اس کی اچانک روانگی پر میں ناراض نہ ھوں — اس کو یقین تھا کہ ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے بعد میں اس کے اس قدم کی تائد کرونگا — اسے اس صورت حال سے نکلنے کا کوئی اور راستہ نظر نہ آیا — یہ صورت حال کٹھن ثابت ھو سکتی تھی اور خطرناک بھی — اس نے لکھا تھا «پچھلی رات، جب ھم دونوں خاموش بیٹھے آسیہ کے آنے کا انتظار کر رہے تھے تو میں آخر اس نتیجے پر پہنچا کہ ھمیں الگ ھو جانا چاھئے — بعض بدعتیں ایسی ھیں جن کا میں احترام کرتا ھوں — میں جانتا ھوں تم آسیہ سے شادی نہیں کر سکتے —

اس نے مجھے سب کچھ بتایا — میں مجبور تھا کہ اس کے دل پر پھایا رکھنے کے لئے اس کے اصرار کے سامنے جھک جاؤں — » اس نے خط کے آخر میں اس پر اظہار افسوس کیا تھا کہ ہماری دوستی اتنی جلدی ختم ہو گئی، میرے لئے بہتری کی دعائیں تھیں؛ میرے لئے اپنے دل میں قدر کا یقین دلایا تھا اور التجا کی تھی کہ میں ان کو ڈھونڈنے کی کوشش نہ کروں —

« کیسی بد عتیں؟» میرے منه سے نکلا، جیسے وہ میری بات سن ہی تو لیگا — «کیا حماقت ہے! تمہیں اس کو مجھه سے چھین کر لے جانے کا کیا حق تھا؟» میں نے اپنا سر پکڑ لیا —

ملازمه نے زور سے مالکن کو پکارا — اس کی چیخ نے مجھے سنبھلنے پر مجبور کیا — ایک ہی خیال میرے پورے وجود پر چھایا ہوا تھا —— ان کو ڈھونڈو، ہر قیمت پر ان کو تلاش کرو — میں اس دھکے کو برداشت نہیں کر سکتا تھا، میں اس مسئلے کے اس حل کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کر سکتا تھا — مالکن سے معلوم ہوا کہ وہ چھه بجے صبح ایک جہاز سے دریا کے اتار کی سمت میں گئے ہیں — میں ٹکٹ گھر گیا — وہاں مجھے معلوم ہوا کہ انہوں نے شہر کیلن کے لئے ٹکٹ لئے تھے — میں جلدی جلدی گھر بھاگا کہ اپنا سامان سمیٹ کر دوسرے جہاز سے ان کے پیچھے روانه ہوجاؤں — میرا راسته فراؤ لوئی‌زا کے گھر کی طرف سے جاتا تھا . . . یکایک میں نے کسی کو اپنا نام لے کر پکارتے ہوئے سنا — اوپر دیکھا تو شہر کی میونسپلٹی کے کمیشنر کی بیوہ اسی کمرے کی کھڑکی میں نظر آئی جہاں کل میں نے آسیه کو دیکھا تھا — اس کے ہونٹوں پر وہی بیزار کن مسکراہٹ ابھری — اس نے مجھے بلایا — میں مڑ گیا اور اب آگے

بڑھنے ھی والا تھا کہ اس نے پکار کر کہا کہ اس کے پاس میرے لئے کچھه ھے۔ ان الفاظ نے میرے قدم جکڑ لئے — میں گھر کے اندر چلا گیا اور میں کیوں کر بیان کروں کہ اس کمرے میں دوبارہ پہنچنے کے بعد میرے جذبات کا کیا عالم ھوا...

«مجھے صرف یہ دینا تھا» عورت نے ایک چھوٹا سا پرچہ دے کر کہا «بشرطیکہ تم خود میرے پاس آؤ — لیکن تم تو اتنے بھلے نوجوان ھو — لو لے جاؤ — »

میں نے پرچہ لے لیا —

کاغذ کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر جلدی جلدی یہ الفاظ گھسیٹے گئے تھے :

«الوداع — ھم پھر کبھی نہیں ملینگے — میری آن مجھے یہاں سے نہیں لے جا رھی ھے — بلکہ اس لئے جا رھی ھوں کہ اور کوئی راستہ ھی نہیں — کل جب میں تمہارے سامنے رو رھی تھی، اگر اس وقت تم ایک لفظ، ھاں صرف ایک لفظ بھی کہتے تو میں رک جاتی — لیکن تم نے نہیں کہا — مجھے یقین ھے جو کچھه ھو رھا ھے بھلے کو ھو رھا ھے... ھمیشہ کے لئے خدا حافظ!»

ایک لفظ... ھائے میں کتنا پاگل ھو گیا تھا! وہ لفظ... جسے میں نے ایک دن پہلے آنسوؤں کے ساتھه اپنے منہ سے ادا کیا تھا، جسے میں نے خالی ھوا میں گنوایا تھا — میں نے کھلے کھیتوں اور میدانوں میں وہ لفظ باربار کہا تھا —— لیکن اس کے سامنے میرے منہ سے وہ لفظ نہ نکلا — میں نے اس سے نہیں کہا کہ میں تم سے محبت کرتا ھوں... اور اس وقت میرے منہ سے وہ لفظ نہیں نکل

سکتا تھا۔ جب میں اس منحوس کمرے میں گیا تھا تو اس وقت مجھے اپنے دل میں پلتی ہوئی محبت کا صاف احساس بھی نہیں ہوا تھا۔ اس وقت بھی وہ محبت یوں بیدار نہیں ہوئی تھی جب خالی خالی خودفراموشی اور خاموش تناؤ کے عالم میں اس کے بھائی کے پاس بیٹھا تھا۔ یہ صرف اس وقت ناقابل تسخیر شدت اور زندگی کے ساتھ ابھری جب مجھے چند منٹ بعد اس کا احساس ہوا کہ مجھ پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ھے، اور میں نے اس کو ڈھونڈنا اور پکارنا شروع کیا۔۔۔ لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔۔ «لیکن یہ ناممکن ھے!» آپ کہینگے۔۔ میں نہیں جانتا کہ یہ ممکن ھے۔ میں یہ جانتا ہوں کہ یہ سچ ھے۔ آسیہ ھرگز نہ جاتی اگر اس میں چھل کھپٹ کی ہلکی سی پر چھائیں بھی ہوتی اور وہ خود کو اس غلط حالت میں نہ پاتی۔ میں یہ نہیں سمجھہ سکا کہ۔۔۔ وہ، وہ سب کچھہ نہیں سہہ سکتی تھی جو دوسری لڑکی برداشت کر سکتی تھی۔ میری کمبخت بدعقلی نے اس وقت میرے اقرار محبت کو میرے ہونٹوں پر ھی روک دیا جب میں اندھیری کھڑکی میں گاگن کے آمنے سامنے تھا اور اس وقت بھی میں اس تنکے کو جھپٹ کر پکڑ سکتا تھا جو میرے ھاتھہ سے چھوٹ گیا تھا۔

اسی دن میں اپنے سامان کے ساتھہ شہر «ل» لوٹا اور کیلن والے جہاز سے روانہ ہو گیا۔ مجھے یاد ھے جب جہاز دریا پر تیرنے لگا اور جب میں دل ھی دل میں ان سڑکوں کو خدا حافظ کہہ رہا تھا، ان تمام جگہوں کو، جن کو میں کبھی نہ بھول سکا، تو مجھے ھانچن نظر آئی۔ وہ دریا کے کنارے ایک بنچ پر بیٹھی تھی۔

اس کا چہرہ زرد مگر اداس نہ تھا — ایک خوبصورت نوجوان اس کے پاس کھڑا اس سے کچھہ کہہ رہا تھا اور ھنس رہا تھا — اور دریائے رھائن کے اس پار میری چھوٹی سی میڈونا، بوڑھے ایش کے پیڑ کے اندھیرے میں ڈوبے ھوئے پتوں اور ٹہنیوں سے جھانک رہی تھی—

۲۲

کیلن میں گاگن کا پتہ لگانے میں میں قریب قریب کامیاب ھو گیا — مجھے معلوم ھوا کہ وہ لوگ لندن گئے ھیں اور میں ان کے پیچھے پیچھے وھاں پہنچا — لیکن لندن میں ان کو تلاش کرنے کے سارے جتن رائگاں گئے — بہت عرصے تک تو میں اپنی شکست ماننے پر آمادہ نہ ھوا — میں نے ڈھونڈنے کی کوشش جاری رکھی — لیکن آخرکار ان کو تلاش کرنے کی امید سے ھاتھہ دھونا پڑا —

اور میں ان کو دوبارہ نہ دیکھہ سکا... میں نے آسیہ کو پھر کبھی نہیں دیکھا — کبھی کبھار اس کے بارے میں مبہم سی اڑتی پڑتی افواھیں سنتا — لیکن وہ تو ھمیشہ کے لئے نظروں سے اوجھل ھو چکی تھی — میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ زندہ ھے یا مر چکی — چند برس پہلے، جب میں پردیس میں تھا، مجھے ریل گاڑی کے ایک ڈبے میں ایک عورت نظر آئی جس کے نقوش نے اس ناقابل فراموش چہرے کی یاد تازہ کردی —— لیکن بلاشبہہ یہ اتفاقیہ مشابہت کے سوا اور کچھہ نہ تھا — آسیہ میری یادوں میں وھی لڑکی ھے جس سے میں اپنی زندگی کے مسرورترین لمحے میں آشنا ھوا، وہ لڑکی جسے میں نے آخری بار لکڑی کی کرسی پر سمٹ سمٹا کر گٹھری کی طرح بیٹھے ھوئے دیکھا تھا —

بہر حال، اس کا اعتراف لازمی ہے کہ اس کے لئے میر دل
بہت لمبے عرصے تک خون نہیں ہوا — میں تو اپنے آپ سے یہ بھی
کہتا کہ قسمت نے مجھے اور آسیہ کو ملاپ سے باز رکھہ کر اچھا
ہی کیا تھا — میں نے اپنے دل کو یہ کہہ کر تسکین دے لی کہ
زیادہ قرینہ یہی تھا کہ میں اس قسم کی بیوی کے ساتھہ خوش نہ
رہتا — میں اس وقت نوجوان تھا — اور مستقبل، جو حقیقت میں اتنا
مختصر، اتنا تیز رو ہے اس وقت جاوداں معلوم ہوتا تھا —— «کیا
دوبارہ ایسا واقعہ نہیں ہو سکتا ؟» میں اپنے آپ سے پوچھتا «اور بھی
بہتر اور بھی حسین؟» میں دوسری عورتوں سے بھی قریب ہوا ہوں —
لیکن وہ جذبہ جو آسیہ نے میرے دل میں بیدار کیا تھا —— اتنا سچا،
اتنا لطیف، اتنا گہرا جذبہ —— پھر نہیں ابھرا — دوسری آنکھیں میرے
لئے ان آنکھوں کی جگہ نہیں لے سکیں جو کبھی اتنے پیار سے مجھہ
پر جم کر رہ گئی تھیں — میرے سینے پر رکھے ہوئے اور کسی دل
کے جواب میں میرا دل میٹھے اور نشاط انگیز درد کے ساتھہ نہیں
دھڑکا ہے — ایک تنہا کنوارے انسان کی زندگی گزارتے ہوئے میں
اپنے آخری کٹھن دن کاٹ رہا ہوں — لیکن مقدس یادگار کے طور
پر میرے پاس اس کے پرچے اور گرانی‌اوم کا پھول محفوظ ہیں ——
وہی پھول جو اس نے ایک بار کھڑکی سے میری طرف پھینکا تھا —
آج تک اس میں ایک ہلکی سی خوشبو باقی ہے اور وہ ہاتھہ جس نے
یہ پھول مجھے دیا تھا، وہ ہاتھہ جسے میں نے صرف ایک بار اپنے
ہونٹوں سے لگایا تھا، شائد ایک عرصے سے قبر میں گھل رہا ہوگا —

اور میں — اور میں کیا بن گیا ہوں؟ میرے پاس ان کیف پرور، ہیجانی دنوں — اور پر تولتی ہوئی امیدوں اور پرواز کرتی ہوئی تمناؤں میں سے کیا رہ گیا؟ ایک ناچیز پھول نے انسان کا دکھ بھی جھیلا اور سکھ بھی اور اس کی بھینی بھینی خوشبو زندہ رہی — ہاں یہ پھول انسان کے مقابلے میں زیادہ دیر تک مہکتا رہتا ہے، زیادہ دیر تک اپنی خوشبو بکھیرتا رہتا ہے۔

۱۸۵۷ء

پہلی محبت

پ – و – انینکوف کے نام

... مہمان کب کے جا چکے تھے – گھڑی نے ساڑھے بارہ بجائے – کمرے میں میزبان کے ساتھہ سرگئی نکولائچ اور ولادیمیر پترووچ کے علاوہ اور کوئی نہ تھا – میزبان نے گھنٹی بجاکر ملازم کو بلایا کہ کھانے کا جھوٹا برتن وغیرہ اٹھالے جائے –

«تو پھر یہ طے ہے» اس نے آرام سے کرسی میں دھنستے ہوئے اور سگار سلگاتے ہوئے کہا «ہم میں سے ہر ایک اپنی پہلی محبت کی داستان سنائیگا – سرگئی نکولائچ تم شروع کرو –»

سرگئی نکولائچ چھوٹے قد کا گول مٹول سا آدمی تھا – اس کا نقشہ موٹا تھا اور رنگ صاف – اس نے میزبان کو دیکھا اور اپنی نگاہیں چھت کی طرف اٹھائیں – «مجھے کبھی پہلی محبت ہوئی ہی نہیں» وہ بولا «میں نے تو سیدھے دوسری محبت سے کاروبار شروع کیا – »

«وہ کیوں کر؟»

«بہت آسان— میں اٹھارہ برس کا تھا کہ پہلی بار میں نے ایک حسین اور جوان خاتون سے محبت کی پینگیں بڑھانا شروع کیں — لیکن میں نے اپنا انداز کچھ ایسا رکھا جیسے یہ میرے لئے کوئی نئی بات نہ ہو— ٹھیک اسی طرح جیسے میں اس کے بعد محبت کا کھیل کھیلتا رہا— سچی بات تو یہ ہے کہ پہلی اور آخری بار اس وقت عشق میں گرفتار ہوا جب میری عمر چھ برس تھی — یہ عشق مجھے اپنی انا سے ہوا تھا — لیکن یہ بہت پہلے کی بات ہے اور ہمارے رشتوں کی تفصیل میری یاد سے غائب ہوچکی ہے اور اگر وہ یاد بھی ہوتی تو اس میں کس کو دلچسپی آتی؟ »

«تو ہم کیا کریں؟ » میزبان نے کہا— «میری پہلی محبت میں بھی کوئی ایسی خاص دلچسپی کی بات نہ تھی — اپنی موجودہ بیوی آننا ایوانوونا سے ملنے تک مجھے کبھی کسی سے محبت ہی نہ ہوئی اور شروع سے ہی ہماری محبت کا راستہ ہموار اور پرسکون رہا — ہمارے ماں باپ نے رشتہ طے کیا، ہم جلد ہی ایک دوسرے کو دل دے بیٹھے اور بغیر کسی تاخیر کے بیاہ کے بندھن میں بندھ گئے — میری کہانی بس چند لفظوں میں کہی جا سکتی ہے — میں مانتا ہوں، حضرات، کہ جب میں نے پہلی محبت کا سوال اٹھایا تو اس وقت میں آپ پر تکیہ کر رہا تھا — آپ پر، ہاں جو صحیح معنی میں بوڑھے تو نہیں، پھر بھی نوجوان کنوارے بھی باقی نہیں رہے ہیں — ولادیمیر پتروویچ، شاید ہمیں کوئی دلچسپ قصہ سنا سکیں؟»

ولادیمیر پتروویچ کی عمر کوئی چالیس برس ہوگی — اس کے کالے بال راکھ کے رنگ کے ہو گئے تھے — اس نے جھجھکتے ہوئے کہا «میری پہلی محبت کی کہانی واقعی کچھ انوکھی ہے — »

«واہ!» میزبان اور سرگئی نکولائچ کے منہ سے ایک ساتھہ نکلا۔ «یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ سناؤ، ہم سنینگے۔»

«بہت اچھا۔ لیکن نہیں، میں کہانی سناؤنگا نہیں۔ بیان کرنے کے معاملے میں بڑا بودا ہوں۔ یقینی اس طرح میں اسے بہت ہی پھیکی اور مختصر بنا دونگا، یا شاید لمبی اور غلط ہو جائے۔ اگر مضایقہ نہ ہو تو میں جو کچھہ بھی یاد آئے اسے اپنی کاپی میں قلم بند کرلوں اور پھر پڑھہ کر سناؤں۔»

پہلے تو اس کے دوستوں نے احتجاج کیا لیکن آخر ولادیمیر پتروورچ نے اپنی بات منوالی۔ اس کے پندرہ دن بعد وہ دوبارہ اکٹھے ہوئے اور ولادیمیر پتروورچ اپنی بات پر پورا اترا۔

اس نے اپنے سننے والوں کو اپنی کاپی سے جو کچھہ پڑھہ کر سنایا یہ ہے:

۱

اس وقت میں سولہ برس کا تھا۔ وہ واقعہ جو میں آپ کو سنانے والا ہوں ۱۸۳۳ء کی گرمیوں میں رونما ہوا۔

میں ماسکو میں اپنے ماں باپ کے ساتھہ رہتا تھا۔ انہوں نے شہر سے باہر کالوژسکی پھاٹک پر، نسکوچنی باغ کے مقابل، ایک مکان کرائے پر لے رکھا تھا۔ میں یونیورسٹی کے لئے پڑھہ رہا تھا۔لیکن ہاں میں ضرورت سے زیادہ محنت نہیں کر رہا تھا۔

مجھے پوری آزادی حاصل تھی اور جو جی میں آتا کرتا۔ خاص طور پر اپنے آخری اتالیق کے رخصت ہونے کے بعد، جو ایک فرانسیسی تھا۔ وہ ایک لمحے کو بھی یہ فراموش نہ کرتا کہ وہ روس پر ایک

«بم کی طرح» (comme une bombe) آن گرا تھا اور دن بھر بڑے باغیانہ انداز سے پڑا اینڈتا رہتا — میرے ابا میرے ساتھہ مشفقانہ بے نیازی سے پیش آتے — اماں مشکل سے میری پروا کرتیں حالانکہ ان کے کوئی اور اولاد نہ تھی — لیکن اور دوسرے دھندے تھے — ان کا سارا دھیان ان ہی میں بٹا رہتا — میرے ابا نے، جو اب بھی جوان اور وجیہہ تھے، ان سے روپے کے لئے شادی کی تھی — وہ ان سے دس برس بڑی تھیں — میری اماں آزردگی کی زندگی گذار رہی تھیں — وہ ہمیشہ بے چین اور فکر مند رہتیں، جلتی بھنتی، غم زدہ سی —— لیکن کبھی ابا کے سامنے نہیں — وہ ان کے سامنے سہمی سہمی سی رہتیں اور وہ بڑی سرد مہری کے ساتھہ ان سے دور دور رہتے اور سخت برتاؤ کرتے — میں آج تک اپنے ابا جیسے مہذب، نفاست پسند، خود اعتماد اور اپنے حکم کا سکہ چلانے والے آدمی سے نہیں ملا —

اس گھر میں بیتے ہوئے اپنے شروع کے چند ہفتوں کو میں کبھی نہیں بھولونگا — موسم لاجواب تھا — ہم اس گھر میں ۹ مئی کو، سنٹ نکولاس کی ضیافت کے دن، اٹھہ آئے — میں احاطے میں اور نسکوچنی باغ میں چکر لگاتا اور کبھی کبھی گھومتا گھامتا شہر کی چہار دیواریوں سے باہر نکل جاتا — میں عام طور پر اپنے ساتھہ کوئی نہ کوئی کتاب لے جاتا، کئیدانوف کی «تاریخ» (۳) یا اسی قسم کی کوئی اور چیز — لیکن میں شاید ہی کتابوں کو کھولتا — میں زیادہ تر وقت نظمیں پڑھنے میں بتاتا اور اس سلسلے میں میرا حافظہ بہت اچھا تھا — میرا خون سنسناتا اور میرے دل میں کچھہ عجیب سی کسک ہوتی ایک لطیف سا ہلکا ہلکا درد — مجھے برابر کسی چیز کا

انتظار رهتا، کسی چیز کا اندیشه— میں هر چیز کو حیران نظروں سے دیکھتا اور هر چیز کے لئے تیار رهتا— میرا تصور ایک هی قسم کے خیالات کے چاروں طرف کھیلتا اور منڈلاتا، جیسے پو پھٹتے سمے گرجا کے گھنٹه گھر کے اوپر ابابیلیں پرواز کرتی هیں— میں جاگتے میں خواب دیکھنے لگتا، آزرده اور اداس هو جاتا اور کبھی کبھار آنکھوں سے آنسو کی جھڑی بھی لگ جاتی— لیکن ان تمام آنسوؤں اور اداسیوں کے اچانک دوروں کے درمیان، چاهے اس کی وجه پرآهنگ شعر هو یا شام کی سندرتا، جوانی سے سرشار زندگی، پر شور اور تڑپتی اور مچلتی زندگی خود کو محسوس کراتی—— جیسے گھاس، موسم بهار میں، زمین کو کاٹتی اور چیرتی هوئی ابھرتی هے—

میری شهسواری کے لئے ایک ٹٹو تھا— میں اس پر زین اور لگام خود هی کستا اور دوردور نکل جاتا— اسے تیز تیز دوڑاتا اور خود کو ایک نائٹ تصور کر لیتا جو کسی کھیل کود کے مقابلے میں اپنی شهسواری کے جوهر دکھا رها هو— (هوائیں میرے کانوں میں کتنی مسرت‌خیز سیٹیاں بجاتی هوئی گزرتی تھیں) یا میں اپنا منه آسمان کی طرف اٹھاتے هوئے اس درخشاں روشنی اور نیلاهٹ کو اپنی پیاسی روح میں جذب کر لیتا—

جهاں تک مجھے یاد هے، ایک عورت کے تصور نے، عورت کی محبت کے مدهم سے مدهم تصور نے شاید هی کبھی میرے ذهن میں کوئی قطعی صورت اختیار کی هو— لیکن مجھے محسوس هوتا تھا که ان سب چیزوں میں کوئی نیم بیدار سی، شرمائی لجائی سی، نئی قوت انگڑائیاں لے رهی هے، ایک ناقابل بیان مٹھاس—— مختصر یه که کسی نسوانی لطافت کا احساس—

یہ احساس، یہ مستقل انتظار میری رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا — میں اس کی ہوا میں سانس لیتا، میں اس کو اپنی رگوں میں دوڑتا ہوا محسوس کرتا، اپنے خون کے ایک ایک قطرے میں... اور بہت جلد یہ بات سچ ثابت ہوئی —

ہماری دیہاتی قیام گاہ میں خاص عمارت، ایک لکڑی کا گھر تھی جس میں ستون تھے اور ساتھہ ھی احاطے میں دو ذیلی مکان تھے جن کی چھتیں نیچی تھیں — ان میں سے ایک میں جو بائیں طرف تھا دیوار پر چپکانے والے سستے کاغذ کا کارخانہ تھا — میں اکثر وہاں جاتا اور مریل، میلے کچیلے سوکھے چہروں والے کوئی ایک درجن چھوکروں کو، اپنے اپنے چکٹ لبادوں میں، اچھل کر، لکڑی کے کھٹکوں پر چڑھتے ہوئے دیکھتا جو چھاپے کی مشین کے فریم پر آکر گرتا اور ان لاغر چھوکروں کے جسم کے بوجھہ سے بھڑکیلے قسم کے گل بوٹے کاڑھتا — دائیں ھاتھہ والا مکان خالی تھا اور کرایہ پر اٹھنے کے لئے تیار — ایک دن، نویں مئی کے کوئی تین ھفتے بعد، اس کی کھڑکیاں دھڑ سے کھلیں اور عورتوں کے چہرے دکھائی دئے — کسی خاندان نے اس مکان کو کرائے پر لے لیا تھا — مجھے یاد ھے کہ اس دن میری اماں نے کھانے پر خانساماں سے پوچھا کہ ھمارے نئے پڑوسی کون ھیں — اور جب انھوں نے شہزادی زاسیکینہ کا نام سنا تو پہلے تو قدرے احترام سے بولیں «اوہ شہزادی...» اور پھر «شاید برا وقت آن پڑا ھے بیچاریوں پر!»

«وہ کرائے کی تین گاڑیوں میں یہاں آئے» خانساماں نے میز پر بڑی تعظیم سے ایک پلیٹ رکھتے ہوئے کہا — «ان کے پاس اپنی ان کوئی گاڑی نہیں اور ان کے فرنیچر بڑے سستے قسم کے معلوم ہوتے ھیں —»

«ہاں» اماں نے کہا «لیکن میں پھر بھی خوش ہوں —»

میرے ابا نے انتہائی سرد مہری کی نظر سے ان کو دیکھا اور پھر وہ کچھہ نہ بولیں —

اور سچی بات یہی ہے کہ شہزادی زاسیکینہ دولت‌مند خاتون نہیں ہو سکتی تھی — جس مکان کو انہوں نے کرائے پر لیا تھا وہ اتنا گیا گزرا، چھوٹا اور نیچی چھت والا تھا کہ کوئی بھی کھاتا پیتا گھرانہ اس میں رہنے کے لئے تیار نہ ہو سکتا تھا — لیکن اس وقت میں نے اس بات چیت پر زیادہ کان نہ دھرا — شہزادی کے رتبے کا بہت زیادہ رعب نہیں پڑا —— میں نے تازہ تازہ شیلر کی کتاب «لٹیرے» پڑھی تھی —

۲

میں کوے مارنے کی امید میں، ہر شام بندوق ھاتھہ میں اٹھائے احاطے میں مارا مارا پھرتا — ایک زمانے سے میرے دل میں اس عیار، چالاک اور اچکے پرند کے خلاف، نفرت پک رہی تھی — جس دن کا میں ذکر کر رہا ہوں، اس دن بھی میں حسب معمول مہم پر نکلا — اور ہر راستے کا بیکار چکر لگانے کے بعد (کوے مجھے بھانپ لیتے اور کہیں دور سے ہی قائیں قائیں شروع کر دیتے) اس چھوٹے سے جنگلے کے پاس پہنچ گیا جو ہمارے احاطے اور اس چھوٹے سے باغ کے درمیان تھا — یہ باغ دائیں ھاتھہ والے چھوٹے مکان کے پچھواڑے میں اس مکان سے ملا ہوا تھا — میں اپنی آنکھیں جھکائے چلتا رہا — دفعتاً میرے کانوں میں آوازیں آئیں — میں نے جنگلے کے اوپر سے دوسری طرف دیکھا اور مبہوت کھڑا کا کھڑا رہ گیا... سامنے ایک عجیب منظر تھا —

چند قدم کے فاصلے پر، رس بھری کی ہری جھاڑیوں کے درمیان کھلی ہوئی جگہ میں، ایک لمبی اور دھان‌پان لڑکی گلابی رنگ کے دھاری دار لباس میں کھڑی تھی— اس کے سر پر ایک سفید رومال تھا — چار نوجوان اس کے چاروں طرف هاله بنائے کھڑے تھے — اور وہ ان میں سے هر ایک کو باری باری سے، پیشانی پر ان چھوٹے چھوٹے سے نیلے پھولوں سے مار رهی تھی جن سے بچے خوب مانوس هوتے هیں— مجھے ان پھولوں کے نام معلوم نہیں — ان کی پنکھڑیاں ننھی سی تھیلیوں کی طرح هوتی هیں اور کسی ٹھوس چیز سے ٹکرانے پر پھٹ سے پھٹ جاتی هیں— یه نوجوان اپنی اپنی پیشانی کتنے شوق سے پیش کر رهے تھے اور لڑکی کی تمام حرکات و سکنات میں (اس کے چہرے کا صرف ایک رخ میری جانب تھا) کچھه ایسی تحکمانه شان، چاهت، تمسخر اور دلبری تھی که میں اپنی حیرانی اور خوشی میں قریب قریب چیخ پڑا اور مجھے ایسا لگا که میں خود ان نازک نازک کومل انگلیوں کو اپنی پیشانی پر محسوس کرنے کے لئے دنیا کی کوئی بھی قیمت ادا کر سکتا تھا — میری بندوق میرے هاتھه سے پھسل کر گھاس پر گر گئی، میں سب کچھه بھول گیا اور میری پیاسی آنکھیں نازک کمر، صراحی دار گردن، حسین باهوں اور ذرا بکھرے بکھرے سے سنہرے بالوں پر، جو سفید رومال سے جھانک رهے تھے، ذهین آنکھوں پر، جو پلکوں کی چھاؤں میں آدھی چھپی هوئی تھیں اور ان گھنی پلکوں کے نیچے کومل رخسار... پر جمی هوئی تھیں اور حسن و جمال کی تمام رعنائیاں دل میں اتارے جا رهی تھیں —

«اے، نوجوان... نوجوان!» میرے کان کے قریب سے هی ایک

آواز آئی «کیا بھلے آدمیوں کے یہی ڈھنگ ھیں — پرائی جوان لڑکیوں کو یوں گھورنا؟»

میں گھبرا کر چونک گیا — احاطے کی دوسری طرف ایک آدمی کھڑا تھا — اس کے بال کالے اور چھوٹے چھوٹے تھے — وہ تمسخر بھری نظروں سے مجھے دیکھہ رہا تھا — ٹھیک اسی لمحے لڑکی میری طرف مڑی — مجھے ایک جاندار اور دمکتے ھوئے چہرے میں دو بڑی بڑی بھوری آنکھیں چمکتی نظر آئیں — یکایک چہرے میں تلاطم پیدا ھوا اور قہقہہ پھٹ پڑا، سفید دانت جھلملائے اور بھویں ایک تمسخرانہ انداز سے چڑھہ گئیں... میرا رنگ فق ھو گیا، جھپٹ کر اپنی بندوق اٹھائی اور اپنے کمرے کی طرف بھاگا — قہقہوں کے پٹاخے میرا پیچھا کرتے رھے — بہر حال ان گونجتے ھوئے قہقہوں میں غیر دوستانہ چبھن نہ تھی — میں اپنے بستر پر گر پڑا اور چہرہ اپنے ھاتھوں میں چھپا لیا — میرا دل پوری وحشت سے بلیوں اچھل رہا تھا — بیک وقت مجھے گھبراھٹ بھی ھو رھی تھی اور مسرت بھی — اس سے پہلے کبھی میرے جذبات میں ایسی ھلچل نہیں مچی تھی —

تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد، میں نے اپنے بالوں میں کنگھا کیا، برش سے اپنے کوٹ کو جھاڑا اور چائے پینے کے لئے نیچے چلا گیا — اس نوجوان لڑکی کا تصور برابر میری آنکھوں میں لہرا رہا تھا اور گرچہ اب میرا دل اس وحشت سے نہیں دھڑک رہا تھا، میرے دل میں باربار ایک لطیف سی کسک ضرور پیدا ھو جاتی تھی —

«کیا معاملہ ھے؟» میرے ابا نے یکایک پوچھا — «کیا تم نے کوئی کوا مار لیا؟»

میں ان کو سب کچھ بتانا چاہتا تھا، لیکن باز رہا اور ایک رازدارانہ مسکراہٹ بکھیر کر رہ گیا۔ بستر میں لیٹنے سے پہلے دو تین بار، کسی وجہ سے، میں اپنے جوتوں کی ایڑیوں پر گھوما، اپنے بالوں میں خوشبودار روغن ملا اور پھر جو سویا تو گھوڑے بیچ کر سویا۔ صبح ہوتے، ایک لمحے کو میری آنکھ کھلی، میں نے تکیے پر سے اپنا سر اٹھایا، نشاط میں ڈوبی ہوئی نظر چاروں طرف دوڑائی اور دوبارہ نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

۳

«آخر ان لوگوں سے جان‌پہچان کس طرح پیدا کی جائے؟» آنکھ کھلتے ہی یہ پہلا خیال دماغ میں کوند گیا۔ ناشتے سے پہلے میں باغ میں گیا لیکن میں نے احاطے کے گھیرے کے پاس پھٹکنے کی جرأت نہ کی اور مجھے کوئی نظر بھی نہ آیا۔ ناشتے کے بعد میں ان کے گھر کے سامنے سڑک پر ٹہلتا رہا۔ دور ہی سے میں کھڑکیوں کو گھورتا رہا... ایک بار تو مجھے ایسا لگا کہ پردے کے پیچھے اس کا چہرہ ابھرا اور میں گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ «لیکن اس سے ضرور جان‌پہچان پیدا کرنی چاہئے» نسکوچنی باغ کے سامنے ریت سے پٹی ہوئی زمین پر چہل قدمی کرتے ہوئے میں نے سوچا۔ «لیکن کیسے؟ یہی تو ایک مسئلہ ہے۔» پچھلے دن کی مڈبھیڑ کی ایک ایک تفصیل یاد آ رہی تھی۔ میری یادوں میں، اس کے ہنسنے کی تصویر سب سے زیادہ روشن تھی۔ اس وقت جبکہ میں اپنی ادھیڑ بن میں مبتلا منصوبے بنا رہا تھا، میری قسمت اپنی چال چل رہی تھی۔

جبب میں باهر تها تو میری اماں کو نئی پڑوسن کا ایک خط ملا جو بهورے کاغذ پر لکها گیا تها اور اس پر موم کی مہر لگائی گئی تهی جو عام طور پر ڈاک خانوں میں یا سستی شراب کی بوتلوں پر لگائی جاتی تهی — اسی خط میں، جو بهدی لکهائی میں لکها گیا تها اور جو گرامر کی بهونڈی غلطیوں سے بهرا پڑا تها، شہزادی نے اماں سے التجا کی تهی کہ وہ اس کی خاطر اپنا اثر استعمال کریں — اس نے لکها تها کہ میری اماں کے تعلقات بعض بارسوخ لوگوں سے اچهے هیں جن پر شہزادی اور اس کے بچوں کی قسمت کا دارومدار تها اور اس کے کئی اهم مقدمے عدالت میں تهے — «میں آپ سے التجا کرتی هوں» اس نے لکها تها «جس طرح ایک باعزت خاتون دوسری باعزت خاتون سے کرتی هے اور ساتهه هی مجهے اس کی مسرت هے — » اس نے اپنے خط کے آخر میں یہ درخواست کی تهی کہ اسے ملاقات کا شرف بخشا جائے — میں جب گهر کے اندر گیا تو دیکها کہ اماں کا پارہ بری طرح چڑها هوا هے — ابا باهر گئے هوئے تهے اور ان کو صلاح مشورہ دینے والا کوئی نہ تها — «ایک معزز خاندان کی خاتون» کو جواب نہ دینے کا تو خیر سوال هی نہ تها — مگر کیا جواب دیا جائے، یہ میری اماں کی سمجهه میں نہ آتا تها — فرانسیسی میں خط لکهنا اماں کو کچهه جچ نہیں رها تها اور روسی کی هجے میں وہ خود بهی کوئی ایسی بہت مضبوط نہ تهیں — وہ یہ جانتی تهیں اور اپنی قلعی کهلوانے کو تیار نہ تهیں — اسی لئے، جب میں آیا تو بہت خوش هوئیں اور فوراً مجهے شہزادی کے پاس بهیجا اور زبانی یہ پیغام دیا کہ اماں هر ممکن طرح سے خاتون محترم کے کام آنے میں مسرت محسوس کرینگی اور یہ کہ وہ بارہ اور ایک کے درمیان ان سے ملنے

کو تیار ھیں — اپنی چھپی ھوئی، دلی تمناؤں کو اتنی جلدی پورا ھوتے دیکھہ کر مجھے بڑی خوشی ھوئی لیکن ساتھہ ھی ایک گھبراھٹ بھی پیدا ھوئی — لیکن میں نے اپنی گھبراھٹ کو ظاھر نہ ھونے دیا اور ایک نئی ٹائی اور بند گلے کا کوٹ پہننے کے لئے اوپر چلا گیا — مجھے گھر پر، ایک جیکٹ اور جھکے ھوئے کالروں میں رھنا پڑتا تھا اور اس سے میرا جی بہت کڑھتا تھا —

٤

جب میں سر سے پاؤں تک کانپتے ھوئے میلے کچیلے اور خستہ حال ملاقات کے کمرے میں داخل ھوا تو وھاں میری ملاقات بھورے بالوں والے ایک دقیانوسی قسم کے خدمتگار سے ھوئی — اس کا رنگ تانبے کی طرح کالا تھا، اس کی آنکھیں بجھی بجھی، سور کی آنکھوں جیسی تھیں اوز اس کی بھوؤں اور کنپٹیوں کے اوپر اتنی گھری جھریاں تھیں کہ اس سے پہلے میں نے ایسی جھریاں نہیں دیکھی تھیں — اس کے ھاتھہ میں ایک پلیٹ تھی جس میں نمکین ھیرنگ مچھلیوں کا جھوٹا پڑا تھا، اس نے اپنے پیر سے کمرے کا دروازہ بند کرتے ھوئے کھرج دار آواز میں پوچھا :

«کیا چاھتے ھو؟»

«کیا شہزادی زاسیکینہ گھر پر موجود ھیں؟» میں نے پوچھا —

«وونی‌فاتی!» دروازے کے پیچھے سے ایک تھرتھراتی ھوئی نسوانی آواز آئی —

ایک لفظ کہے بغیر، ملازم اپنی ایڑیوں پر مڑا اور اس کی پھٹی پرانی وردی کی پشت سامنے آگئی جس پر اکلوتا زنگ آلود بٹن

ٹنکا ھوا تھا اور بٹن پر مہر ابھری ھوئی تھی — اس نے اپنی پلیٹ فرش پر رکھی اور چلتا بنا —

«کیا تم کوتوالی گئے تھے؟» اسی تھرتھراتی ھوئی آواز نے پوچھا — ملازم جواب میں کچھہ بڑبڑایا — «کیا کہا تم نے؟» آواز پھر آئی — «کوئی مجھہ سے ملنے آیا ھے؟ پڑوس والوں کے نوجوان صاحبزادے— اچھا، اندر لے آؤ — »

«براہ کرم ڈرائنگ روم میں تشریف لے جائیے» ملازم نے دوبارہ نمودار ھوتے ھوئے اور فرش پر سے پلیٹ اٹھاتے ھوئے کہا — میں نے ٹائی سیدھی کی اور «ڈرائنگ روم» میں چلا گیا —

میں اب ایک چھوٹے سے کمرے میں تھا — یہ کوئی بہت صاف ستھرا کمرہ نہ تھا — یہاں کا فرنیچر خستہ حال تھا اور ایسا لگتا تھا کہ اسے جلدی میں یونہی پٹک دیا گیا ھے — کھڑکی کے پاس کرسی پر جس کا ایک بازو ٹوٹا ھوا تھا، پچاس پچپن کی ایک عورت بیٹھی تھی — اس کا چہرہ معمولی اور سادہ سا تھا — اس کے سر پر رومال نہ تھا اور وہ ھرے رنگ کا پرانا لباس پہنے ھوئے تھی اور گردن میں ورسٹڈ کا شوخ رنگ کا رومال لپٹا ھوا تھا — اس کی چھوٹی چھوٹی کالی آنکھیں میرے اوپر گڑی ھوئی تھیں —

میں اس کے پاس گیا اور کورنش بجالایا —

«کیا مجھے اس وقت شہزادی زاسیکینہ سے بات کرنے کی عزت حاصل ھو رھی ھے؟»

«میں ھوں شہزادی زاسیکینہ — کیا تم مسٹر و— کے صاحبزادے ھو؟»

«جی ہاں مادام — میں اپنی اماں کا پیغام لے کر آیا ہوں — »

«کیا تم بیٹھوگے نہیں؟ وونی‌فاتی! میری کنجیاں کہاں ہیں؟ کیا تم نے دیکھی ہیں کہیں؟ »

میں نے شہزادی کو ان کے خط کے جواب میں اماں کا پیغام سنایا — اس نے کھڑکی پر اپنی موٹی سرخ انگلیوں کو بجاتے ہوئے میری بات سنی اور جب میں اپنی بات ختم کر چکا تو اس نے دوبارہ اپنی آنکھیں مجھه پر گاڑ دیں —

«بہت اچھا — میں ضرور آؤنگی » آخر اس نے کہا — «تم بہت کم سن معلوم ہوتے ہو! کیا عمر ہے تمہاری؟ »

«سوله » میری زبان لڑکھڑا گئی —

شہزادی نے چند چکنے کاغذ اپنی جیب سے نکالے جن پر کچھه لکھا ہوا تھا — ان کو آنکھه کے پاس لاتے ہوئے اس نے ان کو چھانٹنا شروع کیا —

«بڑی اچھی عمر ہے یه » اس نے اپنی کرسی پر اچانک کسمساتے ہوئے کہا — «تمہیں ہم سے تکلف نہیں برتنا چاهئے — ہم سب یہاں بہت ساده طبیعت کے لوگ ہیں — »

«بہت زیاده، ضرورت سے زیاده ساده » میں نے اندرونی بیزاری کے ساتھه اس کے ناگوار حلیے پر نظر دوڑاتے ہوئے سوچا —

ٹھیک اس وقت ڈرائنگ روم کے اندر ایک دوسرا دروازه کھلا اور وهی لڑکی جسے میں نے کل باغ میں دیکھا تھا دروازے میں نظر آئی — اس نے اپنا ہاتھه اٹھایا اور اس کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ دوڑ گئی —

«میری لڑکی » شہزادی نے دروازے کی طرف اپنی کہنی سے اشاره

کرتے ہوئے کہا — «زینا یہ ہمارے پڑوسی مسٹر و — کے صاحبزادے ہیں — ہاں بتانا، کیا نام ہے تمہارا ؟ »

«ولادیمیر» میں نے مارے جوش کے کرسی سے اٹھتے ہوئے اور قریب قریب ہکلاتے ہوئے جواب دیا —

«اور تمہارا خاندانی لقب؟ »

«پتروویچ — »

«ذرا دیکھنا! میں ولادیمیر پتروویچ نام کے ایک آدمی کو جانتی تھی جو پولیس کا اعلی افسر تھا — وونیفاتی، میری کنجیاں ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں — وہ تو یہیں میری جیب میں پڑی ہیں — »

نوجوان لڑکی، اپنی تمسخر آمیز مسکراہٹ کے ساتھہ، آنکھوں کو ایک ذرا میچتے ہوئے اور اپنے سر کو ایک طرف ہلکے سے ڈھلکاتے ہوئے، مجھے گھورے جا رہی تھی —

«میں موسیو وولدیمار کو ایک بار پہلے بھی دیکھہ چکی ہوں» اس نے کہنا شروع کیا — (اس کی چاندی کے گھنگھرووں کی طرح بجتی ہوئی آواز نے میرے دل کو جذبات اور جوش سے بھر دیا —) «میں تمہیں تمہارے نام سے مخاطب کر رہی ہوں — برا تو نہیں مانتے تم؟»

«کیوں، ہرگز نہیں!» میں نے لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے کہا —

«کہاں دیکھا تم نے؟» شہزادی نے پوچھا — نوجوان شہزادی نے اپنی ماں کو جواب نہیں دیا —

«کیا تم اس وقت کوئی خاص کام کر رہے ہو؟» اس نے میرے چہرے پر سے آنکھیں ہٹائے بغیر پوچھا —

«نہیں تو!»

«کیا تم اون کا گولہ کھولنے میں میری مدد کر سکتے ہو؟ آؤ میرے ساتھ —»

وہ اپنے سر کو ایک ہلکا سا جھٹکا دیتے ہوئے ڈرائنگ روم سے نکل گئی — میں اس کے پیچھے پیچھے چل دیا —

اب ہم جس کمرے میں داخل ہوئے، اس کے فرنیچر اتنے خستہ حال نہ تھے اور ان کو زیادہ سلیقے سے آراستہ کیا گیا تھا — ایسا تو نہیں تھا کہ اس وقت مجھے کسی چیز کو دیکھنے کا ہوش تھا — میں تو یوں چل پھر رہا تھا جیسے خواب میں ہوں — روحانی لطف و مسرت کا ایک شدید احساس میرے انگ انگ میں رس رہا تھا —

چھوٹی شہزادی بیٹھ گئی — اس نے لال اون کا ایک لچھا نکالا اور اپنے سامنے کی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بڑی احتیاط سے میرے پھیلے ہوئے ہاتھوں پر لچھے کو کھولنے لگی — اس نے یہ سب خاموشی سے اور انتہائی بے فکری اور اطمینان کی شان سے کیا — ایک پرسکون محرابی مسکراہٹ اس کے کھلے ہوئے ہونٹوں پر کھیل رہی تھی — اس نے اون کو ایک کارڈ پر لپیٹنا شروع کیا اور یکایک مجھے ایسی تیز اور برق پاش نظر سے دیکھا کہ بے اختیار میری آنکھیں جھک گئیں — جب اس کی آنکھیں، جو اکثر مچی ہوئی چھوٹی چھوٹی نظر آتی تھیں، ایک لمحے کو پھیل گئیں تو اس کا چہرہ بالکل بدل گیا — ایسا لگا کہ اس کے خد و خال یکایک دمک اٹھے ہیں —

«میں حیران ہوں، موسیو وولدیمار کہ کل تم نے میرے بارے میں کیا سوچا ہوگا؟» اس نے خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا — «میرا خیال ہے کہ تم نے مجھے بالکل ناپسند کیا ہوگا — »

«میں... شہزادی... میں نے کچھه بھی نہیں سوچا... میں بھلا کیوں کر کچھه سوچ سکتا تھا؟..» میں نے گڑبڑا کر جواب دیا —

«دیکھو! » اس نے کہا — «تم ابھی مجھے نہیں جانتے — میں ایک عجیب چیز ہوں — میں ہمیشه یه چاہتی ہوں که ہر شخص مجھه سے سچی بات کہے — میں نے تمہیں کہتے سنا که تمہاری عمر سوله برس ہے — میں اکیس برس کی ہوں — دیکھا تم نے که میں تم سے کتنی بڑی ہوں — اس لئے تمہیں مجھه سے ہمیشه سچ کہنا چاہئے... اور میرے کہے پر عمل کرنا چاہئے — » اس نے مزید کہا — «مجھے دیکھو، تم مجھه سے آنکھه برابر کیوں نہیں کرتے؟ »

میری گھبراہٹ اور بھی بڑھه گئی — میں نے بہر حال اس کی آنکھوں سے آنکھیں ملائیں — وہ مسکرائی، لیکن پہلے کی طرح نہیں — ابکے اس میں پسندیدگی کی جھلک تھی —

«ہاں ہاں، اسی طرح مجھے گھورتے رہو! » اس نے اپنی آواز کو مدھم بناتے ہوئے کہا — «میں برا نہیں مانتی — مجھے تمہارا چہرہ اچھا لگتا ہے — مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے که ہم آگے چل کر دوست بن جائینگے — کیا میں تمہیں اچھی لگتی ہوں؟ » اس نے بڑی شرارت‌آمیز شوخی کے ساتھه کہا —

«شہزادی... » میں نے کہنا شروع کیا —

«پہلی بات تو یه که تم مجھے زینائیدا الیکساندروونا کہو اور دوسری یه که میں بچوں کا —— نوجوانوں کا (اس نے خود اپنی اصلاح کی) یه طریقه برداشت نہیں کرسکتی که وہ جو کچھه سوچیں سیدھے سیدھے بیان نه کریں — یه باتیں بڑے لوگوں کے لئے چھوڑ دو — میں تمہیں اچھی لگتی ہوں نا؟ »

گرچہ اس کی صافگوئی سے مجھے خوشی ہوئی پھر بھی مجھے اس سے صدمہ پہنچا — اس پر یہ جتانے کی بیقراری میں کہ میں کوئی بچہ نہیں ہوں میں نے بےتکلفی کے بھاری بھرکم انداز میں کہا :

«تم مجھے اچھی لگتی ہو، زینائیدا الیکساندروونا — یہ حقیقت بتانے میں مجھے ذرا جھجھک نہیں...»

اس نے ہولے ہولے میری طرف اپنا سر ہلایا —

«کیا تمہارا کوئی اتالیق ہے؟» اس نے یکایک پوچھا —

«نہیں — ایک زمانے سے میرا کوئی اتالیق نہیں —» یہ سفید جھوٹ تھا کیونکہ اپنے فرانسیسی اتالیق سے چھٹکارا حاصل کئے ہوئے مشکل سے ایک مہینہ گزرا تھا —

«اوہ دیکھتی ہوں کہ تم تو خاصے بڑے ہو —»

اس نے ہلکے سے میری انگلیوں کو تھپتھپایا — «اپنے بازو سیدھے رکھو!» اور اس نے بڑے انہماک سے اون کو لپیٹنا شروع کر دیا —

وہ نیچے اپنے کام پر نگاہیں جمائے ہوئے تھی — اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے اس کو غور سے دیکھنا شروع کیا — پہلے تو چوری چوری اور پھر جسارت کے ساتھ — اس کی صورت پچھلے دن سے بھی زیادہ من موہنی لگی — اس کے خطوط اتنے نازک تھے، نرم نرم، اتنے ذہین اور پیارے — وہ کھڑکی کی طرف اپنی پشت کئے بیٹھی تھی جس پر ایک سفید پردہ پڑا ہوا تھا — دھوپ کی ایک کرن، پردے کو چیرتی ہوئی اس کے پھولے پھولے سے سنہرے بالوں پر، اس کی معصوم گردن پر، اس کے جھکے ہوئے گول شانوں پر، اس کے نرم نرم سے پرسکون سینے پر کھیل رہی تھی — میں نے اس

پر نظر ڈالی اور وہ مجھے کتنی قریب اور کتنی مانوس سی معلوم ہوئی— مجھے ایسا لگا کہ میں اسے صدیوں سے جانتا ہوں، اور اس سے ملنے سے پہلے مجھے کچھہ بھی معلوم نہ تھا، اس سے پہلے میں صحیح معنی میں زندہ نہ تھا... وہ ایک قدرے پرانا سیاہ لباس پہنے ہوئے تھی — اس کے اوپر ایک اپرن بھی تھا— مجھے ایسا لگا، جیسے میرا دل اس کے لباس اور اپرن کی ایک ایک شکن کو چھونے کے لئے مچل رہا ہو— اس کے لباس کے نیچے سے اس کے جوتوں کے پنجے جھانک رہے تھے— میں شوق سے ان جوتوں پر سجدے میں گرکر ان کی پوجا کرنے کو تیار تھا... «اور یہ رہا میں» میں نے سوچا «اس کے سامنے بیٹھا ہوا... میں نے اس سے جان پہچان حاصل کر لی ہے... یا خدا! یہ کیسی روحانی مسرت کا لمحہ ہے!» میں بےخودی میں قریب قریب اپنی کرسی سے اچھل پڑا — لیکن میں نے خود کو وقت پر روک لیا اور اپنی کرسی میں ادھر سے ادھر کسمسا کر رہ گیا اس بچے کی طرح جسے کھانے کو کچھہ مزیدار چیز مل گئی ہو—

میں پانی میں تیرتی ہوئی مچھلی کی طرح مگن تھا اور میرا جی چاہا کہ اس کمرے میں، اس کرسی پر، ہمیشہ ہمیشہ اسی طرح بیٹھا رہوں —

جھکی ہوئی پلکیں آہستہ آہستہ اٹھیں اور اس کی جگمگاتی ہوئی آنکھوں نے لطف و کرم کی روشنی مجھہ پر برسائی اور پھر وہ مسکرائی —

«تم کس طرح دیکھتے ہو مجھے!» اس نے میری طرف اپنی انگلی اٹھا کر دھمکاتے ہوئے آہستہ سے کہا —

میرا منہ سرخ ہوگیا — «وہ سب سمجھتی ہے — وہ سب دیکھتی ہے —» میرے دماغ میں گونج گیا — «اور وہ سب کچھہ دیکھے اور بوجھے بغیر کیسے رہ سکتی ہے؟»

یکایک دوسرے کمرے میں ایک آواز ابھری ـــــ ایک تلوار کی جھنکار ـــ

«زینا!» ڈرائنگ روم سے شہزادی کے چلانے کی آواز آئی ـ «بیلوزوروف تمہارے لئے ایک بلی لایا ہے ـ ـ»

« بلی! » زینائیدا کے منہ سے نکلا ـ وہ اپنی کرسی سے اچھلی اور اون کا گولہ میری گود میں پھینک کر کمرے سے نکل گئی ـ

میں بھی اٹھا اور اون کو کھڑکی پر رکھتے ہوئے ڈرائنگ روم میں چلا گیا اور حیران اور چپ کھڑا رہا ـ کمرے کے بیچوں بیچ ، اپنے چاروں پنجے نکالے ہوئے، ایک گلہریا بلی کھڑی تھی ـ زینائیدا گھٹنوں کے بل بیٹھی اس پر جھکی ہوئی نرمی سے اس کے سر کو اٹھائے ہوئے تھی ـ بوڑھی شہزادی کے پاس، جو کھڑکیوں کے درمیان پوری جگہ گھیرے ہوئے تھی، ایک نوجوان ہسار فوجی کھڑا تھا ـــــ سنہرے، گھنگھریالے بال، سرخ و سفید چہرہ اور ابھری ابھری آنکھیں ـ

«ہائے کتنی بھولی سی جان ہے یہ! » زینائیدا چیخی ـ «اس کی آنکھیں بھوری نہیں سبز ہیں اور دیکھو کیسے بڑے بڑے کان ہیں اس کے! شکریہ، وکٹر یگورچ! تم بڑے پیارے آدمی ہو! »

ہسار (میں نے پہچان لیا یہ وہی تھا جسے میں نے پچھلے دن دیکھا تھا) مسکرایا اور جھکا ـ اس کی مہمیزیں کھٹ سے ٹکرائیں اور نیام کے گھنگھرو بج اٹھے ـ

«کل تم نے کہا تھا کہ تم بڑے بڑے کانوں والی ایک گلہریا بلی چاہتی ہو ـــــ اور میں نے ڈھونڈ نکالی ایک بلی ـ تمہارا ہر لفظ میرے لئے حکم کا درجہ رکھتا ہے ـ ـ» نوجوان ایک بار پھر جھکا ـ

بلی نے آهسته سے میاؤں میاؤں کی اور فرش کو سونگھنے لگی—

«بھوکی هے!» زینائیدا بولی— «وونیفاتی! سونیا! تھوڑا سا دودھ لاؤ!»

ایک نوکرانی، پرانے پیلے کپڑوں میں، اندر آئی—اس کی گردن میں بندھے هوئے رومال کا رنگ بالکل اڑ گیا تھا—اس کے هاتھ میں دودھ کی پیالی تھی—اس نے پیالی بلی کے سامنے رکھ دی—بلی چونکی، اس نے اپنی آنکھیں میچ لیں، اور پھر دودھ چاٹنے لگی—

«اس کی زبان کتنی گلابی هے!» زینائیدا نے اپنا سر قریب قریب فرش تک جھکاتے هوئے اور بلی کے گال کے پاس منه لےجا کر ترچھی آنکھوں سے جھانکتے هوئے کہا—

بلی نے پیٹ بھر کے دودھ پیا اور خرخرانا اور بڑی متانت سے اپنے پنجوں کو نیچے سے اوپر اور اوپر سے نیچے لانا لے جانا شروع کیا—زینائیدا اٹھی اور اپنی نوکرانی کی طرف مڑی— «لے جاؤ اسے» اس نے بےنیازی سے کہا—

«تمہارا هاتھ —— بلی کے نام پر» هسار نے مسکراتے هوئے کہا—اس کا بھاری بھرکم جسم کسی کسائی نئی وردی میں کسمسا رها تھا—

«دونوں!» زینائیدا نے جواب دیا اور اپنے دونوں هاتھ اس کی طرف بڑھا دئے—جب وہ ان هاتھوں کو چوم رها تھا تو اس نے اس کے کندھے کے اوپر سے مجھے دیکھا—

میں بے حس وحرکت کھڑا تھا—میری سمجھ میں نه آتا تھا کہ کیا کروں —— قہقہه لگاؤں، کوئی فقرہ چست کروں یا خاموش

رهوں -- یکایک، گلیارے میں دروازہ کھلا اور همارا خدمتگار فیودر مجھے اشارہ کرتا هوا نظر آیا -- میں میکانکی طور پر اس کے پاس گیا--

«کیا هے؟» میں نے پوچھا --

«تمھاری ممی تمہیں یاد کر رهی هیں» اس نے کان میں کہا -- «وہ تم سے ناراض هیں کہ تم اب تک جواب لے کر نہیں آئے --»

«کیوں میں یہاں کتنی دیر سے هوں؟»

«ایک گھنٹے سے زیادہ هوا--»

«ایک گھنٹے سے زیادہ!» میں نے بےاختیار دهرایا اور ڈرائنگ روم میں واپس جا کر، میں نے جھک جھک کر کورنش بجا لایا اور رخصت چاهی --

«کہاں جا رهے هو تم؟» هسار کے کندھے پر سے مجھے ایک نظر دیکھتے هوئے چھوٹی شہزادی نے مجھ سے پوچھا --

«مجھے گھر جانا هے -- تو میں اماں سے کہدوں» میں نے بوڑھی شہزادی کی طرف مڑتے هوئے کہا «ایک بجے کے بعد آپ کا انتظار کیا جائے --»

«هاں جناب ان سے یہی کہہ دیجئے --»

بوڑھی شہزادی نے اپنی ناس کی ڈبیہ جلدی جلدی نکالی اور چٹکی بھر ناس اتنی گھن گرج کے ساتھ سڑک گئی کہ میں بھونچکا رہ گیا --

«هاں ان سے یہی کہہ دو» اس نے آنسوؤں سے بھری هوئی آنکھوں کو مٹمٹاتے اور کھنکھارتے هوئے کہا --

میں دوسری بار جھکا، ایڑیوں پر گھوما اور کمرے سے باهر نکل گیا -- مجھے اپنی پشت میں وهی بےتکی چبھن محسوس هو رهی

تھی جس سے ہر وہ نوجوان مانوس ہے جو یہ جانتا ہے کہ آنکھیں اس کا تعاقب کر رہی ہیں۔

«دیکھنا، موسیو وولدیمار، پھر آنا اور ہم سے ملنا» زینائیدا ایک اور قہقہے کے ساتھ چلائی۔

«وہ اس قدر ہنستی کیوں ہے؟» فیودر کے ہمراہ گھر کی طرف چلتے ہوئے میں نے سوچا۔ فیودر منہ سے تو کچھ نہ پھوٹا مگر یہ صاف ظاہر تھا کہ وہ میرے پیچھے پیچھے ناپسندیدگی کے ساتھ چل رہا تھا۔ میری اماں نے مجھے ڈانٹ پلائی اور اس پر حیرانی کا اظہار کیا کہ اتنی دیر تک آخر میں شہزادی کے یہاں کیا کرتا رہا۔ میں نے کوئی جواب نہ دیا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اچانک مجھ پر ایک عجیب سی اداسی چھا گئی۔ میں نے اپنے آنسو پینے کے سارے جتن کئے ـــــ میں حسد سے جل رہا تھا!

۵

شہزادی، اپنے وعدے کی پکی، میری اماں سے ملنے آئی اور... ان کو ایک ذرا نہ بھائی۔میں اس ملاقات کے وقت موجود نہ تھا۔ لیکن میں نے کھانے کی میز پر اماں کو ابا سے کہتے سنا کہ شہزادی زاسیکینہ *une femme très vulgaire نظر آئی اور یہ کہ اس نے شہزادہ سرگئی سے سفارش کی التجا کر کر کے ناک میں دم کر دیا، ـــــ **de vilaines affaires d'argent ـــــ اور یہ کہ بڑی

---

* بڑی ہی گھٹیا عورت۔

** وہ مقدموں اور جھگڑوں میں گردن تک دفن ہے۔

پکی قسم کی ساز باز والی عورت معلوم ھوتی ھے — پھر میری اماں نے کہا کہ بھر حال انہوں نے اس کو اور اس کی لڑکی کو اگلے دن کھانے پر بلا لیا ھے (جب میں نے یہ الفاظ «اور اس کی لڑکی» سنے تو میں نے اپنا سر پلیٹ پر جھکا لیا) اس لئے کہ چاھے کچھہ بھی ھو تھیں تو پڑوسنیں اور پھر کچھہ عزت اور نام رکھتی تھیں — ان سب باتوں کے جواب میں میرے ابا نے صرف اتنا کہا کہ اب ان کو یاد آگیا کہ یہ خاتون ھیں کون — اپنی جوانی کے زمانے میں وہ مرحوم شہزادہ زاسیکین کو جانتے تھے — وہ بڑا شایستہ مگر نکھٹو اور بیوقوف آدمی تھا — پیرس میں ایک عرصے تک زندگی بسر کرنے کی وجہ سے سوسائٹی میں اس کو «le Parisien» * کے نام سے یاد کیا جاتا تھا — ایک زمانے وہ بڑا امیر اور دولت‌مند تھا مگر اس نے اپنی ساری دولت جوے میں گنوا دی — اور تب اس نے، کسی وجہ سے، غالباً روپے کی خاطر —— کسی عدالت کے ادنی ملازم کی لڑکی سے شادی کر لی — حالانکہ وہ بہتر انتخاب بھی کر سکتا تھا (یہاں میرے ابا کے ھونٹوں پر ایک زھر بھری ٹھنڈی مسکراھٹ ابھری) — پھر اسے سٹےبازی کی چاٹ پڑ گئی اور آخر اس نے خود کو تباہ وبرباد کر لیا —

«خدا کرے کہ روپیہ ادھار نہ مانگے» اماں نے کہا —

«اگر وہ ایسا کرے تو مجھے کوئی تعجب نہ ھوگا» میرے ابا نے آھستہ سے کہا — «کیا وہ فرانسیسی بولتی ھے؟»

«بہت بری —»

---

* پیرسیا —

«ہوں — لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ میرا خیال ہے تم نے یہ کہا کہ تم نے اس کی لڑکی کو دعوت دی ہے — کسی نے مجھے بتایا کہ وہ ایک اچھی لڑکی ہے اور خوب تعلیم یافتہ — »

«اگر ایسا ہے تو وہ اپنی ماں پر نہیں پڑی ہے — »

«نہ اپنے باپ پر» ابا نے جواب دیا — «اس لئے کہ وہ تعلیم یافتہ ضرور تھا مگر تھا نرا احمق — »

اماں خاموش ہو گئیں اور کسی سوچ میں گم ہو گئیں — ابا اور کچھ نہ بولے — اس پوری گفتگو کے دوران میں مجھے بڑی کوفت ہوتی رہی —

کھانے کے بعد میں باغ میں گیا لیکن بندوق لئے بغیر — میں نے عہد کیا تھا کہ میں «زاسیکین باغ» کے پاس نہیں پھٹکونگا — لیکن ایسا محسوس ہوا کہ کوئی بے پناہ قوت مجھے اس طرف کھینچے لئے جا رہی ہے — اور یہ کشش بے وجہ نہ تھی — ابھی میں احاطے کے جنگلے کے پاس ہی پہنچا تھا کہ مجھے زینائیدا دکھائی دی — اس مرتبہ وہ اکیلی تھی — اس کے ہاتھہ میں ایک کتاب تھی اور وہ راستے پر چہل قدمی کر رہی تھی — اس نے مجھے نہیں دیکھا —

پہلے تو میں نے اسے اپنے پاس سے گزر جانے دیا لیکن وقت پر میں نے خود کو سنبھالا اور کھانس کر اپنی موجودگی کا اعلان کیا —

وہ رکے بنا مڑی اور صرف اپنی تنکوں کی گول ٹوپی کا چوڑا اور نیلا فیتہ ایک طرف ہٹایا اور کتاب کے ورق پر دوبارہ اپنی نظریں جمانے سے پہلے، میری جانب دیکھتے ہوئے ہلکے سے مسکرائی — میں نے پنی ٹوپی اتاری، تھوڑی دیر تک یونہی مارا پھرتا رہا اور ایک

اداس دل کے ساتھه وہاں سے ہٹا — * «Que suis-je pour elle?» میں نے اپنے آپ سے فرانسیسی میں کہا (خدا جانے کیوں) —

میرے پیچھے قدموں کی مانوس آہٹ ابھری — میں مڑا اور دیکھا کہ ابا حسب معمول تیز اور سبک قدم اٹھاتے ہوئے میری طرف چلے آ رہے ہیں —

«کیا وہ شہزادی کی لڑکی تھی؟» انہوں نے پوچھا —

«ہاں —»

«تو تم اس کو جانتے ہو؟»

«آج صبح میں نے اس کو اس کی ماں کے گھر دیکھا تھا —»

میرے ابا رکے، تیزی سے اپنی ایڑیوں پر مڑے اور واپس چلے گئے — جب وہ زینائیدا کے برابر آئے تو بڑے اخلاق سے جھکے — جواب میں وہ بھی جھکی لیکن ساتھه ہی اس کے چہرے پر کچھه حیرانی کی کیفیت پیدا ہوئی اور اس کی کتاب نیچے آ رہی — میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھیں ان کا تعاقب کر رہی ہیں — میرے ابا ہمیشہ سے خوش پوش اور جامہ زیب تھے — وہ بہت سادہ کپڑے پہنتے تھے اور اس سلسلے میں ان کا حسن مذاق انہی کا حصہ تھا — لیکن اس سے پہلے کبھی وہ اتنے جامہ زیب اور پرکشش نظر نہیں آئے تھے — اور نہ ان کی بھوری ٹوپی کبھی اس سے پہلے ان کے اڑتے ہوئے بالوں پر اتنے بانکپن سے جمی تھی —

میں نے زینائیدا کی طرف دو تین قدم اٹھائے — لیکن اس نے مجھے آنکھه اٹھاکر بھی نہ دیکھا اور اپنی کتاب اٹھا کر چلتی بنی —

---

* آخر میں اس کا ہوں کون؟

پوری شام اور اگلی صبح میں نے ایک اذیت ناک بدحواسی میں گزاری — مجھے یاد ہے کہ میں نے کام کرنے کی کوشش کی اور کئیدانوف کی کتاب پڑھنے کی کوشش کی لیکن اس مشہور نصابی کتاب کے صفحے بیکار ھی میری آنکھوں میں جھلملاتے رہے — میں نے کم از کم دس بار یہ الفاظ پڑھے «جنگ میں اپنی بہادری اور جانفروشی کی وجہ سے جولیس سیزر کی بڑی دھوم تھی» اور جب میں نے دیکھا کہ مجھے ان کے اور چھور کا کچھھ اتہ‌پتہ نہیں چلتا تو آخر میں نے کتاب رکھھ دی — ٹھیک کھانے سے پہلے میں نے اپنے بالوں میں باربار پومیڈ ملا اور اپنا سوٹ پہنا اور ٹائی لگائی —

«یہ سب کس کی خاطر؟» اماں نے پوچھا — «تم اب تک طالب علم نہیں بنے ھو اور کون جانے تم امتحان میں پاس بھی ھو گے یا نہیں — دوسرے تمہارا جیکٹ بالکل نیا ھے — کیا اسے اتار پھینکنے کا ارادہ ھے؟»

میں نے انتہائی بے بسی کے عالم میں آھستہ سے کہا «لیکن ھمارے ھاں کھانے پر مہمان جو آ رہے ھیں — »

«بکواس ! ارے ان مہمانوں کو پوچھتا کون ھے!»

سر تسلیم خم کرنے کے سوا چارہ کیا تھا — میں نے جیکٹ پہن لیا مگر ٹائی نہیں اتاری — شہزادی اور ان کی لڑکی کھانے سے کوئی آدھا گھنٹہ قبل آ گئیں — بوڑھی عورت نے اپنے ھرے لباس پر، جس سے میں مانوس ھو چکا تھا، ایک پیلا شال اوڑھھ رکھا تھا اور سر پر پرانی وضع کی بے چھت والی شعلہ گوں دقیانوسی ٹوپی فیتے سے بندھی ھوئی تھی— اس نے فوراً ھی ھنڈیوں کے موضوع پر گہرا فشانی

شروع کر دی — وہ ٹھنڈی سانس بھرتی، اپنی غربت کا دکھڑا روتی اور ٹسوے بہاتی رہی — لیکن اس میں شہزادی ھونے کا کوئی غرور نہ تھا — وہ زور شور سے ناک میں نسوار چڑھاتی رھی اور اپنی کرسی میں بے پروائی اور بے تکلفی سے کسمساتی اور پہلو بدلتی رھی جیسے اپنے گھر براجمان ہو — ایسا لگتا تھا کہ اسے اپنے شہزادی ہونے کا ذرا پاس نہیں — دوسری طرف زینائیدا بڑی متانت اور رکھہ رکھاؤ کے ساتھہ لئے دئے بیٹھی تھی — پور پور شہزادی بنی ہوئی — اس کے چہرے سے ایک سرد مہر سختی اور سنجیدگی ٹپک رھی تھی اور میں مشکل سے اسے پہچان سکا — اس کی مسکراھٹ اور نگاہ بھی بدلی ھوئی تھی — لیکن اس نئے روپ میں بھی وہ میری نظر میں کچھہ کم دلکش نہ تھی — وہ ایک ھلکے رنگ کا لباس زیب تن کئے ھوئے تھی جس پر پیلے اور نیلے گل بوٹے بنے ھوئے تھے — اس کے بال لمبی لمبی لٹوں میں اس کے چہرے کے دونوں طرف لٹک رھے تھے، بالکل انگریزی انداز سے — یہ انداز اس کے چہرے پر خوب پھب رہا تھا جس سے سرد مہری کے جذبات ٹپک رھے تھے — کھانے کے دوران میں ابا اس کے پہلو میں بیٹھے اپنے شائیستہ اور خاموش حسن اخلاق سے اس کی خاطر تواضع کرتے رھے — باربار وہ اس کے چہرے کو دیکھتے اور وہ ان کے چہرے کو — اور ان نگاھوں میں کچھہ عجیب بات تھی — کچھہ بپھری بپھری کیفیت! دونوں فرانسیسی زبان میں بات کر رھے تھے — مجھے یاد ھے کہ میں زینائیدا کے پاک اور صاف تلفظ سے بہت متاثر ھوا — بوڑھی شہزادی میز پر اسی آزادی اور بے تکلفی سے کام لے رھی تھی جس کا مظاھرہ وہ پہلے کر چکی تھی — وہ بالکل «خانہ بے تکلف» کی شان

سے دندناتی نظر آ رہی تھی۔ اس نے خوب ڈٹ کر کھایا اور کھانے کی خوب داد دی۔ اماں اس سے کچھ اکتائی اکتائی نظر آ رہی تھیں اور اس کی باتوں کا جواب ایک دل گیر حقارت اور بے پروائی سے دے رہی تھیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر پر ابا کے جسم میں قریب قریب غیر محسوس سی جھر جھری دوڑ جاتی۔ اماں نے زینائیدا کی بھی پروا نہ کی۔ «مغرور چھوکری!» دوسرے دن انہوں نے کہا۔ «میں جاننا چاہتی ہوں کہ آخر کاھے کا دماغ ہے اسے... avec sa mine de grisette! *»

«ظاہر ہے کہ تم نے زندگی میں کبھی دل پھینک لڑکی نہیں دیکھی ہے» ابا نے کہا۔

«خدا کا شکر ہے کہ نہیں دیکھی!»

«خدا کا شکر ہے واقعی... لیکن اگر ایسا ہے تو تمہیں ان کے بارے میں رائے دینے کا کوئی حق نہیں۔»

زینائیدا نے میری طرف کوئی توجہ نہ کی۔ کھانے کے بعد جلد ھی اس کی ماں نے رخصت چاھی۔

«تو۔ ماریا نکولائونا اور پیوتر وسیلئیوچ میں اس پر تکیہ کر سکتی ہوں کہ آپ میرے کام آئینگے» اس نے اماں اور ابا دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے گنگناتی ہوئی آواز میں کہا۔ «ہونی کو کیا کہئے! میں نے اچھے دن بھی دیکھے ہیں اور اب وہ دن جا چکے۔ اور یہ رہی میں۔ معزز خاتون، جی!» اس نے ایک ناخوشگوار ہنسی کے ساتھہ اپنی بات پوری کی «عزت کس کام کی جب کھانا میسر نہ ہو۔»

---

* دل پھینک لڑکی کے خد و خال سے۔

میرے ابا تعظیماً جھکے اور کمرے کے دروازے تک چھوڑنے گئے – میں وہاں اپنے چھوٹے سے جیکٹ میں زمین پر نظریں گاڑے کھڑا تھا جیسے مجھے موت کی سزا سنا دی گئی ہو– زینائیدا کے برتاؤ نے مجھے بالکل کچل کر رکھھ دیا تھا – اب ذرا میری اس وقت کی حیرت کا اندازہ لگائیے جب اس نے میرے پاس سے گزرتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں جلدی سے، اپنی آنکھوں میں وہی نرم دلی بھری مسکراہٹ پیدا کرتے ہوئے کہا «آؤ اور آج شام کو آٹھ بجے ہم سے ملو—– یاد رہے– ہاں...» میں تعجب کے ساتھ اپنے ہاتھوں کو جھٹکنے کے سوا اور کچھھ نہ کر سکا—– لیکن وہ تو اپنے سر پر ایک سفید رومال باندھتی ہوئی نظر سے اوجھل ہو چکی تھی –

۷

ٹھیک آٹھ بجے، میں اپنا بند گلے کا کوٹ زیب تن کئے، اپنے بالوں کے گچھے کو سر کے اوپر جمائے، اس گھر کے ملاقات کے کمرے میں داخل ہوا جس میں شہزادی رہتی تھی– بوڑھے ملازم نے افسردہ نظروں سے مجھے دیکھا اور جھجکتے ہوئے اس بنچ سے اٹھا جس پر وہ بیٹھا ہوا تھا – ڈرائنگ روم سے خوش و خرم آوازوں کی چہچہاہٹ سنائی دے رہی تھی– میں نے دروازہ کھولا اور مارے حیرانی کے ایک قدم پیچھے لوٹ گیا – کمرے کے بیچوں بیچ، ایک کرسی پر چھوٹی شہزادی کھڑی تھی، اور اس کے ہاتھھ میں ایک مردانی ٹوپی تھی – پانچ مرد کرسی کے چاروں طرف گھیرا ڈالے کھڑے تھے – وہ سب کے سب ٹوپی کے اندر ہاتھھ ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے اور وہ اس کو ہلاتی ہوئی ان سب کی پہنچ

سے باہر رکھنے کی کوشش کر رہی تھی — مجھے دیکھ کر وہ چلائی «رک جاؤ، رک جاؤ! یہ رہا ایک نیا مہمان — اس کا ٹکٹ بھی ہونا چاہئے —» وہ بڑی نرمی سے کرسی سے اٹھی اور میرے کوٹ کی آستین پکڑ لی — «آؤ، آؤ» اس نے کہا «وہاں کھڑے مت رہو — Messieurs آپ اجازت دیں کہ میں آپ کا ایک دوسرے سے تعارف کرا دوں — یہ ہیں موسیو وولدیمار، ہمارے پڑوسی کے صاحبزادے — اور یہ ہیں» اب وہ میری طرف مڑی اور یکے بعد دیگرے مہمانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی «کاؤنٹ مالیوسکی، ڈاکٹر لوشین، شاعر مئیدانوف، پینشن یافتہ کپتان نرماتسکی اور ہسار فوجی بیلوزوروف —— تم ان سے پہلے ہی مل چکے ہو — مجھے امید ہے کہ تم سب دوست بن جاؤ گے —»

میں کچھ ایسا بوکھلایا ہوا تھا کہ کورنش بجا لانا بھی یاد نہ رہا — ڈاکٹر لوشین کو میں نے پہچان لیا — جناب وہی تھے جنہوں نے اس بے رحمی سے باغ میں میرا مذاق اڑایا تھا — باقی سارے لوگ اجنبی تھے میرے لئے —

«کاؤنٹ!» زینائیدا نے کہا «موسیو وولدیمار کا پرچہ بھی لکھ دو —»

«اس کی سہی نہیں» کاؤنٹ نے ذرا پولش لہجے میں کہا — وہ خوبصورت اور چھیل چھبیلا، سانولی رنگت کا آدمی تھا — اس کی بھوری آنکھیں بولتی ہوئی سی تھیں — اور ناک سپید اور پتلی تھی — اس کے انتہائی چھوٹے سے دہن کے اوپر مونچھیں بڑی صفائی سے کٹی ہوئی تھیں — «بھئی آپ نے ہمارے ساتھ تاوان والا کھیل تو کھیلا نہیں —»

«هاں بھئی یہ انصاف کی بات نہیں! انصاف کی بات نہیں! »
بیلوزوروف اور اس شخص نے صدائے بازگشت کی طرح یہ الفاظ دھرائے — اس شخص کی عمر، جسے پینشن یافتہ کپتان کہہ کر مجھہ سے ملایا گیا تھا، کوئی چالیس برس ہوگی — اس کا چہرہ، چیچک کے گھنے داغوں سے پٹا ہوا تھا — اس کے بال حبشیوں کی طرح گھنگھریالے تھے، شانے گول اور گھٹنے ذرا دور دور پھیلے ہوئے تھے — وہ ایک فوجی کوٹ پہنے ہوئے تھا جس کے بٹن کھلے ہوئے تھے اور فوجی نشان سے محروم —

«میں کہتی ہوں ان کا پرچہ بناؤ» شہزادی نے دھرایا — «میں سرکشی نہیں چاھتی! موسیو وولدیمار کا ھمارے ساتھہ یہ پہلا دن ھے اور ان کے حق میں قانون میں ذرا سی لچک پیدا کی جا سکتی ھے — بڑبڑانا بند کرو اور اب ویسا ھی کرو جیسا میں کہتی ھوں! »

کاؤنٹ نے اپنے شانے جھٹکے، لیکن سر تسلیم خم کرتے ہوئے اس نے اپنی انگوٹھیوں بھری سفید انگلیوں سے قلم اٹھایا اور کاغذ کا ایک پرچہ پھاڑکر اس پر لکھنا شروع کر دیا —

« کیا آپ ، کم از کم، ھمیں اس کی اجازت دینگی کہ ھم موسیو وولدیمار کو قانون سمجھا دیں؟ » لوشین نے تمسخر آمیز آواز میں پوچھا «وہ کچھہ بالکل بوکھلائے ھوئے سے نظر آ رھے ھیں — اے نوجوان، ھم تاوان والا کھیل کھیل رھے ھیں — شہزادی پر جرمانہ ھوا ھے — اور جس کے نام خوش نصیبی کا پرچہ نکلیگا وہ شہزادی کا ھاتھہ چومنے کا حقدار ھوگا — کیا میری بات صاف صاف سمجھہ میں آ گئی؟ »

میں صرف اسے گھورتا رہا اور وہاں یوں کھڑا رہا جیسے مجھ پر بجلی گر پڑی ہو— ایک بار پھر شہزادی اچھل کر کرسی پر چڑھ گئی اور ٹوپی کو ہلانے لگی— ہر شخص ٹوپی میں ہاتھ ڈالنے کے لئے بڑھا— ان میں میں بھی تھا—

«مئیدانوف» شہزادی نے ایک لمبے تڑنگے، ستے ہوئے چہرے، چھوٹی چھوٹی چندھی آنکھوں اور لمبے لمبے کالے بالوں والے نوجوان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا «تم شاعر ہو، تمہیں وسیع القلبی کا مظاہرہ کرنا چاہئے اور اپنا پرچہ بھی موسیو وولدیمار کو دے دینا چاہئے تاکہ ان کو ایک کے بجائے دو موقعے مل جائیں—»

لیکن مئیدانوف نے اپنے بالوں کو پیچھے کی طرف پھینکتے ہوئے اصرف اپنا سر ہلایا— میں نے سب کے بعد اپنا ہاتھ ٹوپی میں ڈالا ور اپنا پرچہ نکال لیا اور اسے کھولا— ذرا اندازہ کیجئے اس وقت میرے جذبات کا کیا حال ہوا ہوگا جب میں نے اس پر لفظ «پیار» لکھا ہوا دیکھا!

«پیار!» میں بے اختیار چیخ اٹھا—

«شاباش! وہ جیتا!» فوراً شہزادی چلائی— «میں کتنی خوش ہوں!» کرسی سے اترتے ہوئے، اس نے مجھے ایسی میٹھی اور پرسکون مسکراہٹ بھری نظروں سے دیکھا کہ اندر ہی اندر دل مچل کر رہ گیا— «کیا تم خوش ہو؟»

«میں؟» میرے منہ سے بس اتنا ہی نکلا—

«تم اپنا پرچہ میرے ہاتھ بیچ دو» بیلوزوروف نے میرے کان میں کہا— «میں سو روبل دے دونگا—»

میں نے ھسار کو ایسی زھر میں بجھی ھوئی نظر سے دیکھا کہ زینائیدا تالیاں بجانے لگی اور لوشین کے منہ سے نکلا: «شاباش!»

«لیکن» لوشین بولا «صاحب تقریب ھونے کی حیثیت سے میں اس پر اصرار کرتا ھوں کہ قانون کی پوری پوری پابندی کی جائے — موسیو وولدیمار اپنے گھٹنوں پر جھک جاؤ! ھماری یہی ریت ھے!»

زینائیدا میرے سامنے کھڑی تھی، اس کا سر ایک طرف کو جھکا ھوا تھا —— جیسے وہ مجھے زیادہ بہتر طریقے سے دیکھنا چاھتی ھو — اس نے پوری سنجیدگی سے اپنا ھاتھہ میری طرف بڑھایا — میری آنکھیں دھندلا گئیں — میں ایک گھٹنے پر جھکنا چاھتا تھا لیکن دونوں گھٹنوں پر گر پڑا اور زینائیدا کی انگلیوں کو اتنے بے ھنگم پن سے چھوا کہ اس کے ناخن سے میری ناک پر خراش پڑ گئی —

«بس» لوشین نے اٹھنے میں میری مدد کرتے ھوئے کہا —

تاوان والا کھیل چالو رھا — زینائیدا نے مجھے اپنے پاس بٹھا لیا — وہ کیا کیا سزائیں گھڑتی تھی! ان میں سے ایک خود اس کے گلے پڑی — اسے ایک «مورتی» بننا پڑا — اس نے چبوترے کے لئے بے ڈول نرماتسکی کا انتخاب کیا — شہزادی نے اس کو منہ کے بل فرش پر لیٹنے اور اپنا سر بغل میں گھسانے پر مجبور کیا — ایک آن کو بھی قہقھوں کی دھوم کم نہ ھوئی — چونکہ میں اونچے طبقے کے ایک معزز گھر کی گمبھیر تنہائی اور تخلیے میں پروان چڑھا تھا، اس لئے میں دم‌بخود اور بھونچکا رہ گیا — اس ساری دھما چوکڑی، شور اور اودھم، بے تحاشہ اور ایک حد تک ھنگامہ خیز رنگ رلیوں اور پھر اجنبیوں سے نا قابل یقین بے تکلفی اور دوستی کا نشہ کچھہ ایسا چڑھا کہ میں آپے میں نہ رھا — میں یوں جھوم

رہا تھا جیسے شراب کے خمار میں ہوں — میں نے کمرے کے تمام دوسرے لوگوں کے مقابلے میں زیادہ زور زور سے ہنسنا اور بولنا شروع کر دیا — یہاں تک کہ بوڑھی شہزادی، جو دوسرے کمرے میں عدالت کے پیشکار سے صلاح و مشورہ کر رہی تھی، بھاگی بھاگی کمرے میں یہ دیکھنے آئی کہ ماجرا کیا ہے — لیکن میں ایسی ترنگ میں تھا کہ میرے کان پر جوں تک نہ رینگی اور نہ مجھ پر لوگوں کے مجنونانہ فقروں کا اثر ہوا اور نہ دوسروں کی تیکھی نظروں کا -- زینائیدا مستقل اپنے لطف و کرم کی بارش مجھ پر کرتی رہی اور اس نے مجھے اپنے پاس سے ہٹنے کا موقع نہ دیا — سزاؤں میں سے ایک سزا یہ تھی کہ میں ایک ہی ریشمیں ڈوپٹے تلے اس کے پہلو میں بیٹھوں اور «اپنے دل کا راز» بتاؤں — مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس وقت کیسی سنسنی سی دوڑ گئی تھی جب ہمارے دو سروں پر یکایک ایک معطر معطر، دم بخود کر دینے والی صاف شفاف دھند چھا گئی، جب اس دھند میں اس کی آنکھیں اتنی نرم نرم اور اتنی قریب چمکنے لگیں اور اس کی سانس اتنی گرم گرم محسوس ہوئی اور اس کے دانت جھلملائے اور اس کے بالوں کی نوکیں گدگدانے اور چبھنے لگیں — میں چپ تھا — اس کے ہونٹوں پر پراسرار اور محرابی مسکراہٹ ابھری اور آخر سرگوشی کے انداز میں بولی «اچھا تمہارا راز کیا ہے؟» میرا منہ سرخ ہوگیا میں نے صرف قہقہہ لگایا اور دم بخود ہوکر اپنا سر دوسری طرف پھیر لیا — ہم جلد ہی تاوان والے کھیل سے اکتا گئے اور ڈور والے ایک دوسرے کھیل کا سلسلہ شروع ہوا — اوہ خدا! اس وقت مجھے کیسا سرور محسوس ہوا جب خود فراموشی کے عالم میں، اس نے میری انگلیوں پر

زور سے ٹھوکا دیا! کس طرح میں ایسا بن گیا جیسے پھر میں اون جمع کرنے میں محو ہوں اور کس طرح وہ محض مجھے ستانے کو جان بوجھہ کر میری انگلیوں کو چھونے سے کتراتی رہی۔

اس شام ہم ہنسی ٹھٹھول، شوخی و شرارت کے ساتھہ ہاتھہ کی صفائی کا کھیل کھیلتے رہے! ہم نے پیانو بجائے، ہم نے گیت گائے، ہم ناچے، ہم نے پڑاؤ ڈالے ہوئے خانہ بدوشوں کی نقلیں اتاریں، ہم نے نرماتسکی کو بھالو جیسے کپڑے پہنائے اور نمکین پانی پینے پر مجبور کیا۔ کاؤنٹ مالیوسکی نے تاش کے پتوں سے بھانت بھانت کی ہاتھہ کی صفائی دکھائی اور آخر میں تاش کے پتے کوٹ پیس کے لئے کچھہ اس طرح پھینٹے کہ سارے کے سارے رنگ کے پتے خود اس کے پاس آ گئے جس پر لوشین نے پوری گرم جوشی سے اسے «مبارکباد» پیش کی۔ مئیدانوف نے اپنی نظم «قاتل» (اس وقت رومانوی تحریک اپنے نقطہ عروج پر تھی) کے چند بند پڑھہ کر سنائے۔ اس کا ارادہ تھا کہ اس کو کالی جلد کی ایک کتاب کی شکل میں شائع کرائے جس پر خون کی طرح دھکتے ہوئے سرخ رنگ کے حروف ابھرے ہوئے ہوں۔ ہم نے عدالت کے پیشکار کے گھٹنوں پر سے اس کی ٹوپی پار کر لی اور ٹوپی واپس کرنے سے پہلے اسے «کزاچوک» ناچنے پر مجبور کیا۔ بڈھے وونیفاتی کے سر پر ایک زنانی ٹوپی چپکا دی گئی اور زینائیدا نے ایک مردانی ٹوپی اوڑھہ لی... لیکن وہ سب کچھہ جو ہم نے کیا بیان کرنا نا ممکن ھے۔ اکیلا بیلوزوروف زیادہ تر الگ تھلگ کونے میں اپنی تیوریاں چڑھاتا اور منہ بناتا رہا... تھوڑی تھوڑی دیر پر اس کی آنکھوں میں خون اتر آتا اور غصے کا رنگ اس کے

خد و خال میں دوڑ جاتا اور ایسا لگتا کہ وہ اب ہم پر جھپٹیگا اور ہمیں تنکوں کی طرح چاروں طرف بکھیر کر رکھہ دیگا — لیکن چھوٹی شہزادی اس پر ایک نگاہ ڈالتی ،اور انگلی ہلا کر اس کی تنبیہ کرتی اور وہ پھر اپنے کونے میں لوٹ جاتا —

آخر ہم تھک کر نڈھال ہو گئے — بوڑھی شہزادی بھی، جو بقول خود اب تک مزے میں چاق و چوبند تھی اور اسے شور و غل پر کوئی اعتراض نہ تھا، ہاں اب تو وہ بھی تھک گئی اور اس نے آرام کی خواہش کا اظہار کیا — گیارہ بجے کے فوراً بعد کھانا چنا گیا — کھانے پر خشک پنیر کا ایک ٹکڑا تھا اور ٹھنڈے سموسے جن میں سور کے گوشت کا قیمہ بھرا ہوا تھا — یہ ساری چیزیں مجھے کلیجی گردے وغیرہ کے قیمے سے بھی زیادہ مزیدار معلوم ہوئیں — شراب کی صرف ایک بوتل تھی — اور دیکھنے میں کچھہ عجیب سی معلوم ہوتی تھی — یہ بہت ہی کالی تھی اور اس کی گردن پھولی ہوئی تھی اور خود شراب کا مزا لال پینٹ کا تھا — بہر حال کسی نے یہ شراب پی نہیں — مسرت کے خمار میں کھویا ہوا اور تھکن سے چور چور میں اس گھر سے روانہ ہوا — زینائیدا نے خدا حافظ کہتے ہوئے میرا ہاتھہ زور سے دبایا — اس کے ہونٹوں پر دوبارہ وہی پراسرار مسکراہٹ کھیل رہی تھی —

میں نے اپنے گرم چہرے پر رات کی بھاری اور نم سانس محسوس کی — ہوا میں ایک بجلی سی تیر رہی تھی — کالے بادل رفتہ رفتہ موٹے اور گہرے ہوتے جا رہے تھے اور آسمان میں تیرتے اور پھیلتے چلے جا رہے تھے اور ان کے خطوط اور شکلیں برابر بدلتی جا رہی تھیں — ہوا کا ایک جھونکا، درختوں کی اندھیری پھننگوں میں بڑی

بے قراری سے پھڑپھڑایا اور کہیں دور، آکاش کے دوسرے کنارے پر بادل خالی خولی آوازوں کے ساتھه خود اپنے اوپر غراتے ہوئے معلوم ہوئے —

میں پچھلے دروازے سے اپنے کمرے میں چلا گیا — میرا ملازم فرش پر سویا ہوا تھا اس لئے مجھے اس کے اوپر سے پھاندنا پڑا — وہ اٹھا، اس نے مجھے دیکھا اور بتایا کہ میری اماں پھر مجھه سے خفا ہیں اور وہ مجھے بلوا بھیجنا چاہتی تھیں لیکن ابا نے باز رکھا — (اس سے پہلے کبھی بھی میں اپنی اماں کو شب بخیر کہے بغیر اور ان کی دعائیں لئے بغیر نہیں سویا تھا —) ہاں —— مگر اب اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا!

میں نے ملازم سے کہا کہ میں اب اپنے کپڑے اتار کر بستر پر دراز ہونا چاہتا ہوں —— اور پھونک مارکر موم بتی بجھا دی... لیکن میں نے نہ کپڑے اتارے اور نہ بستر پر لیٹا —

میں کرسی پر بیٹھه گیا اور دیر تک بیٹھا رہا جیسے مجھه پر جادو کا اثر ہو ... میرا احساس اتنا نیا تھا، اتنا شیریں! میں بے حس و حرکت بیٹھا، اپنے چاروں طرف نگاہیں دوڑاتا رہا اور آہستہ آہستہ سانس لیتا رہا— کوئی بات یاد آتی اور میرے منه سے ایک بے آواز قہقہه پھوٹ پڑتا یا کبھی سوچتے سوچتے پورا جسم شل ہوتا ہوا محسوس ہوتا — میں سوچ رہا تھا: مجھے محبت ہو گئی ہے، اچھا تو ایسی ہوتی ہے محبت! زینائیدا کا چہرہ بڑی آہستگی اور نرمی سے میری آنکھوں میں تیر رہا تھا — ذرا دیر کو بھی میری آنکھوں سے بالکل اوجھل نہ ہوتا — اس کے ہونٹ بڑے پراسرار ادا کے ساتھه مسکرا رہے تھے — وہ اپنی آنکھوں کے زاویوں سے مجھے دیکھتی، کچھه

پوچھتی ہوئی، کچھہ سوچتی ہوئی، پیار برساتی ہوئی... جیسے اس نے مجھے خدا حافظ کہتے ہوئے دیکھا تھا — آخر میں اٹھہ کھڑا ہوا — دبے پاؤں پنجوں پر چلتا ہوا اپنے بستر کی طرف گیا، بڑی احتیاط سے — اپنے کپڑے بھی نہیں اتارے — اور میں نے اپنا سر تکیے پر یوں رکھا جیسے مجھے ڈر ہو کہ ایک ذرا سا غلط جھٹکا بھی اس چیز کو درہم برہم کرکے رکھہ دیگا جس سے میرا دل اس وقت لبالب بھرا ہوا تھا...

میں لیٹ گیا لیکن آنکھیں بند نہ کیں — کچھہ ھی دیر بعد میں نے دیکھا کہ مدھم مدھم عکس میرے کمرے میں جھانک رہے ھیں — میں اٹھہ بیٹھا اور کھڑکی کی طرف دیکھا — اس کا چوکھٹا شیشے کی پراسرار سفیدی میں بڑا نمایاں نظر آ رہا تھا — میں نے اپنے آپ سے کہا «آندھی!» اور واقعی یہ آندھی ھی تھی — لیکن یہ آندھی کہیں دور تھی —— اتنی دور کہ اس کی گرج اور گھڑگھڑاھٹ میرے کانوں تک نہیں پہنچ رھی تھی — صرف بجلی کی مدھم مدھم اور لمبی لمبی انگلیاں آسمان میں باربار لپکتی ہوئی نظر آ جاتی تھیں — بلکہ وہ چمکنے سے زیادہ لرزتیں اور پھڑپھڑاتیں، دم توڑتے ہوئے پرندے کی طرح — میں بستر سے نکلا، کھڑکی کے پاس گیا اور پو پھٹنے تک وھیں کھڑا رہا... بجلی کی چمک ایک لمحے کو بھی نہیں رکی — یہ ایک ایسی رات تھی جسے گاؤں کے لوگ «گوریئے کی رات» کہتے ھیں — میں نے خاموش کھیت کو دیکھا جو ریت سے بھرا ہوا تھا — میں نے نسکوچنی باغ اور دور کے مکانوں کے چھجوں کو دیکھا جو بجلی کی ہر مدھم لہر کے ساتھہ لرزتے ہوئے دکھائی پڑتے تھے... میں گھورتا رہا اور اس منظر کو چھوڑکر ھٹ نہ سکا —

وہ خاموش بجلیاں، ان کی رکی رکی سی چمک، میرے اندر جذبات کی خاموش اور پراسرار کوندتی ہوئی لہروں کا جواب دیتی ہوئی معلوم ہوتی تھی — دن پھوٹ رہا تھا — شفق رنگ دھبوں سے سویرا جھلک رہا تھا — سورج کے طلوع ہوتے ہوتے بجلی کے کوندے پیلے پڑتے اور چھوٹے ہوتے چلے گئے — وہ زیادہ سے زیادہ وقفے کے ساتھ لرزنے لگے اور آخر وہ آنے والے دن کی سادہ اور بے کشش روشنی میں غائب ہو گئے...

میرے اندر بھی جو بجلیاں لپک رہی تھیں کہیں کھو گئیں — مجھ پر ایک زبردست تھکن کا دورہ پڑا اور میں سن سا ہو گیا... لیکن زینائیدا کا تصور بڑی فاتحانہ شان سے میری روح پر چھایا رہا — لیکن، اب اس تصور میں ایک ٹھہراؤ پیدا ہو گیا تھا — اب یہ اس ہنس کی طرح نظر آ رہا تھا جو دل دل کی گھاس سے نکل رہا ہو — اس نے خود کو اپنے مکروہ ماحول سے الگ کر لیا تھا اور جب میری آنکھ بند ہوئی تو ایک بار پھر میں پورے جذبہ عبودیت کے ساتھ اس کے قدموں میں گر پڑا...

اف، جذبہ سپردگی، ہلکی ہلکی آوازو، ایک جھنجھوڑی ہوئی روح کی نرمی اور سکون، پہلی محبت کی پگھلتی ہوئی تب و تاب —— تم اب کہاں ہو، ہاں کہاں؟

۸

اگلی صبح جب چائے پر نیچے آیا تو میری اماں نے میری خبر لی — گرچہ یہ ڈانٹ ڈپٹ میری توقع سے کم ہی تھی — انھوں نے یہ سب بتانے پر مجبور کیا کہ میں نے پچھلی شام کس طرح گزاری

تھی— میں نے ان کو اختصار کے ساتھہ بتایا، بہت سی تفصیلات اڑا دیں اور میں نے کوشش کی کہ یہ سب جہاں تک ممکن ہو سکے بہت ھی معصوم اور بے ضرر بات معلوم ہو—

«لیکن وہ ایسے *comme il faut بھی نہیں ھیں» میری اماں نے کہا «اور تمہیں ان کے گرد منڈلانے کی ضرورت نہیں— تمہیں اپنے امتحان کی تیاریاں کرنی ھیں—»

یہ جانتے ہوئے کہ میری پڑھائی کے متعلق اماں کی تشویش ان الفاظ سے آگے نہیں جائیگی، میں نے ان سے بحث کرنے کی زحمت نہیں کی— لیکن صبح کی چائے کے بعد، میرے ابا نے مجھے بازو سے پکڑا اور باغ میں لے گئے اور مجھے وہ سب کچھہ بتانے پر مجبور کیا جو میں نے زاسیکین خاندان کے گھر میں دیکھا تھا—

مجھہ پر ابا کا کچھہ عجیب و غریب اثر تھا اور ھمارے تعلقات بالکل انوکھے تھے— وہ میری تعلیم میں شاید ھی کوئی دلچسپی لیتے تھے— مگر ساتھہ ھی وہ کوئی ایسی بات نہ کہتے جس سے میرے دل کو دکھہ ہو— وہ میری آزادی کا لحاظ کرتے تھے — اگر یہ کہنے کی اجازت ہو تو میں تو کہوں کہ ان کا رویہ میری طرف خاصا خوش اخلاقی کا تھا... لیکن انہوں نے کبھی بھی مجھے ذرا گھلنے ملنے کا موقع نہیں دیا— میں ان سے محبت کرتا تھا، ان کو قدر کی نظر سے دیکھتا تھا— میں ان کو بہترین مردانہ محاسن کا مجسم نمونہ مانتا تھا—— اف، واقعی میں ان کو کتنا پوجتا اگر مجھے ہمیشہ اس کا احساس نہ ہوتا کہ وہ مجھے دور دور

---

* اچھے رنگ ڈھنگ کے لوگ—

رکھتے ھیں! اور جب ان کے جی میں آتی تو وہ ایک لمحے میں، محض ایک لفظ، محض ایک اشارے سے میرے اندر بے پناہ اعتماد پیدا کر دیتے — ایسے لمحے میں میری روح میں ایک عجیب گداز، ایک عجیب پھیلاؤ پیدا ھوتا اور میں سب کچھه کہه جاتا —— بالکل اس طرح جیسے میں اپنے ذھین دوست یا شفیق مرشد سے کہه سکتا تھا... اور پھر وہ اسی طرح یکایک مجھے چھوڑ دیتے اور ایک بار پھر مجھے محسوس ھوتا کہ مجھے دھکا دے دیا گیا ھے —— بہت شفقت اور نرمی سے سہی، مگر ٹھوکر بہر حال ٹھوکر ھے —

کبھی کبھی ان پر کھلنڈراپن کا موڈ بھی طاری ھوتا اور تب وہ ایک لڑکے کی طرح میرے ساتھه خوب کھیلتے اور دھما چوکڑی مچاتے (وہ ھر قسم کی شدید جسمانی ورزش کے بڑے شوقین تھے) — اور ایک بار، صرف ایک بار! —— انھوں نے مجھے اپنی محبت سے بھینچا تھا کہ میں قریب قریب رو پڑا تھا... لیکن ان کا کھلنڈراپن اور ان کی محبت و شفقت کے موڈ یوں غائب ھو جاتے تھے کہ پھر ان کا کچھه اتہ پتہ بھی نہ چلتا —— اور میرے اور ان کے درمیان جو کچھه بھی ھوتا اس کے متعلق میں کبھی آئیندہ کی بات نہ سوچتا —— یہ سب کچھه سپنے کے سوا اور کچھه نہ معلوم ھوتا — کبھی کبھی میں ان کے ذھین، خوبصورت اور پرسکون چہرے کو دیکھتا... یہاں تک کہ میرا دل دھڑکنے لگتا اور میرا پورا وجود ان کی طرف کھنچنے لگتا... اور وہ جیسے یہ بھانپ لیتے کہ میرے دل میں کیا کچھه ھو رھا ھے — وہ یونھی بے پروائی سے میرا گال تھپتھپاتے اور یا تو کمرے سے باھر چلے جاتے یا اپنے کسی کام میں لگ جاتے — یا پھر بالکل ٹھنڈے پڑ جاتے جس طرح صرف وھی ٹھنڈے پڑ سکتے تھے

اور اس وقت میں بھی فوراً بجھه جاتا اور شل هو جاتا — میری طرف شفقت کا جو دورہ ان پر پڑتا تھا هرگز میری خاموش مگر بالکل نمایاں التجاؤں کا نتیجه نه هوتا — یه دورہ بالکل اچانک پڑتا تھا —

بعد کی زندگی میں، اپنے ابا کے کردار کے بارے میں سوچتے هوئے، میں اس نتیجے پر پہنچا که ان کے پاس میرے علاوہ بھی کچھه چیزیں تھیں —— جن کا خیال کرنا پڑتا تھا —— گھر گرهستی هی کو لے لیجئے — بعض باتوں میں ان کا دل بالکل مختلف تھا، ایسی باتیں جن کا وہ پورا پورا لطف اٹھاتے تھے — «جو کچھه لے سکو لے لو» ایک بار انہوں نے مجھه سے کہا تھا «مگر اپنے آپ کو کبھی مت هارو — خود اپنا بن کر رهنا —— یہی زندگی کا جوهر هے، یہی زندگی هے —» ایک بار اور جب میں نے ایک نوجوان جمہوریت پسند کی حیثیت سے، ان کی موجودگی میں آزادی کے سلسلے میں اپنی منطق بگھارنی شروع کی (اس دن وہ بڑے «اچھے» موڈ میں تھے اور ان کے سامنے آدمی جو جی چاهے کہه سکتا تھا) — «آزادی» انہوں نے دهرایا «لیکن کیا تم اس واحد چیز کو جانتے هو جو انسان کو آزادی دے سکتی هے؟»

«کیا چیز هے وہ؟»

«عزم، اس کا اپنا عزم —— اور یہی اس کو طاقت بھی دیگا جو کسی بھی آزادی سے بہتر هے — یه جاننے کا گر سیکھو که تم چاهتے کیا هو اور پھر تم دوسروں پر سکه چلا سکو گے —»

میرے ابا کا سب سے پہلا اور سب سے اهم مقصد زندہ رهنا تھا، اور واقعی زندہ تو وہ رهے — شاید انہیں پہلے هی اس کا پته چل گیا تھا که وہ زیادہ دنوں تک «اس چیز کا» فائدہ نہیں اٹھا

سکینگے «جس کو ہم زندگی کہتے ہیں —» وہ بیالیس برس کی عمر میں چل بسے —

میں نے اپنے ابا کو زاسیکین خاندان کے یہاں کی صحبت کے متعلق پوری تفصیل سے بتایا — انہوں نے میری باتیں کچھہ بے نیازی سے سنیں — وہ بنچ پر بیٹھے ہوئے تھے اور اپنے چابک سے ریت پر لکیریں کھنچ رہے تھے — وہ ایک دو بار ہنسے بھی، مجھہ پر ایک چمکتی اور محظوظ ہوتی ہوئی نگاہ ڈالی اور چھوٹے چھوٹے سوالوں اور فقروں سے مجھے بڑھاوا دیتے رہے — شروع میں زینائیدا کا نام زبان پر لانے کی ہمت ہی نہ ہوئی لیکن جلد ہی وہ وقت آیا کہ میں اپنے آپ کو روک نہ سکا اور اس کے گن گانے لگا — میرے ابا اپنے آپ سے کچھہ کہتے اور چھکتے رہے — پھر کسی سوچ میں ڈوبتے ہوئے وہ تن سے گئے اور اٹھہ کھڑے ہوئے —

مجھے یاد ہے کہ گھر سے نکلتے ہوئے انہوں نے اپنے گھوڑے پر زین کسنے کا حکم دیا تھا — وہ لا جواب شہسوار تھے اور اس سے پہلے کہ مسٹر ریری اپنے کمال دکھاتے وہ بڑے سے بڑے وحشی گھوڑے کو قابو میں کر لیتے تھے —

«کیا میں بھی آپ کے ساتھہ چلوں ابا؟» میں نے پوچھا —

«نہیں» وہ بولے اور ان کے چہرے پر حسب معمول مشفقانہ بے نیازی کی کیفیت پیدا ہو گئی — «تم چاہو تو اکیلے چلے جاؤ — اور سائیس سے کہہ دو میں سواری نہیں کرونگا —»

وہ مڑے اور تیز تیز چل دئے — میں اپنی آنکھوں سے ان کا تعاقب کرتا رہا یہاں تک کہ وہ پھاٹک سے نکلے اور آنکھوں سے اوجھل ہو گئے — میں نے چہار دیواری کے اوپر اوپر ان کی ٹوپی کو

سرکتے ہوئے دیکھا اور پھر میں نے دیکھا کہ وہ زاسیکین خاندان کے گھر میں داخل ہو گئے —

وہ وہاں آدھہ گھنٹے سے کم ہی ٹھہرے اور وہاں سے نکل کر وہ سیدھے شہر کی طرف چل دئے اور شام ہوتے لوٹے —

کھانا کھانے کے بعد میں خود ہی زاسیکین خاندان کے گھر گیا — میں نے بوڑھی شہزادی کو ڈرائنگ روم میں اکیلا پایا — جب اس نے مجھے دیکھا تو اس نے بنائی کی تیلی ٹوپی کے اندر لے جا کر اپنا سر کھجایا اور مجھہ سے چھوٹتے ہی پوچھا کیا میں اس کی خاطر ایک درخواست کی نقل کر سکتا ہوں —

«خوشی سے» میں ایک کرسی کے کنارے ٹک گیا —

«ہاں خیال رہے بڑے بڑے خط میں لکھنا» شہزادی نے ایک صفحہ جو پورا گھسا پٹا تھا، مجھے دیتے ہوئے کہا «اور میرے نوجوان حضرت، کیا تم سمجھتے ہو کہ تم آج ہی اس کی پوری نقل کر لوگے؟»

«ہاں — میں آج ہی کر لونگا —»

دوسرے کمرے کا دروازہ ایک ہلکی چرچراہٹ کے ساتھہ کھلا اور زینائیدا نظر آئی — اس کا چہرہ پیلا تھا، سوچ میں ڈوبا ہوا — اس کے بال بے پروائی سے پیچھے کی طرف سنوارے گئے تھے — اس نے اپنی بڑی بڑی، ٹھنڈی آنکھوں سے مجھے ایک نظر دیکھا اور چپکے سے دروازہ بند کر دیا —

«زینا! اے زینا!» اس کی ماں چلائی — مگر زینائیدا نے کوئی جواب نہ دیا — میں اس بوڑھی کی درخواست اٹھا کر اپنے گھر لے گیا اور پوری شام اس کی نقل کرنے میں بتا دی —

اسی دن میرے «جذبے» نے جنم لیا — میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت میرے احساسات اس آدمی کے احساسات کی طرح ہونگے جو اپنی ملازمت کی زندگی شروع کر رہا ہو— میں اب ایک کم سن لڑکا باقی نہیں رہا تھا— اب میں ایک عاشق تھا— میں نے کہا کہ میرے جذبے کا آغاز اس دن سے ہوا لیکن مجھے یہ بھی بتانا چاہئے کہ اسی دن سے میری مصیبتیں بھی شروع ہوئیں— زینائیدا کے بغیر میں کسی چیز میں جی نہ لگا پاتا، دن دن بھر اس کے بارے میں سوچتے رہنے کے سوا میں اور کچھ نہ کر پاتا... جب میں اس سے دور ہوتا تو میں بڑا دکھی رہتا، لیکن جب اس کے پاس ہوتا تو اس وقت بھی دل کو چین نہ پڑتا— میں حسد کی آگ میں جل رہا تھا، مجھے اپنے بے معنی اور حقیر ہونے کا احساس تھا— میں احمقانہ طور پر منہ بنائے رہتا اور اسی حماقت کے ساتھ اس کے قدموں پر سجدے کرتا— لیکن ایک نا قابل تسخیر قوت مجھے اس کی طرف کھینچے لئے جا رہی تھی اور جب کبھی میں اس کی دھلیز پار کرتا میرے دل میں ایک مسرت انگیز کسک پیدا ہوتی—جلد ہی زینائیدا پر یہ کھل گیا کہ میں اس پر جان دیتا ہوں— اور سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے اسے چھپانے کا خیال بھی نہ تھا— وہ باری باری سے میرے والہانہ پن پر کبھی خوش ہوتی، کبھی بدھو بناتی، کبھی چمکارتی اور تھپکیاں دیتی اور کبھی ستاتی— کسی دوسرے شخص کی سبّب سے زبردست مسرت یا زبردست ترین رنج کا واحد ذریعہ یا واحد اور ناقابل انکار سبب ہونے کا احساس بڑا شیریں احساس ہے — اور زینائیدا نے دیکھا کہ میں اس کے ہاتھہ میں موم کی طرح

ہوں — لیکن میں اکیلا اس کی محبت میں گرفتار نہیں تھا — اس گھر میں آنے والے سبھی اس پر فریفتہ تھے اور وہ ان سب کو انگلیوں پر نچاتی تھی اور اپنے قدموں پر سجدہ ریز رکھتی تھی —باری باری سے ان میں کبھی امید اور کبھی مایوسی پیدا کرنے میں اور اپنی ننھی سی انگلی پر ان سب کو نچانے میں اس کو بڑا مزا آتا تھا (وہ اسے لوگوں کو ایک دوسرے سے ٹکراتے رہنے کا نام دیتی تھی) اور ان کو اس کا مقابلہ کرنے کا کبھی خیال بھی نہ آتا تھا اور وہ خوشی سے اس کے سامنے ہتیار ڈال دیتے تھے — اس کے ہشاش بشاش اور دل ربا وجود میں چالاکی اور بے نیازی، بناوٹ اور سادگی، سکون اور وحشت کی ایک مسحور کن گھلاوٹ تھی — وہ جو کچھ بھی کہتی اور کرتی، اس میں، اس کی ایک ایک ادا میں، ایک بڑی نرم اور لطیف نزاکت سانس لیتی ہوئی معلوم ہوتی تھی — ہر ادا اور انداز میں ایک عجیب قوت اپنا جادو جگا رہی تھی — اس کے مستقل بدلتے ہوئے رنگ میں بھی ایک عجیب سیمابی کیفیت تھی — اس سے بیک وقت جنون ، فکر اور جذبات کی گرمی کا اظہار ہوتا تھا — لگتا تھا کہ حددرجہ متضاد جذبات، ایک روشن اور تیز ہوا والے دن میں اڑتے ہوئے بادلوں کی طرح، مستقل اس کی آنکھوں اور ہونٹوں پر کھیل رہے ہیں —

اس کا ہر شیدائی اس کے لئے ضروری تھا — بیلوزوروف جسے وہ « میرے درندے » یا صرف «میرے» کہتی تھی اس کے لئے آگ میں کود سکتا تھا — اسے اپنی دماغی اور دوسری صلاحیتوں پر اعتماد نہ تھا اس لئے برابر شادی کے لئے اپنا ہاتھ بڑھاتا رہتا اور بات بات میں اشارہ کرتا کہ باقی دوسرے لوگ سنجیدہ نہیں ہیں —

مئیدانوف اس کی شاعرانہ طبیعت کی تسکین کرتا تھا — حالانکہ تمام دوسرے مصنفوں کی طرح فطرتاً ٹھنڈا ہوتے ہوئے، وہ سچے دل سے، اس کو اور شاید اپنے آپ کو بھی یہ یقین دلاتا رہتا کہ وہ اس کو پوجتا ہے اور وہ اپنی کبھی ختم نہ ہونے والی شاعرانہ قصیدہ خوانیوں سے زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتا اور قصیدے اس کے سامنے ایک عجیب وجدانی کیفیت اور بے خودی کے ساتھہ پڑھہ کر سناتا جس میں بیک وقت دکھاوا بھی ہوتا اور خلوص بھی — اور وہ، اپنے دل میں اس کے لئے قدرے ہمدردی محسوس کرتی اور اس کے ساتھہ کچھہ ایسا سلوک کرتی جس میں ہلکی سی تمسخر کی چاشنی بھی ہوتی — اس کو مئیدانوف پر اعتماد نہ تھا — اور اس کے قصیدے سننے کے بعد وہ اس سے کہتی کہ اب پشکن کی چیزیں سناؤ تاکہ فضا صاف ہو جائے — مسخرا ڈاکٹر لوشین، جس کی باتوں سے عجیب سنک اور خبطی پن پٹکتا تھا، اسے اوروں سے بہتر طور پر سمجھتا تھا اور اسے اوروں سے زیادہ چاہتا تھا — حالانکہ وہ اس کے پیٹھہ پیچھے اور اس کے منہ پر، اسے خوب برا بھلا کہتا تھا — وہ اس کی عزت کرتی تھی، لیکن اسے بھی ذرا نہ بخشتی اور اس پر بھی یہ جتانے میں کینے سے بھری ہوئی راحت محسوس کرتی کہ وہ بھی اس کی مٹھی میں ہے — ایک بار اس نے میری موجودگی میں اس سے کہا «میں ہرجائی ہوں، میرے سینے میں دل نہیں ہے، میں پیدائیشی ایکٹرس ہوں — اچھا تو پھر یہی سہی! لاؤ، اب تم اپنا ہاتھہ مجھے دو اور میں اس میں سوئی چبھوؤنگی — تم اس نوجوان کے سامنے اپنی ہتک محسوس کروگے، تمہیں تکلیف ہوگی، اور پھر تم ایک بھلے آدمی کی طرح ہنسوگے — کیوں جناب حق گو صاحب!» لوشین

کا رنگ اڑ گیا اور اس سے نظر ملانے سے کترانے اور اپنے ہونٹ چبانے لگا لیکن انجام کار اس نے اپنا ہاتھہ اس کی طرف بڑھا دیا — اس نے ہاتھہ میں سوئی چبھوئی اور وہ واقعی ہنستا رہا... وہ بھی اس کے گوشت میں سوئی پیوست کرتی اور اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی ہنستی رہی جن کو اس کے چہرے سے ہٹانے کی وہ ناکام کوشش کر رہا تھا... کاؤنٹ مالیوسکی اور اس کے تعلقات تو میرے پلے اور بھی کم پڑتے تھے — وہ ایک وجیہہ، چاق و چوبند اور ذہین آدمی تھا — لیکن اس میں کچھہ نہ کچھہ مشتبہ سا نظر آتا تھا — اس میں کوئی چیز غلط اور بناوٹی تھی — اور میں بھی، سولہ برس کا ایک لڑکا، اس کو محسوس کر سکتا تھا اور میں اس پر حیران ہوتا تھا کہ زینائیدا اس چیز کو دیکھنے میں کیسے ناکام رہی — لیکن کون جانے اس نے اس فریب کو دیکھہ لیا ہو لیکن اس کی پروا نہ کرتی ہو — اس کی تعلیم کی خامیوں نے، اس کے عجیب و غریب دوستوں اور ملاقاتیوں اور عادتوں نے، اس کی ماں کی مستقل موجودگی اور گھر میں غربت اور افراتفری نے، ان میں سے ہر چیز نے اور ساتھہ ھی ارد گرد منڈلاتے ہوئے لوگوں کے مقابلے میں اس لڑکی میں جو احساس کمتری پیدا ہو گیا تھا، ان سب باتوں نے مل کر اس میں ایک نیم حقارت آمیز بے نیازی اور اخلاقی سنگ دلی سی پیدا کر دی تھی — گھر میں چاہے جو کچھہ بھی ہو، خواہ وونیفاتی یہ اعلان کرنے آئے کہ گھر میں شکر نہیں، یا کوئی گندی قسم کی افواہ کان میں پڑے، یا مہمان آپس میں لڑ پڑیں اور جوتیوں میں دال بٹنے لگے، وہ صرف اپنی لٹوں کو جھٹکتی اور بس اتنا کہتی «بکواس!» اور کسی قسم کا اثر قبول کرنے سے انکار کر دیتی —

جہاں تک میرا تعلق تھا، جب کبھی مالیوسکی اس کے قریب پھٹکتا میرا خون کھول اٹھتا —— لومڑی کی طرح چالاک، وہ جھٹ بڑے وقار سے اس کی کرسی کی پشت پر جاتا اور جھک کر خوش خوش دانت نکال کر کچھہ کھسر پھسر شروع کر دیتا اور وہ اپنے ھاتھہ باندھے ہوئے بڑی سنجیدگی سے اسے دیکھتی، مسکراتی اور سر ھلاتی —

«آخر تم کاؤنٹ مالیوسکی سے کیوں ملتی ہو؟» میں نے ایک بار اس سے پوچھا —

«ھائے تم دیکھتے نہیں اس کی ننھی ننھی مونچھیں کتنی پیاری ہیں؟» اس نے جواب دیا — «لیکن خیر تمھاری سمجھہ میں یہ بات نہیں آئیگی —»

«تم یہ تو کہنا نہیں چاھتے کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں؟» اس نے ایک دوسرے وقت خود ھی ذکر چھیڑا — «نہیں، اس قسم کے آدمی سے کبھی محبت نہیں کر سکتی —— ایک ایسے آدمی سے جس کو حقارت بھری نظروں سے دیکھنے پر میں مجبور ہوں — مجھے کسی ایسے آدمی کی ضرورت ھے جو میری آن توڑ دے — لیکن خدا کا شکر ھے کہ میرا کبھی کسی ایسے آدمی سے پالا نہیں پڑیگا! میں کسی کے چنگل میں آنے والی نہیں — ھاں میں نہیں آنے والی!»

«کیا اس کا مطلب یہ ھے کہ تم کبھی کسی سے محبت نہیں کروگی؟»

«لیکن تم جو ہو؟ کیا میں تمھیں نہیں چاھتی؟» اس نے میری ناک کو اپنے دستانے سے چھوتے ہوئے تیکھا جواب دیا —

اوہ، ہاں، زینائیدا کو میری ذات سے تفریح کا کافی سامان مہیا ہوتا تھا — میں تین ہفتے تک برابر اس سے ملتا رہا اور اس کی انگلی کے اشارے پر ناچتا رہا — وہ ہمارے گھر اکثر نہ آتی اور مجھے اس کا افسوس نہ تھا کیوں کہ جب کبھی وہ آتی چھوٹی بیگم بن جاتی، پوری شہزادی اور میں شرمانے لگتا — میں اپنی ماں کے سامنے کھل کھیلنے سے ڈرتا تھا جو زینائیدا کو بالکل ناپسند کرتی تھیں اور بپھری بپھری نظروں سے اسے گھورتی رہتی تھیں —

میں اپنے ابا کا اتنا خیال نہ کرتا تھا — وہ مجھے نظر انداز کر دیتے تھے اور اس سے کبھی کبھار ہی کوئی بات کرتے تھے اور جب کبھی کچھ کہتے تو بات بڑی عاقلانہ اور معنی خیز ہوتی — میں نے پڑھنا لکھنا بالائے طاق رکھ دیا — میں نے کھیتوں اور میدانوں میں گھومنا پھرنا اور شہسواری بھی بند کر دی — میں ایک بھونرے کی طرح جس کے پر ڈور سے بندھے ہوں، اس پیارے گھر کے چکر لگایا کرتا — اگر ممکن ہوتا تو میں ہمیشہ وہیں جما کھڑا رہتا... لیکن میری اماں بڑبڑاتیں اور کبھی خود زینائیدا مجھے وہاں سے چلتا کر دیتی — جب وہ ایسا کرتی تو میں خود کو کمرے میں بند کر لیتا یا باغ کے سب سے کنارے والے کونے میں چلا جاتا اور وہاں اونچی سی اینٹ کے پودگھر کی ڈھیتی ہوئی دیوار پر چڑھ جاتا اور گھنٹوں سڑک کے رخ والی دیوار پر اپنے پاؤں لٹکا کر بیٹھا رہتا اور اپنے سامنے اندھی آنکھوں سے کچھ گھورتا رہتا — سفید تتلیاں آہستہ آہستہ خاردار جھاڑیوں کے اوپر اڑتیں پھرتیں — ایک شوخ سی ننھی گوریا قریب کے ایک ٹوٹے پھوٹے سرخ اینٹ پر اتری اور اشتعال انگیز طور پر چہچہاتی ہوئی ناچتی رہی، پھدکتی

اور اپنی دم کو پھلاتی رہی ۔ کوے جو ابھی تک
مجھے شک کی نظر سے دیکھتے تھے باربار برچ کی ننگی پھننگ سے
قائیں قائیں کرتے اور دھوپ اور ہوا اس کی پتلی پتلی شاخوں میں
کھیلتی ۔ کبھی کبھی دونسکوئی گرجا گھر سے گھنٹوں کی بوجھل
اور زوردار گونج میرے کانوں میں پہنچتی اور میں وہاں بیٹھا دیکھتا
اور سنتا رہتا اور میرا دل ایک ایسے جذبے سے بھر جاتا جس کی تشریح
نہیں کی جا سکتی ۔ اس میں ہر چیز ملی جلی ہوتی : غم اور نشاط،
بے چین کر دینے والے اندیشے، زندہ رہنے کی خواہش، اور زندگی کا
ڈر ۔ لیکن اس وقت میری سمجھ میں یہ سب کچھ نہ آتا تھا اور
جو چیز میرے اندر پک رہی تھی میں اس کو کوئی نام نہیں دے
سکتا تھا یا اگر میں اس وقت نام دینے کی کوشش کرتا تو اس کا
نام صرف ایک ہو سکتا تھا ۔۔ زینائیدا!

اور اس پورے عرصے میں زینائیدا مجھ سے یوں کھیلتی رہی
جیسے بلی چوہے سے کھیلتی ہے ۔ وہ خوب رجھاتی مجھے اور میں
فوراً پگھل کر رہ جاتا اور مجھ پر ہیجانی کیفیت طاری ہو جاتی
یا پھر وہ اچانک مجھے جھٹک کر پرے دھکیل دیتی اور مجھے
اس کے پاس جانے اور اسے ایک نظر دیکھنے کی بھی ہمت نہ ہوتی ۔

مجھے یاد ہے کہ وہ کئی دن تک مجھ سے کافی کٹی کٹی
رہی ۔ میرا دل ڈوب گیا ۔ میں ڈرتے ڈرتے اس گھر میں قدم رکھتا
اور بوڑھی شہزادی سے چپکے رہنے کی کوشش کرتا حالانکہ اس
زمانے میں اس کے مزاج کا پارہ بری طرح چڑھا ہوا تھا ۔ اس کے
مالی حالات بہت برے تھے اور اس کو دو بار مقامی کوتوالی میں
پولیس کے سامنے اپنی صورت حال کی صفائی پیش کرنی پڑی تھی ۔

ایک بار اس مانوس باغ کی چہار دیواری کے پاس سے گزرتے ہوئے میری نظر زینائیدا پر پڑی — وہ گھاس پر بے حس و حرکت بیٹھی تھی اور اپنے ہاتھوں پر پیچھے کی طرف ٹیک لگائے ہوئے تھی — میں نے وہاں سے چپ چاپ نکل جانا چاہا — لیکن اس نے یکایک سر اٹھایا اور مجھے التجا آمیز اشاروں سے بلایا — میرے پیر زمین میں گڑ کر رہ گئے — مجھے پورا یقین نہیں تھا کہ اس کے اشارے کا کیا مطلب ہے — اس نے اپنے اشارے کو دھرایا — میں نے فوراً چہار دیواری کو پار کیا اور خوش خوش اس کی طرف دوڑا — لیکن اس نے اپنی آنکھوں سے مجھے روک دیا اور اس راستے کی طرف اشارہ کیا جس سے دو قدم کے فاصلے پر وہ بیٹھی تھی — میں گھبراتے اور کھسیاتے ہوئے گھٹنوں کے بل سڑک کے کنارے بیٹھ گیا — وہ کتنی زرد تھی — اس کے چہرے کی ایک ایک لکیر میں بڑا تلخ دکھ سانس لے رہا تھا — ایک ایسی زبردست تھکن کہ میں دل مسوس کر رہ گیا اور میں یہ پوچھے بنا نہ رہ سکا:

«ماجرا کیا ہے؟»

زینائیدا نے اپنا ہاتھ بڑھایا، گھاس کا ایک تنکا توڑا، اسے چبایا اور دور پھینک دیا —

«تم مجھ سے بہت محبت کرتے ہو کیوں ہے نا؟» اس نے آخر پوچھا «تم بہت محبت کرتے ہو، ہے نا؟»

میں نے جواب نہیں دیا — اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی —

«ہاں» اس نے اب بھی مجھے دیکھتے ہوئے کہا — «میں جانتی ہوں تم محبت کرتے ہو — وہی آنکھیں — » سوچ میں ڈوب کر

اپنے ہاتھوں میں منہ چھپاتے ہوئے اس نے کہا— «میں اکتا گئی ہوں ان سب باتوں سے —» وہ زیر لب بولی «میں بالکل دنیا کے کنارے چلی جانا چاہتی ہوں — میں اب یہ سب برداشت نہیں کر سکتی، میں یہ نہیں سہہ سکتی... اور آخر میرا کیا ہونے والا ہے؟.. اف میں کتنی نا خوش ہوں، کتنی رنجیدہ! »

«لیکن کیوں؟ » میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا —

جواب میں زینائیدا نے صرف اپنے شانے ہلا دیئے — میں اپنے گھٹنوں پر جھکا ہوا، انتہائی دکھ کے ساتھ اسے گھورتا رہا — اس کے منہ سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ میرے دل میں پیوست ہو رہا تھا — اس وقت اس کا دکھ دور کرنے کے لئے میں اپنی زندگی کی بھینٹ بھی دے سکتا تھا — میں اب تک یہ سمجھے بنا کہ وہ اتنی غم زدہ کیوں ہے، برابر اسے گھورے جا رہا تھا اور میری تصور کی آنکھوں نے صاف صاف دیکھا کہ وہ ناقابل برداشت رنج و غم سے گھبرا کر باغ میں نکلی اور زمین پر یوں گر پڑی جیسے گولی سے زخمی ہو گئی ہو— ہر طرف کیسی ہریالی پھیلی ہوئی تھی، روشن روشن — ہر بار ہوا کے جھونکے آتے اور پتوں کو سرسراتے اور زینائیدا کے سر پر رس بھری کی ڈالیاں لپلپانے لگتیں —

دور فاختائیں کوں کوں بول رہی تھیں — شہد کی مکھیاں چھدری چھدری گھاس پر نیچے نیچے اڑتی ہوئی گنگنا رہی تھیں — نیلا آکاش اوپر سے اپنی نرم نرم روشنی برسا رہا تھا، لیکن میرا دل کتنا اداس تھا...

«کیا تم اس وقت شعر سنا سکتے ہو؟ » زینائیدا نے ایک کہنی پر اپنا بوجھ ڈالتے ہوئے بڑی نرمی سے پوچھا — «مجھے تمہارے

شعر سنانے کا انداز اچھا لگتا ہے — یہ ٹھیک ہے کہ تم اس میں کچھہ اپنا ترنم بھر دیتے ہو لیکن میں اس کی پروا نہیں کرتی —— اس میں اتنی جوانی ہوتی ہے — «جارجیا کی پہاڑیوں پر» سناؤ — ہاں لیکن پہلے بیٹھہ جاؤ — »

میں بیٹھہ گیا اور «جارجیا کی پہاڑیوں پر» سنائی —

«'کیونکہ محبت نہ کرنا تو اس کے بس کی بات ھی نہیں،'»

زینائیدا نے آخری مصرعہ دھرایا — «یہی تو چیز ہے جس کے لئے ہم شاعری پر جان دیتے ھیں — یہ غیر حقیقی چیزوں کو اپنے اندر سموتی ہے اور ان کو ایسا بنا دیتی ہے کہ سننے میں بہتر ھی نہیں بلکہ حقیقی چیزوں سے بھی زیادہ حقیقی لگتی ھیں — 'کیونکہ محبت نہ کرنا تو اس کے بس کی بات ھی نہیں ، یہی تو بات ہے — دل محبت کرنا نہ چاہے اور کئے بنا رہ نہ سکے — » وہ پھر چپ ہو گئی — پھر چونک کر اٹھہ کھڑی ہوئی — «آؤ! مئیدانوف میری اماں کے ساتھہ بیٹھا ہے — وہ میرے لئے اپنی نظم لایا اور میں چلی آئی — وہ بھی بوکھلا گیا ہے... لیکن مجبوری ہے! ایک دن تمھیں سب معلوم ہو جائیگا — اس وقت مجھہ سے ناراض نہ ہونا! »

جلدی سے میرے ھاتھہ کو دباتے ہوئے، زینائیدا آگے آگے دوڑی — ہم دونوں ایک ساتھہ اس کے گھر واپس گئے — مئیدانوف نے اپنی نظم «قاتل» پڑھنا شروع کی جو تازہ تازہ چھپ کے آئی تھی — لیکن میں اسے سن نہیں رہا تھا — وہ چار چار مصرعوں کے بند، گنگناتی ہوئی آواز سے سنا رہا تھا — بندوں کی بحریں بدل رہی تھیں اور برف پر پھسلنے والی گاڑی کی گھنٹیوں کی طرح بج رہی تھیں — زور زور سے بجتی ہوئی کھو کھلی آواز — اور میں زینائیدا

کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا جس سے چھلکا پڑتا تھا کہ وہ ان باتوں کے معنی سمجھنے کی جد و جہد کر رہی ھے جو اس نے مجھہ سے کہی تھیں۔

یا کہیں ایسا تو نہیں کہ ایک چھپے ہوئے رقیب نے
تمھیں بے بس کر دیا ہو؟

مئیدانوف نے یکایک گنگناتی ہوئی آواز میں پڑھا اور میری آنکھیں زینائیدا کی آنکھوں سے چار ہوئیں ۔ اس کی آنکھیں جھک گئیں اور چہرے پر ھلکا سا رنگ آ گیا ۔ میں نے اس کا رنگ فق ہوتے ہوئے دیکھا اور میں سارے بدن سے سن سا ہو گیا ۔ میں پہلے بھی جلتا تھا لیکن اس سے پہلے کبھی بھی یہ وھم نہیں ہوا کہ وہ کسی کی چاھت میں گرفتار ہو گئی ھے ۔ «ھاں! وہ محبت میں گرفتار ھے!»

۱۰

اور تب میرے اصلی دکھوں کا آغاز ہوا۔ میں نے بہت بہت اپنا دماغ لڑایا، ذھن میں تمام باتوں کو الٹ پلٹ کر، کھنگال کر دیکھا، اور جہاں تک ممکن ہو سکتا تھا، چھپ چھپ کر زینائیدا پر نظر رکھنی شروع کر دی ۔ اس میں کچھہ نہ کچھہ تبدیلی تو ہوئی تھی ــــ یہ صاف تھا ۔ وہ اب اکیلی دور دور تک ٹہلتے ہوئے نکل جاتی ۔ کبھی کبھی وہ اپنے یہاں آنے والوں سے ملنے نہ آتی اور گھنٹوں خود کو اپنے کمرے میں بند رکھتی ۔ یہ اس کی ادا نہ تھی ۔ یکایک میری حس کی دھار بہت تیزھو گئی یا کم از کم مجھے ایسا لگا ضرور۔ میں بڑی بے چینی سے، زینائیدا کے پجاریوں میں سے کبھی ایک کو شبہے کی نظر سے دیکھتا اور کبھی دوسرے کو

اور اپنے آپ سے پوچھا کرتا «یہی تو وہ نہیں؟ یا کوئی اور؟» کاؤنٹ مانیوسکی (گرچہ اس اعتراف پر زینائیدا کی خاطر میرا رنگ فق ہو گیا) مجھے سب سے زیادہ خطرناک نظر آیا۔

بلا شبہہ میرے اندازے ٹھیک نہیں تھے اور میری خاموشی اور کم آمیزی بھلا کاھے کو کسی کی آنکھوں میں دھول ڈال سکتی تھی۔ ڈاکٹر لوشین نے سب سے پہلے مجھے تاڑ لیا۔ لیکن حال میں وہ بھی کافی بدل گیا تھا۔ وہ دبلا ہو گیا تھا۔ اور گرچہ وہ پہلے ھی کی طرح خوب ھنستا تھا، اس کا قہقہہ اب کھوکھلا ہو گیا تھا، کڑوا اور مختصر۔ اس کی پچھلی ہلکی پھلکی پھبتیوں اور چوٹوں اور بناوٹی سنکی پن کی باتوں کی جگہ ایک گھبرائی گھبرائی سی جھنجھلاھٹ نے لے لی تھی جس کو دبانے اور چھپانے میں وہ ناکام نظر آتا تھا۔

«میرے نوجوان، آخر تمہیں کون سی چیز یہاں باربار کھینچ لاتی ھے؟» ایک بار جب ھم دونوں شہزادی کے ڈرائنگ روم میں تنہا رہ گئے تو اس نے مجھ سے پوچھا۔ (چھوٹی شہزادی اپنی سیر سے واپس نہیں آئی تھی لیکن ھم اس کی ماں کی گونجتی گرجتی آواز سن سکتے تھے جو دوچھتی میں خادمہ پر برس رھی تھی۔) «ابھی تم کمسن ہو۔۔۔ اور یہ زمانہ تمہارے پڑھنے لکھنے اور کام کرنے کا ھے۔۔۔ اور سوچا ھے کبھی کر کیا رھے ھو تم؟»

«تم یہ کیسے جانتے ھو کہ جب میں گھر پر ھوتا ھوں تو میں کام نہیں کرتا؟» اپنے آپ کو بڑا کائیاں ثابت کرنے کی کوشش کرتے ھوئے میں نے جواب دیا اور میں نے اس طرح اور بھی زیادہ اپنی بوکھلاھٹ کی چغلی کھائی۔

«هاں نہیں جانتا میں؟ نہیں نہیں تم کام کے بارے میں نہیں سوچتے — میں تم سے بحث نہیں کرونگا.. تمہاری عمر میں یہ قدرتی بات ھے — لیکن بدقسمتی سے تمہاری پسند ھی غلط ھے — دیکھتے نہیں تم کس قسم کا گھرانہ ھے یہ؟»

«افسوس ھے کہ تمہاری بات میری سمجھہ میں نہیں آتی —» میں نے کہا —

«نہیں آتی؟ یہ تو تمہارے لئے اور بھی برا ھے! میں اسے اپنا فرض سمجھتا ھوں کہ تمہیں خبردار کر دوں — میرے جیسے گھاگ کنوارے تو بغیر کسی نقصان کے یہاں آ سکتے ھیں — ھم سرد گرم دیکھے ھوئے ھیں — ھمیں کسی چیز سے نقصان نہیں پہنچ سکتا — لیکن تمہاری کھال ابھی نرم و نازک ھے — یہاں کی ھوا تمہارے لئے بری ھے —— میری بات مانو — تمہیں چھوت لگ سکتی ھے —»

«کیا مطلب ھے تمہارا؟»

«بتاتا ھوں میرا کیا مطلب ھے — کیا تم اپنی موجودہ حالت کو صحت مندی کی علامت سمجھتے ھو؟ کیا یہ نارمل بات ھے؟ کیا تم واقعی سمجھتے ھو کہ اس وقت تم جن جذبات سے گزر رھے ھو تمہارے لئے اچھے ھیں؟ کیا تم ایسا سمجھتے ھو؟»

«کیوں، میں کن جذبات سے گزر رھا ھوں؟» میں نے پوچھا حالانکہ دل میں اچھی طرح جانتا تھا کہ ڈاکٹر ٹھیک کہہ رھا ھے —

«نوجوان، نوجوان!» اس نے اس لفظ پر زور دیتے ھوئے کہا جیسے اس میں میرے لئے کوئی انتہائی توھین آمیز بات چھپی ھوئی

ھو۔ «بناوٹ تمھاری لائین کی چیز نھیں — اب تک تمھارا چھرہ تمھاری روح کا آئینہ ھے اور اس کے لئے تم خدا کا شکر ادا کرو! لیکن بات کرنے سے کیا حاصل ھوگا! میں یہاں منڈلاتا نہ پھرتا اگر میں...(ڈاکٹر نے اپنے دانت بھینچ لئے) اگر میں خود بھی اسی قسم کا احمق نہ ھوتا — ایک چیز پر میں حیران ھوئے بغیر نھیں رہ سکتا — اور وہ یہ کہ تمھارے جیسا ذھین آدمی کیسے یہ نھیں بھانپ سکتا کہ یہاں کیا گل کھل رھے ھیں —»

«کیا گل کھل رھے ھیں؟» میں نے فوراً چونک کر دھرایا —

ڈاکٹر نے مجھے تمسخر آمیز ھمدردی کی نظر سے دیکھا —

«بھر حال، کیا خوب آدمی ھوں میں؟» جیسے وہ اپنے آپ سے بول رہا ھو «میں اس کو کیوں بتاؤں؟ مختصر یہ کہ» اس نے اپنی آواز بلند کرتے ھوئے کھا «میں دھراتا ھوں: یہ فضا تمھارے لئے مضر ھے — تم اس کا لطف اٹھا سکتے ھو، لیکن اس سے کیا فائیدہ! پودگھر سے بھی اچھی باس آتی ھے لیکن تم اس میں رہ نھیں سکتے — میری بات مانو میرے دوست اور پھر اپنے کئیدانوف کی کتاب میں غرق ھو جاؤ —»

اسی آن بوڑھی شھزادی ڈاکٹر سے اپنے دانتوں کے درد کا دکھڑا رونے کمرے میں آئی — اس کے بعد زینائیدا آئی —

«لو وہ رھی —» اس کی ماں نے کھا «ڈاکٹر صاحب، ذرا ڈٹ کے ڈانٹ پلاؤ اسے — سارا سارا دن برف کا پانی پیتی رھتی ھے — کیا اس کے کمزور سینے کے لئے یہ اچھا ھے؟»

«تم ایسا کیوں کرتی ھو؟» ڈاکٹر نے پوچھا —

«اور اس سے مجھے کیا نقصان پھنچ سکتا ھے بھلا؟»

«نقصان؟ تمہیں ٹھنڈ لگ سکتی ھے اور مر سکتی ھو— »

«کیا تم سنجیدگی سے کہہ رہے ہو؟ سچ؟ تو پھر میں اس کی زیادہ پروا نہیں کرتی— »

«تو یہ ھے ماجرا» ڈاکٹر بڑبڑایا— اس کی ماں کمرے سے چلی گئی—

«ہاں یہی بات ھے» زینائیدا نے کہا— «لیکن کیا، زندگی اتنی اچھی چیز ھے؟ اپنے چاروں طرف نظر دوڑاؤ... کون سی چیزیں اتنی خوشگوار ھیں؟ کیا تم سمجھتے ھو میں سمجھہ نہیں سکتی، محسوس نہیں کر سکتی؟ برف کا پانی پینے سے مجھے راحت ھوتی ھے اور تم آتے ھو اور بھاری بھرکم انداز میں مجھے یقین دلاتے ھو کہ مجھے اپنی زندگی کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاھئے —— راحت کے ایک لمحے کے لئے —— ھاں میں مسرت کا ذکر نہیں کرتی— »

«میں سمجھتا ھوں» لوشین نے کہا «من موجی پن اور خودسری —— بس یہ دو لفظ تمہارا پورا وجود ھیں —— تمہاری پوری فطرت ان دو لفظوں میں ھے— »

زینائیدا کچھہ گھبرائی گھبرائی سی ھنسی—

«تم وقت سے پچھڑ کر رہ گئے ھو، میرے پیارے ڈاکٹر— تمہارا مشاھدہ کمزور ھے — تم دقیانوسی ھو— تم اپنی عینک لگا لو اور پھر دیکھو تو نظر آئیگا کہ میں اس وقت من موجی موڈ میں نہیں ھوں — تم سب کو الو بنانا اور اس کے بدلے میں خود بھی احمق بننا بڑا دلچسپ مشغلہ ھے —— لیکن جہاں تک خود سر ھونے کا تعلق ھے... موسیو وولدیمار» وہ اپنے ننھے پاؤں پٹک کر اچانک بولی «منہ بسورنا

بند کرو! میں اپنے اوپر ترس کھانا برداشت نہیں کر سکتی! » وہ تیز تیز قدموں سے چلی گئی۔

«نوجوان، فضا تمہارے لئے نا ساز گار ہے، بہت ہی نا ساز گار» ڈاکٹر لوشین نے دھرایا۔

۱۱

اس شام، زاسیکین خاندان کے گھر، عام طور پر آنے والے مہمان اکٹھے ہوئے۔ میں بھی ان میں تھا۔

مئیدانوف کی نظم کے متعلق بات چل نکلی۔ زینائیدا نے خلوص سے اس کی تعریف کی۔ «لیکن میں ایک بات کہوں گی! » اس نے کہا «اگر میں شاعر ہوتی تو میں بالکل مختلق موضوع چنا کرتی۔ شاید یہ سب بکواس ہو لیکن میرے ذھن میں عجیب عجیب خیال ابھرتے ھیں، خاص طور پر جب میں سو نہیں پاتی اور ٹھیک پو پھٹنے سے پہلے جب آسمان کا رنگ گلابی اور فاختئی ہو جاتا ہے۔ میں...، لیکن میں ڈرتی ہوں تم ھنس دو گے۔»

«نہیں ہم نہیں ھنسینگے! » ہم سب ایک ساتھ چلائے۔

«میں یہ بیان کرونگی» اس نے اپنی بانہیں باندھتے ہوئے اور دور دیکھتے ہوئے کہا «رات کا وقت ہے، ایک خاموش ندی میں ایک بڑی سی کشتی، نوجوان لڑکیوں کے جھرمٹ کو اپنی آغوش میں لئے، تیر رھی ہے۔ چاند چمک رہا ہے۔ وہ سب سفید جوڑوں میں ھیں اور ان کے سروں پر سفید پھولوں کے تاج ھیں اور وہ ایک روحانی گیت یا کوئی اسی قسم کی چیز گا رھی ھیں۔»

«اچھا، اچھا آگے چلو آگے» مٹیدانوف نے، خواب آلود اور معنی خیز انداز میں، اپنی آواز کو کھینچ کر کہا۔

▪ یکایک —— ساحل پر، شور اٹھا، قہقہے، مشعلیں اور طنبورے کی آواز... مے خواروں کا ایک گروہ دوڑتا، گاتا اور شور مچاتا آتا ہے — جناب شاعر، تصویر کشی آپ کا کام ہے... میں صرف چاہتی ہوں کہ مشعلیں غضب کی سرخ ہوں اور ان سے قیامت کا دھواں اٹھ رہا ہو، اور مے خواروں کی آنکھیں ان کے پھولوں کے تاج کے سائے میں چمک رہی ہوں، اور ہاں پھولوں کے تاج کالے ہوں — ہاں شیر کی کھالیں ہوں، جام و ساغر ہوں اور سونا بہت بہت سا سونا ہو، بھول نہ جانا —»

«تم سونا رکھوگی کہاں؟» مٹیدانوف نے اپنے سیدھے بالوں کو پیچھے جھٹکتے ہوئے اور نتھنوں کو پھڑکاتے ہوئے پوچھا —

«کہاں؟ ان کے کندھوں پر، بازوؤں پر، پیروں پر، تمام! کہتے ہیں پرانے زمانے میں عورتیں سونے کی پازیب پہنتی تھیں — ہاں مےخوار کشتی میں بیٹھی ہوئی دوشیزاؤں کو آواز دیتے ہیں — دوشیزاؤں نے گانا بند کر دیا ہے —— وہ آگے نہیں جا سکتیں —— لیکن وہ چپ بیٹھی رہتی ہیں — ان کی کشتی ساحل کی طرف تیرنے لگتی ہے — اور یکایک ان کے درمیان سے ایک دوشیزہ ہولے ہولے اٹھتی ہے — اس کے بیان اور تشریح کے لئے بڑی اچھوتی فنکاری کی ضرورت ہے — جس طرح وہ، چاندنی میں، خاموشی سے اٹھتی ہے اور اس کی سہیلیوں میں ایک ہلچل سی مچ جاتی ہے... وہ قدم اٹھاتی ہے اور کشتی کے ایک کنارے آ جاتی ہے — مے خوار اس کے چاروں طرف جمع ہو جاتے ہیں اور اسے اٹھا لے جاتے ہیں، رات کی گہرائیوں

میں، اندھیرے میں... میں دیکھہ سکتی ہوں— دھواں، دھوئیں کے بادل، ھلچل... اور ان کے درمیان ابھرتی ہوئی سے خواروں کی چیخیں اور دوشیزہ کا سفید پھولوں کا تاج ساحل پر یوں پڑا ھوا —»

زینائیدا چپ ھو گئی — «وہ محبت کرتی ھے!» میں نے اپنے آپ سے کہا —

«بس؟» مئیدانوف نے پوچھا —

«بس!» اس نے جواب دیا —

«یہ موضوع بڑی نظم کے لئے نہیں ھے» مئیدانوف نے شان و شوکت کے ساتھہ کہا «لیکن میں تمہارے خیال کو ایک غنائی تخلیق میں استعمال کر سکتا ھوں —»

«رومانی لہر میں؟» مالیوسکی نے پوچھا —

«رومانی انداز میں، بائیرن کے انداز میں — »

«میں بائیرن پر وکٹر ھیوگو کو ترجیح دیتا ھوں» نوجوان کاؤنٹ نے بے پروائی سے کہا «وہ زیادہ دلچسپ ھے — »

«وکٹر ھیوگو ایک اعلی درجے کا ادیب ھے» مئیدانوف نے کہا «اور میرے دوست تونکوشیئیف نے اپنے اسپینی ناول «ایل تروواِدور» میں... »

« کیا تمہاری مراد اس کتاب سے ھے جس میں الٹا سوالیہ نشان بنا ھوا ھے؟» زینائیدا نے بات کاٹ کر پوچھا —

«یہ اسپینی قاعدہ ھے — میں کہہ رہا تھا کہ تونکوشیئیف... »

«اب تم پھر کلاسیکیت اور رومانیت کی بحث شروع کرنے والے ھو!» اس کی بات کاٹتے ہوئے پھر زینائیدا نے کہا — «بہتر ھوگا کہ ھم کچھہ کھیلیں... »

«تاوان؟» لوشین نے پوچھا —

«نہیں میں تاوان سے اکتا چکی ہوں — آؤ ہم تشبیہ کھیلیں — (یہ کھیل خود زینائیدا کی ایجاد تھا — کوئی موضوع چن لیا جاتا اور ہر شخص اس کی تشبیہ بتاتا اور جس کی تشبیہ سب سے اچھی ہوتی، اس کو انعام ملتا —) وہ ٹہلتی ہوئی کھڑکی کے پاس گئی — آفتاب ابھی ابھی غروب ہوا تھا — لمبے لمبے سرخ بادل دور آسمان کی بلندیوں میں پھیلے ہوئے تھے —

«یہ بادل کیسے معلوم ہوتے ہیں؟» زینائیدا نے پوچھا اور کسی کا انتظار کئے بغیر خود ہی کہنا شروع کر دیا «مجھے تو یوں لگتے ہیں جیسے یہ قلوپطرہ کی سنہری کشتی کے سرخ بادبان ہیں جب وہ انتونی سے ملنے گئی تھی — زیادہ عرصہ نہیں ہوا، مئیدانوف تمہیں یاد ہے، تم نے اس کے متعلق بتایا تھا؟»

اور ہم سب نے، «ہملٹ» کے پولونیس کی طرح، اسی آن یہ فیصلہ کر لیا کہ یہ بادل بالکل ان بادبانوں کی طرح ہیں اور یہ کہ کوئی دوسرا اس سے بہتر تشبیہ تلاش نہیں کر سکتا —

«اس وقت انتونی کی عمر کیا تھی؟» زینائیدا نے پوچھا —

«شاید وہ بالکل جوان تھا» مالیوسکی نے کہا —

«ہاں وہ نوجوان تھا» مئیدانوف نے اثباتی طور پر کہا —

«معاف کرنا» لوشین بولا «اس کی عمر چالیس کے اوپر تھی —»

«چالیس کے اوپر!» زینائیدا نے لوشین پر ایک تیز نگاہ ڈالتے ہوئے دہرایا —

اس کے بعد جلد ہی میں گھر چلا گیا — «وہ محبت کرتی ہے» میں بے اختیار بڑبڑایا «لیکن وہ کس سے محبت کرتی ہے؟»

۱۲

دن بیتتے رهے — زینائیدا زیادہ سے زیادہ عجیب نظر آنے لگی اور میری سمجھه سے بالا، بہت بالا ہوتی گئی — ایک بار میں اس کے کمرے میں گیا تو دیکھا کہ وہ بید کی کرسی پر بیٹھی ھے اور اس کا سر میز کے سخت کنارے پر رکھا ہوا ھے — وہ اٹھه بیٹھی اور میں نے دیکھا کہ اس کے گال آنسوؤں سے بھیگے ہوئے ھیں —

«ارے تم ہو؟» وہ بولی اور جلانے کے انداز میں مسکرائی — «ادھر آؤ!»

میں اس کے پاس گیا — اس نے اپنا ھاتھه میرے سر پر رکھا اور میرے بالوں کی ایک لٹ کو پکڑ کر مڑوڑنے لگی —

«مجھے تکلیف ہو رہی ھے» میں نے آخر کہا —

«اوہ اس سے تکلیف ہوتی ھے، واقعی؟ اور کیا تم سمجھتے ہو کہ میں دکھه نہیں اٹھاتی؟» اس نے کہا —

«اوہ!» جب اس نے دیکھا کہ اس نے بالوں کا ایک گچھا جڑ سے نوچ لیا ھے تو اچانک چلا اٹھی — «ذرا دیکھنا میں نے کیا کر دیا! بیچارا موسیو وولدیمار!»

احتیاط سے اس نے گچھے کو برابر کیا اور اپنی انگلی کے گرد لپیٹ کر اس کی انگوٹھی بنا لی —

«میں تمھارے بال اپنے تعویذ میں رکھه کر پہنونگی» اس نے کہا اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے چمک رہی تھیں — «شاید اس سے تمھارے دل پر کچھه پھایا پڑے... اب جاؤ!»

میں گھر پہنچا تو وھاں ایک ھنگامہ کھڑا تھا — ابا اور اماں کے درمیان کسی بات پر جھگڑا چھڑا ہوا تھا — اماں ان کو برا

بھلا کہہ رہی تھیں اور انہوں نے بدستور، سرد مہری سے اپنی بات
کہی اور جلد ھی چل دئے — میں یہ نہیں سن سکا کہ اماں نے کیا
کہا — دوسرے میرے سوچنے کو دوسری باتیں پڑی تھیں — مجھے
صرف اتنا یاد ھے کہ اس جھگڑے کے بعد اماں نے مجھے اپنے کمرے
میں بلایا اور شہزادی کے گھر میرے باربار جانے پر رنج کا اظہار
کیا — جو ان کے خیال میں une femme capable de tout * تھی — میں
نے ان کا ھاتھہ چوما (جب کبھی میں یہ بتانا چاھتا تھا کہ
بات چیت ختم تو میں یہی کرتا تھا) اور اپنے کمرے میں چلا گیا —
زینائیدا کے آنسوؤں نے مجھے بالکل چکرا دیا تھا — میری سمجھہ میں
نہیں آتا تھا کہ اس کا کیا مطلب سمجھوں اور میں خود رونے پر تلا ھوا
تھا — عمر تو خیر تھی ھی سولہ برس، میں اب تک بچہ تھا — میں
اب مالیوسکی کے بارے میں نہیں سوچ رھا تھا — گرچہ بیلوزوروف
روز بروز زیادہ سے زیادہ وحشیانہ رنگ اختیار کرتا جا رھا تھا — وہ
گدگدے کاؤنٹ کو یوں نفرت سے گھورتا تھا جیسے بھیڑیا بھیڑ کے
بچے کو دیکھتا ھے — سچی بات تو یہ ھے کہ میں کسی چیز یا
کسی کے بارے میں نہیں سوچ رھا تھا — میں اپنے خیالات میں کھویا
ھوا تھا اور سنسان اور تنہا جگہوں کی تلاش میں رہتا — ٹوٹے پھوٹے
پود گھر سے مجھے خاص رغبت ھو گئی — میں اس کی اونچی دیوار
پر چڑھہ جاتا اور ایک دکھی اور اکیلے نوجوان کی طرح بیٹھا رہتا
اور خود اپنے لئے بہت رنج اٹھاتا — اور میں غم کے ان احساسات
کا کتنا لطف اٹھاتا، میں گرد اور مٹی پر کس طرح لوٹا کرتا!

---

* ھر جائی عورت —

ایک دن میں دیوار پر بیٹھا، دور دیکھہ رہا تھا اور گرجا گھر کے گھنٹوں کی گونج سن رہا تھا... یکایک میرے جسم میں ایک کپکپی اور سنسنی سی دوڑ گئی —— یہ گزرتی ہوئی ہوا کی موج کا لمس یا جھرجھری نہ تھی، یہ ایک احساس تھا کہ کوئی میرے قریب ھے... میں نے نیچے دیکھا — میرے نیچے، زینائیدا، بھورے لباس میں تیز تیز قدموں سے چلی جا رہی تھی — اس کے کندھے پر دھوپ سے بچنے کے لئے گلابی رنگ کی چھتری رکھی ہوئی تھی — اس نے بھی مجھے دیکھہ لیا اور رک گئی — اس نے اپنی تنکوں والی ٹوپی کا کنارا اوپر سرکاتے ہوئے اور اپنی مخملیں آنکھوں کو اوپر اٹھاتے ہوئے مجھے دیکھا —

«تم وہاں کیا کر رہے ہو؟» اس نے کچھہ عجیب انداز سے مسکراتے ہوئے پوچھا — «ہاں!» وہ بولی «تم ھمیشہ میرے سامنے اپنی محبت کا دم بھرتے رہتے ہو —— چلو وہاں سے سڑک پر کود جاؤ تو میں جانوں کہ تم سچ مچ مجھے چاہتے ہو —»

مشکل سے ابھی الفاظ اس کے منہ سے نکلے ھی تھے کہ میں نے نیچے چھلانگ لگا دی، جیسے کسی نے پیچھے سے مجھے دھکیل دیا ہو — دیوار کوئی چودہ فٹ اونچی تھی — میں اپنے پیروں پر گرا، لیکن چوٹ اتنی زوردار تھی کہ میں کھڑا نہ رہ سکا اور گر کر ایک لمحے کو بے ہوش ہو گیا — جب میں ہوش میں آیا تو اپنی آنکھیں کھولے بغیر ھی میں نے زینائیدا کو اپنے قریب محسوس کیا — «اف میرے پیارے!» وہ میرے اوپر جھکی ہوئی کہہ رہی تھی — اس کی آواز میں بے قراری اور محبت تھی — «تم نے ایسا کیوں کیا؟

تم نے میری بات سنی کیوں؟ تم جانتے ہو کہ میں تمہیں چاہتی ہوں — اٹھو! »

میں نے اپنے قریب اس کے سینے کے زیر و بم کو اور اس کے ہاتھ کو اپنے سر پر سرکتے ہوئے محسوس کیا اور پھر—— اف پھر! اس کے نرم، شاداب ہونٹوں نے میرے منہ پر پیار کی بارش شروع کر دی ... ان ہونٹوں نے میرے ہونٹوں کو بھی چھوا ... لیکن زینائیدا نے میرے چہرے کی کیفیت سے جان لیا ہوگا کہ میں اب بے ہوش نہیں ہوں — اس لئے کہ وہ یکایک یہ کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی:

«اچھا، اے شریر لڑکے اب اٹھو، دیوانے کہیں کے! وہاں گرد و غبار میں مت پڑے رہو! » میں اٹھ کھڑا ہوا — «لاؤ میری چھتری دو» زینائیدا نے کہا «ذرا دیکھنا کہاں گرایا میں نے اسے! اور مجھے یوں دیکھنا بند کرو ... یہ حماقت ہے! کیا تمہیں چوٹ لگی؟ ارے تمہیں کانٹے تو نہیں چبھے! میں کہہ رہی ہوں مجھے یوں نہ دیکھو! لیکن لو وہ تو میری سنتا ہی نہیں، منہ سے پھوٹتا بھی نہیں» اس نے جیسے اپنے آپ سے کہا ہو — «موسیو وولدیمار اب گھر جاؤ — اپنے کپڑے جھاڑو، اور خیال رہے میرا پیچھا مت کرنا ورنہ میں ناراض ہو جاؤنگی اور پھر کبھی ... »

اپنا جملہ پورا کئے بغیر وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی چل دی اور میں سڑک کے کنارے بیٹھا رہا کیونکہ میرے گھٹنے کانپ رہے تھے — میرے ہاتھوں میں کانٹے چبھ گئے تھے، میری پیٹھ دکھ رہی تھی اور میرا سر چکرا رہا تھا لیکن اس کے بعد مجھے پھر کبھی وہ روحانی انبساط نصیب نہیں ہوا جو اس وقت ہو رہا تھا — میں

نے محسوس کیا کہ تمام جوڑوں میں میٹھا میٹھا درد ہو رہا ہے اور آخر میں اس کا اظہار خود فراموشی میں ڈوبی ہوئی ہچکیوں اور چیخوں کے روپ میں ہوا — واقعی میں اب تک ایک بچہ ہی تھا —

۱۳

اس روز، دن بھر، میں اتنا نازاں نازاں اور خوش خوش رہا — زینائیدا کے بوسوں کا لمس میرے منہ پر اب تک تازہ تھا — مجھے ایک ایک لفظ یاد آ رہا تھا جو اس نے مجھ سے لرزاں لرزاں سی خودفراموشی کے عالم میں کہا تھا، میں اپنی خوش نصیبی کو اتنے چاؤ اور جذبے سے یاد کر رہا تھا کہ میں کچھ ڈر سا گیا اور—— اس کو دیکھنے کو بھی جی نہ چاہتا تھا —— اس کو، جو ان تمام نئے احساسات کا سر چشمہ تھی — میں نے محسوس کیا جیسے مجھے اپنی قسمت سے اور کچھ نہیں مانگنا —— جیسے یہ وہ لمحہ ہو جب «مجھے آخری سانس لے کر مر جانا چاہئے» — بہر حال، جب دوسرے دن میں شہزادی کے گھر کی طرف چلا تو اندر ہی اندر دل میں کھدبد ہو رہی تھی اور میں نے بیکار اسے ایک انکسار آمیز بے تکلفی کے پردے میں چھپانے کی کوشش کی — میرے خیال میں یہ کوشش ایک ایسے آدمی کے لئے مناسب تھی جو یہ دکھانا چاہتا ہو کہ وہ راز کو دل میں چھپا کر رکھنے کا گر جانتا ہے — زینائیدا حسب معمول مجھ سے ملی — ذرا سا بھی کسی قسم کے جذبات کو چھلکنے نہ دیا — اس نے صرف انگلی ہوا میں لہرائی اور مجھ سے پوچھا کہ کہیں مجھے خراش وراش تو نہیں آئی — میری انکسار آمیز بے تکلفی اور پراسرار کیفیت فوراً ہی رفوچکر ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی

میری خود آگہی اور جھینپوپن بھی کا فور ہو گیا — ظاہر ہے مجھے زینائیدا سے کسی جذباتی نمائش کی توقع تو نہ تھی، پھر بھی زینائیدا کے ملنے جلنے کے پرسکون انداز نے ٹھنڈے فوارے کا کام کیا — میں نے محسوس کیا کہ میں اس کی نظروں میں ایک بچے کے سوا اور کچھہ بھی نہیں ہوں —— اور اس سے دل پر جو اوس پڑی ہے، کیا بتاؤں! زینائیدا فرش پر ٹہلتی رہی اور جب کبھی اس کی آنکھیں میرے چہرے پر جمتیں اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھرتی اور غائب ہو جاتی — لیکن اس کے خیالات کہیں دور تھے — میں یہ صاف دیکھہ رہا تھا — «کیا میں خود کل والی بات کا ذکر چھیڑوں؟» میں نے سوچا «کیا، محض اپنے شبہوں کو ختم کرنے کے لئے ہی سہی، اس سے پوچھہ دیکھوں کہ وہ اتنی جلدی میں کہاں جا رہی تھی ...» لیکن میں نے اس خیال کو دماغ سے نکال دیا اور کمرے کے تاریک کونے میں خاموش بیٹھا رہا —

بیلوزوروف اندر آیا اور اسے دیکھہ کر مجھے واقعی خوشی ہوئی —

«میں تمہاری شہسواری کے لئے کوئی سدھا ہوا گھوڑا حاصل نہ کر سکا» اس نے ذرا تیکھے انداز میں کہا — «فرائیتاگ (٤) ایک گھوڑے کا وعدہ تو کرتا ہے — لیکن مجھے اس کے مزاج کا حال معلوم نہیں — میں ڈرتا ہوں — »

«اور تمہیں ڈر کس بات کا ہے ؟» زینائیدا نے پوچھا «ذرا اس پر روشنی تو ڈالو مہربانی سے — »

«کیوں ؟ تم جانتی ہو کہ تم واقعی سواری نہیں کر سکتیں — خدا نخواستہ تمہیں کچھہ ہو جائے تو ! اور آخر یکایک تمہیں شہسواری کا شوق کیسے چرایا ؟»

« میرے پیارے جناب مجنوں، اس سے تمھیں کوئی سروکار نہیں — لیکن ہاں میں پیوتر وسیلئیوچ سے کہہ سکتی ہوں... » (میرے ابا کا نام پیوتر وسیلئیوچ تھا — اس نے اتنی بیساختگی اور بے پروائی سے ان کا نام لیا کہ میں حیران رہ گیا جیسے اسے اس کا پورا یقین ہو کہ وہ اس کی درخواست پوری کرنے کے لئے فوراً تیار ہو جائینگے —)

«سمجھا» بیلوزوروف نے کہا — «اچھا تو ان کے ساتھ تم شہسواری کے لئے جانا چاہتی ہو؟»

«چاہے میں ان کے ساتھ شہسواری کے لئے جاؤں یا اور کسی کے ساتھ، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا — بہر حال میں تمھارے ساتھ نہیں جاؤنگی — »

«میرے ساتھ نہیں» بیلوزوروف نے دہرایا — «جیسی تمھاری مرضی — اچھا، میں تمھارے لئے ایک گھوڑا لے آؤنگا — »

«یاد رہے، گھوڑا ہونا چاہئے گھوڑا، گائے نہیں — میں جتائے دیتی ہوں کہ میں شہسواری کرنا چاہتی ہوں — »

«جاؤ تو پھر کرو شہسواری تم! کیا تم مالیوسکی کے ساتھ شہسواری کرنا چاہتی ہو؟»

«اور مالیوسکی کے ساتھ کیوں نہ جاؤں، میرے بہادر سپاہی؟ اچھا، بس، بس، آپے میں آؤ اور اس طرح مجھے نہ گھورو! میں تمھیں بھی لے جاؤنگی — تم جانتے ہو اب مالیوسکی میری نظر میں کیا حیثیت رکھتا ھے... آخ!» اس نے اپنے سر کو پیچھے جھٹک دیا —

«یہ تم محض میرا دل رکھنے کو کہتی ہو» بیلوزوروف بڑبڑایا —

زینائیدا نے اس کو آنکھیں میچ کر دیکھا —

«اور اس سے تمہارے دل پر پھایا پڑتا ہے؟ اوہ تم...، سپاھی! »

اس نے یہ لفظ یوں ادا کیا جیسے وہ کوئی اور گالی دینے میں نا کام رہ گئی ہو— «اور تم، موسیو وولدیمار، کیا تم ہمارے ساتھہ چلوگے ؟ »

«میں ... میں بہت زیادہ لوگوں کے ھجوم میں ھونا پسند نہیں کرتا...» میں بڑبڑایا اور مجھے آنکھیں اٹھانے کی جرأت نہ ھوئی—

«اوہ، تم تو شاید tête-à-tête...* پسند کروگے؟ اچھا، بہت اچھا، جیسی روح ویسے فرشتے» اس نے ٹھنڈی سانس لی— «اچھا تو، اب بیلوزوروف جاؤ اور دیکھو کیا کر سکتے ھو تم! میں کل گھوڑا چاھتی ھوں— »

«اور روپیہ کہاں سے آئیگا؟ » بڑی شہزادی نے بیچ میں ٹپکتے ھوئے پوچھا—

زینائیدا کی تیوریاں چڑھہ گئیں—

«میں تم سے نہیں مانگونگی— بیلوزوروف مجھہ پر بھروسہ کریگا— »

«بھروسہ، بھروسہ... » شہزادی بڑبڑائی اور پھر یکایک پورے زور سے چیخی «دونیاشکا! »

« Maman میں نے تمہیں گھنٹی کس واسطے دی ھے ؟» اس کی بیٹی بولی—

«دونیاشکا!» عورت پھر چلائی—

بیلوزوروف رخصت ھوا— میں بھی اس کے ساتھہ ھی باھر چلا گیا... زینائیدا نے مجھے روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی—

---

* کانوں میں کھسر پھسر کرنا—

١٤

میں اگلی صبح، سویرے ہی اٹھا، اپنے لئے ایک چھڑی کاٹی اور شہر کے پھاٹک سے باہر نکل گیا — «میں باہر جاؤنگا — » میں نے اپنے آپ سے کہا «اور اپنا غم غلط کرنے کی کوشش کرونگا — » دن شاندار تھا، روشن لیکن زیادہ گرم نہیں — زمین پر تازہ ہوا کھیل رہی تھی، ہولے ہولے دوڑتی ہوئی سرسرا رہی تھی، اور ہنگامہ مچائے بغیر ہر چیز کو گدگدا رہی تھی، چھیڑ رہی تھی — میں دیر تک پہاڑیوں اور جنگلوں میں گھومتا رہا — مجھے خوشی محسوس نہ ہوئی کیونکہ میں تو گیا ہی اس ارادے سے تھا کہ خود کو اپنے غم کے سپرد کر دوں — لیکن جوانی، حسین فضا، تازہ ہوا، تیز تیز چلنے کی راحت اور گھنی گھاس پر تنہائی میں اطمینان بخش آرام —— ان سب نے مل کر اپنا کام کیا — ان کبھی نہ بھلائی جانے والی باتوں اور ان بوسوں کا خیال میری روح میں رچنے لگا — میں بڑی طمانیت کے احساس کے ساتھہ غور کرتا رہا کہ زینائیدا اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکیگی کہ مجھہ میں عزم بھی ہے اور ہمت بھی... «وہ دوسروں کو مجھہ پر ترجیح دیتی ہے —— اچھا! لیکن دوسرے محض باتیں بناتے ہیں کہ وہ کیا کچھہ کر سکتے ہیں... جبکہ میں نے یہ واقعی کر دکھایا! اور یہ تو اس کے مقابلے میں کچھہ بھی نہیں جو میں اس کی خاطر کر سکتا ہوں!..»

میں نے اپنے تصور کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی — میں نے دیکھا کہ میں اس کو دشمنوں کے چنگل سے بچا رہا ہوں، میں سر سے پاؤں تک خون میں نہایا ہوا ہوں، اس کو کسی قلعے کے تہہ خانے سے چھٹکارا دلانے کے بعد، اس کے قدموں پر جان دے رہا ہوں —

مجھے اپنے ڈرائنگ روم میں لٹکی ہوئی ایک تصویر یاد آئی جس میں ملک عادل اپنے گھوڑے پر ماتلدے کو بٹھائے سرپٹ بھاگا چلا جارہا ہے — اس کے بعد میری نظریں ایک دھبےدار کھٹ بڑھئی پر پڑی، جو بڑے زورشور سے برچ کے ایک پتلے لمبے پیڑ کے تنے پر چڑھتی تھی اور پھر بڑے اشتیاق سے کبھی ایک طرف جھانک کر دیکھتی اور کبھی دوسری طرف — ایک کھرج‌دار آواز والے گوئیے کی طرح جو اپنے ساز کے پیچھے بیٹھا ہو —

پھر میں نے تان اڑائی «یہ سفید برف تو نہیں تھی» — اس کے بعد میں ایک آلھا گانے لگا جو اس وقت بہت مشہور تھا «میں تمھارا انتظار کر رہا ہوں جبکہ اٹھلاتی ہوئی ہوا —» اس کے بعد میں نے، خومیاکوف کی المیہ تخلیق سے یرماک والا وہ حصہ زور زور سے پڑھنا شروع کیا جس میں وہ ستاروں سے بات کرتا ہے — میں نے خود ایک جذباتی لہر کے ساتھ ایک نظم کہنے کی کوشش کی یہاں تک کہ میں نے وہ مصرعہ بھی کہہ لیا جس پر نظم کو ختم ہونا تھا: «آہ زینائیدا ،واہ زینائیدا! » لیکن اس کاوش کا کوئی نتیجہ نہ نکلا — اور اب کھانے کا وقت قریب آ گیا تھا — میں وادی میں اترا جس کے ساتھ ساتھ ایک ریتیلا بل کھاتا ہوا راستہ شہر کی طرف چلا گیا تھا — ابھی میں اسی راستے پر چل رہا تھا کہ مجھے اپنے پیچھے ٹاپوں کی خالی خولی آوازیں سنائی دیں — پیچھے مڑکر دیکھتے ہوئے میں نے غیر ارادی طور پر اپنی ٹوپی اتار لی اس لئے کہ سوار زینائیدا اور ابا تھے — دونوں کے گھوڑے ایک دوسرے کے برابر برابر چل رہے تھے — میرے ابا، اپنا ہاتھ اپنے گھوڑے کی گردن پر جمائے اور اپنی زین پر ذرا جھکے ہوئے، اس سے کچھ کہہ رہے

تھے — وہ مسکرا رہے تھے — زینائیدا خاموشی سے ان کی بات سن رہی تھی، اس کی آنکھیں بڑے تیکھے انداز میں جھکی ہوئی تھیں اور اس کے لب بھنچے ہوئے تھے — شروع میں میں نے صرف ان دونوں کو دیکھا لیکن چند لمحے بعد مجھے بیلوزوروف بھی نظر آیا جو راستے کے بل کھانے کی وجہ سے چھپا ہوا تھا — وہ دھکتے ہوئے کوئلے کی طرح سیاہ گھوڑے پر سوار تھا اور ھساروں کی وردی اور سمور کے کنارے والا لبادہ پہنے ہوئے تھا — اس کا گھوڑا اپنا سر جھٹک رہا تھا اور نتھنے پھڑکا اور چھینک رہا تھا اور اس کا سوار بیک وقت اس کی لگام بھی کھینچ رہا تھا اور اسے مہمیز لگاکر آگے بھی بڑھا رہا تھا — میں راستے کے کنارے ھٹ گیا — میرے ابا نے لگام بسنبھالی اور زینائیدا کے پاس سے ھٹ گئے — زینائیدا نے اپنی نرم رو نظروں سے ان کا پیچھا کیا اور دونوں میرے پاس سے گزر گئے — ان کے پیچھے بیلوزوروف بھاگا — اس کی تلوار سے جھنکار پیدا ھو رہی تھی...
«ارے یہ تو جھینگا مچھلی کی طرح لال ھو رھا ھے» میں نے سوچا «اور وہ... وہ اتنی زرد کیوں ھے؟ ساری صبح وہ شہسواری کرتی رہی ھے اور پھر بھی اتنی زرد؟»

میں نے اپنے قدم تیز کئے اور کھانے پر، ٹھیک وقت سے پہنچ گیا — ابا کپڑے بدل چکے تھے اور منہ ھاتھہ دھوکر تازہ‌دم، میری اماں کی کرسی کے پاس بیٹھے تھے اور «Journal des Débats»* سے ایک مضمون اپنی نرم اور ھموار آواز میں سنا رہے تھے — میری ماں کچھہ کھوئی کھوئی سی سن رہی تھیں اور جیسے

---

* فرانسیسی اخبار کا نام —

ھی میں نظر آیا مجھہ سے پوچھنے لگیں اس پورے وقت میں کیا کرتا رھا تھا اور ساتھہ ھی انھوں نے یہ بھی کہا کہ وہ ایسے لوگوں سے نفرت کرتی ھیں جو جانے کہاں کہاں اور کیسی کیسی صحبتوں میں مارے پھرتے ھیں — یہ بات میری زبان پر آکے رہ گئی کہ میں تن تنہا ٹہلنے کے لئے باھر گیا تھا — لیکن ابا پر نظر پڑتے ھی میں نے اپنی زبان پر تالا ڈالنے کا فیصلہ کر لیا —

۱۵

اگلے پانچ چھہ دن زینائیدا کی ھلکی سی جھلک بھی نظر نہ آئی — اس نے بیماری کا بہانہ کیا لیکن حسب معمول آنے والے مہمان (بقول خود) اپنا فرض بجا لانے سے باز نہ آتے —— وہ سب آتے سوائے مئیدانوف کے — جہاں کہیں جوش و خروش کی کمی ھوتی، اس کا دل ٹوٹ جاتا اور اس پر افسردگی طاری ھو جاتی — بیلوزوروف، گردن تک بٹن لگائے، منہ لال کئے، آزردہ اور روٹھا روٹھا بیٹھا رھتا — کاؤنٹ مالیوسکی کے نرم چہرے پر ایک ناخوشگوار مسکراھٹ ابھرتی ڈوبتی رھتی — وہ زینائیدا کے عتاب میں تھا اور وہ بوڑھی شہزادی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے پہلے سے بھی زیادہ کھویا ھوا تھا — واقعہ تو یہ ھے کہ وہ ایک کرائے کی گاڑی میں اس کو گورنر جنرل کے یہاں لے گیا — لیکن ملاقات ناکام رھی اور اس کا نتیجہ خود مالیوسکی کے لئے ناخوشگوار نکلا — اس کو ایک واقعہ کی یاد دلائی گئی جس میں ریل گاڑی کے کئی افسروں کا ھاتھہ تھا اور اس نے اپنی صفائی میں اس زمانے کی دفاعی تجربے کی کمی کا عذر پیش کیا — لوشین دن میں ایک یا دو بار آ جاتا لیکن کبھی زیادہ دیر نہیں

ٹھہرتا — اس سے اپنی پچھلی بات چیت کے بعد سے ذرا خوف زدہ رہنے لگا تھا لیکن ساتھہ ھی میں صحیح معنی میں اس کی طرف کھنچ رہا تھا — ایک بار وہ میرے ساتھہ نسکوچنی باغ میں چہل قدمی کے لئے گیا اور بڑی دوستی اور خوش دلی سے پیش آیا — اس نے مختلف قسم کے پودوں اور پھولوں کے نام بتائے — پھر یکایک خود اپنی بات کاٹ کر، اپنی بھویں جوڑتا اور بے ربط طور پر بول اٹھتا «میں واقعی بیوقوف تھا، میں اسے محض فلرٹ سمجھتا تھا — ظاهر ھے ابھی ایسے لوگ ھیں جو اپنی قربانی سے لطف اٹھاتے ھیں — »

«اس سے تمہارا کیا مطلب ھے؟ » میں نے پوچھا —

«کچھہ بھی نہیں —— خاص طور پر تمہارے کانوں کے لئے! » لوشین نے ذرا تیزی سے کہا —

زینائیدا مجھہ سے دامن بچاتی تھی — میں یہ دیکھے بنا نہ رہ سکا کہ مجھے دیکھنا اسے بھاتا نہ تھا — ایسا معلوم ھوتا تھا کہ مجھے دیکھتے ھی اس کا منہ خود بخود میری طرف سے پھر جاتا ھے اور یہی تو اتنی درد انگیز اور نا قابل برداشت چیز تھی — لیکن اس پر اپنا کوئی بس نہ تھا اور میں اس کی نظروں سے دور رہنے کی کوشش کرتا — صرف دور سے میں اسے دیکھا کرتا لیکن اس میں مجھے ہمیشہ کامیابی نہیں ھوتی تھی — اب بھی اس کے اندر کوئی نا قابل فہم چیز پک رہی تھی — اس کا چہرہ کچھہ سے کچھہ ھو گیا، اس کا پورا وجود بدل کر رہ گیا تھا — اس کی تبدیلی کا رنگ تو ایک گرم اور خاموش شام کو مجھہ پر بڑی شدت کے ساتھہ کھلا — میں سفید پھولوں والے بوزینہ کے گھنے پیڑ تلے ایک نیچی سی بنچ

پر بیٹھا تھا — یہ میری محبوب جگہ تھی — میں وہاں سے زینائیدا کی کھڑکی کو دیکھہ سکتا تھا — میں وہاں بیٹھا تھا اور ایک چھوٹی سی چڑیا، اندھیر میں کھوتی ہوئی پتیوں میں میرے سر کے اوپر پھر پھر اڑ رہی تھی — ایک بھوری بلی، اپنی پیٹھہ کو تانتی ہوئی، دبے پاؤں باغ کے اندر گھسی، گرچہ اب روشنی مر چکی تھی پھر بھی بھونرے صاف اڑتے ہوئے نظر آ رہے تھے اور فضا ان کی بوجھل بھنبھناھٹ سے بھری ہوئی تھی — میں بیٹھا، اس امید میں کہ شاید کھڑکی کھل جائے، اس کو گھورتا رہا — اور جلد ھی واقعی یہ کھل گئی اور اس میں زینائیدا نظر آئی — وہ سفید لباس میں تھی اور وہ خود —— اس کا چہرہ، اس کے شانے، اس کی بانہیں —— قریب قریب اس کے لباس کی طرح سفید تھیں — بہت دیر تک وہ بےحس و حرکت کھڑی رہی اور اپنی جڑی ہوئی بھوؤں کے ساتھہ اپنے سامنے ٹکٹکی باندھہ کر دیکھتی رہی — میں نے کبھی اس کو اس طرح گھورتے ہوئے نہیں دیکھا تھا — پھر اس نے اپنے ہاتھہ زور سے جکڑ لئے اور ان کو اپنے ہونٹوں تک لائی اور اس کے بعد اپنی پیشانی پر اور یکایک اپنی انگلیوں کو پھیلاتے ہوئے اس نے اپنے بالوں کو پیچھے کی طرف جھٹکا، اور بڑے پرعزم انداز میں اپنے سر کو ایک بار ھلایا اور دھڑاک سے کھڑکی بند کر دی —

تین دن بعد اس سے میری مڈبھیڑ باغ میں ہوئی — میں مڑنے والا تھا لیکن اس نے مجھے روک لیا —

«آؤ اپنا ھاتھہ دو مجھے» اس نے اپنے پہلے والے محبت بھرے لہجے میں کہا «صدیوں سے میری اور تمہاری بڑھیا گپ نہیں ہوئی ھے —»

میں نے اس کو دیکھا — اس کی آنکھوں میں ایک نرم روشنی تھی — ایسا لگا کہ وہ دھند کے پیچھے سے مسکرا رہی ہے —

«کیا تم اب تک بیمار ہو؟» میں نے پوچھا —

«نہیں، نہیں — بیماری ختم ہو چکی» اس نے سرخ گلاب کا ایک چھوٹا سا پھول توڑتے ہوئے کہا — «میں اب تک ذرا تھکی تھکی سی ہوں لیکن یہ تھکن بھی دور ہو جائیگی — »

«اور کیا تم پھر ویسی ہی بن جاؤ گی جیسی پہلے تھیں؟» میں نے پوچھا —

زینائیدا نے پھول کو اپنے چہرے تک اٹھایا اور مجھے لگا کہ تابناک پنکھڑیاں اس کے گالوں پر اپنا سایہ ڈال رہی ہیں —

«کیوں، کیا میں بدل گئی ہوں؟»

«تم بدل گئی ہو» میں نے آہستہ سے کہا —

«تمھاری طرف میرا سلوک بڑا برا تھا —— میں جانتی ہوں» زینائیدا نے کہا «لیکن تمھیں اس کی پروا نہیں کرنی چاہئے تھی... میں مجبور تھی ... لیکن اس کے بارے میں بات کرنے کا فائدہ ہی کیا ؟ »

«تم یہ نہیں چاہتیں کہ میں تم سے محبت کروں — یہی بات ہے نا! » میں نے جذبات کی ایک لہر سے مجبور ہوکر اپنی دھن میں کہا —

«اوہ، ہاں، میں چاہتی ہوں، لیکن اس طرح نہیں جس طرح تم پہلے کرتے تھے — »

«پھر کیسے؟ »

« آؤ ہم دوست بن جائیں — بس اس طرح » زینائیدا نے میرے

سونگھنے کے لئے گلاب کا پھول بڑھایا — «میں تم سے اتنی بڑی ہوں — تم جانتے ہو میں تمھاری خالہ بن سکتی تھی یا تم چاھو تو تمھاری بڑی بہن — اور تم ...»

«اور میں تمھارے لئے ایک بچہ ہوں ...»

«بے شک تم بچے ہو — مگر پیارے، بھولے بھالے، اچھے، ذھین بچے جسے میں دل سے چاھتی ہوں — میں بتاؤں تمھیں ! آج سے میں تمھیں اپنا بانکا سردار بناتی ہوں — اور یہ نہ بھولنا کہ ایک سردار کو ہرگز ہرگز اپنی ملکہ کا پہلو نہیں چھوڑنا چاھئے — یہ رہا تمھارا بلا — » اس نے میرے بٹن کے کاج میں گلاب کا پھول اٹکاتے ہوئے کہا «تمھاری طرف ھماری نیک خواھشات کی نشانی — »

«تم نے اس سے پہلے بھی اپنی دوستی کی نشانیاں دی ھیں — » میں بڑبڑایا —

«اوہ! » زینائیدا نے کہا «کیا حافظہ پایا ھے ! اچھا اس وقت بھی ایک نشانی دینے میں مضایقہ نہیں ...»

اور میرے اوپر جھکتے ہوئے اس نے میرے بھوؤں پر پاکیزہ اور پرسکون بوسہ ثبت کر دیا —

میں صرف اسے دیکھتا رہ گیا اور وہ یہ کہتی ہوئی مڑی «میرے بانکے سردار اب تم میرے پیچھے آؤ — » اور اپنے گھر کی طرف چلی — میں حیرانی میں کھویا ہوا اس کے پیچھے پیچھے چل دیا — «کیا ایسا ہو سکتا ھے» میں نے سوچا «کہ یہ نرم دل اور سمجھدار لڑکی وھی زینائیدا ھے جسے میں پہلے جانتا تھا؟ » اس کا طرز خرام مجھے اب زیادہ تھما تھما، اس کا پیکر زیادہ پروقار اور طرحدار نظر آیا ...

لیکن اے خدا، میری محبت کے شعلے کس طرح بھڑک اٹھے !

کھانے کے بعد، حسب دستور، سہمان شہزادی کے گھر میں اکٹھے ہوئے اور نوجوان شہزادی ان کے استقبال کو کمرے سے نکلی۔ وہ سب کے سب پورے طمطراق سے وہاں موجود تھے ــــ اس ناقابل فراموش شام کی طرح ــ نرماتسکی تک وہاں کشاں کشاں چلا آیا تھا ــ اس بار سب سے پہلے مئیدانوف آیا اور اپنے ساتھ ایک نئی نظم لایا ــ ہم نے پھر تاوان والا کھیل کھیلا ــ لیکن ابکے یہ کھیل پہلے والی اچھل کود اور کلیل، اوٹ پٹانگ حرکتوں اور شور وھنگامے کے بغیر کھیلا گیا ــ ابکے ھماری رنگ رلیوں سے خانہ بدوشوں والا عنصر غائب تھا ــ زینائیدا نے محفل میں ایک نئی کیفیت پیدا کر دی تھی ــ اس کے بانکے سردار ھونے کی حیثیت سے میں اس کے پہلو میں بیٹھا تھا ــ اور دوسری سزاؤں میں ایک سزا اس نے یہ تجویز کی کہ جو کوئی بھی نشان والا پرچہ اٹھایگا اس کو اپنا خواب بتانا پڑیگا ــ مگر اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا ــ یہ خواب یا تو بوجھل پھیکے اور بے جان ثابت ہوئے (بیلوزوروف نے خواب دیکھا تھا کہ وہ اپنے گھوڑے کو کارپ مچھلی کھلا رھا ھے اور اس کے گھوڑے کا سر لکڑی کا ھے) یا غیر فطری اور کھلی ھوئی من گھڑت کہانیاں... مئیدانوف نے باضابطہ ایک ناول سے ھماری تفریح کا سامان فراھم کیا جو مردوں کے تہہ خانوں، اپنے ھاتھوں میں چنگ و رباب لئے ھوئے فرشتوں اور بولنے والے پھولوں سے بھرا ھوا تھا... انھونی باتوں کا تو خیر ذکر ھی نہیں... زینائیدا نے اسے روک دیا ــ «اگر من گھڑت باتیں ھی کہنی ھیں تو» اس نے کہا «آؤ پھر ھم میں سے ھر ایک

کوئی ایسی بات کہے جو کبھی ہوئی ہی نہیں — » ابکے پھر بیلوزوروف کے نام فال نکلی —

نوجوان هسار بالکل بوکھلا گیا «مجھے کسی ایسی چیز کا خیال نہیں آتا — » وہ بولا —

«بکواس! » زینائیدا چلائی — «یہ تصور کر لو کہ تم شادی شدہ ہو یا اس قسم کی کوئی بات اور ہمیں یہ بتاؤ کہ تم اپنی بیوی کے ساتھہ کیا برتاؤ کروگے — کیا تم اسے تالے میں جکڑکر رکھوگے؟ »

«ہاں میں تالے میں جکڑکر رکھونگا — »

«اور کیا تم خود اس کے ساتھہ بیٹھوگے؟ »

«یقینی میں بیٹھونگا — »

«بہت اچھا — مان لو کہ وہ اس سے اکتا گئی اور تمہیں دغا دے گئی ؟ »

«میں اسے مار ڈالونگا — »

«اور اگر بھاگ نکلی ؟ »

«میں اس کا پیچھا کرونگا اور مار ڈالونگا — »

«بہت اچھا — اور اب یہ مان لو کہ میں تمہاری بیوی ہوں — اس صورت میں تم کیا کرتے؟ »

بیلوزوروف ایک منٹ خاموش رہا —

«میں خودکشی کرلونگا — »

زینائیدا ہنسی —

«اچھا میں دیکھتی ہوں کہ تمہاری داستان زیادہ لمبی نہیں — » اس نے کہا —

دوسرا قرعہ زینائیدا کے نام نکلا — اس نے سوچتے ہوئے چھت کی طرف دیکھا —

«اچھا سنو» اس نے آخر کہا «میں نے یہ من گھڑت کہانی سوچی ہے — مان لو کہ ایک حسین محل ہے — گرمیوں کی رات ہے اور ناچ کی شاندار محفل گرم ہے — جواں سال ملکہ اپنے مہمانوں کا خیر مقدم کر رہی ہے — ہر طرف، سونا، مرمر، آبگینے، ریشم، روشنیاں، ہیرے جواہر، پھول، خوشبوئیں، عیش و طرب کی ہر دولت جس کی خواہش دل کو ہو سکتی ہے وہاں بکھری ہوئی ہے — »

«تم عیش و عشرت پسند کرتی ہو، ہے نا؟» لوشین نے بیچ میں کہا —

«عیش و عشرت میں شان اور آن بان ہے» اس نے جواب دیا «اور میں شان اور آن بان پسند کرتی ہوں — »

«حسن و جمال سے زیادہ؟» اس نے پوچھا —

«تمہاری عقل و فراست میری سمجھ سے بالا ہے — میں نہیں جانتی تمہارا مطلب کیا ہے — اب بیچ میں نہ ٹوکنا — اچھا تو ہاں — محفل رقص شاندار ہے — بہت بہت سے مہمان ہیں — سب کے سب جوان، خوش رو، جیالے، اور سب ملکہ کے عشق میں دیوانے — »

«کیا مہمانوں میں عورتیں نہیں ہیں؟» مالیوسکی نے پوچھا —

«نہیں . . . ہاں ذرا سوچنے دو — ہاں ہیں تو سہی — »

«اور سب بہت سادہ ہیں ؟ »

«سب دل لبھانے والی ہیں لیکن سارے مرد ملکہ کی محبت میں گرفتار ہیں — وہ لمبی اور نازک ہے ... وہ اپنے کالے بالوں پر سونے کا تاج پہنے ہوئے ہے — »

میں نے زینائیدا کو دیکھا اور اس لمحے وہ ہم سب سے زیادہ لمبی لگی۔ اس کی گوری پیشانی اور سیدھی سیدھی بھوؤں سے ایسی تابندہ ذہانت اور قوت چھلکی پڑ رہی تھی کہ میں نے سوچا: «تم ہی وہ ملکہ ہو»۔

«ہر شخص اس کے ارد گرد منڈلا رہا ہے» زینائیدا نے اپنی بات جاری رکھی «اور نہایت ہی خوشامدانہ باتیں کر رہا ہے۔»

«اچھا تو وہ خوشامد پسند کرتی ہے؟» لوشین نے پوچھا۔

«اوہ تم بھی ایک مصیبت ہو۔ سارے وقت بیچ میں ٹپکتے رہتے ہو... خوشامد کسے نہیں بھاتی؟»

«بس ایک آخری سوال» مالیوسکی نے بیچ میں کہا «کیا ملکہ کا شوہر بھی ہے؟»

«میں نے اس کے بارے میں نہیں سوچا۔ نہیں، اسے شوہر کی ضرورت کیا ہے؟»

«بےشک» مالیوسکی نے لقمہ دیا «ہاں بھلا اسے شوہر کی ضرورت کیا ہے؟»

«Silence!»* مئیدانوف چلایا۔ وہ انتہائی بھیانک فرانسیسی بولتا تھا۔

«Merci» زینائیدا نے کہا۔ «ہاں تو ملکہ بیٹھی ان کی خوشامدانہ لن‌ترانیاں اور موسیقی سنتی رہتی ہے مگر اپنے کسی مہمان کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتی۔ چھ چھ لمبی کھڑکیاں چھت سے فرش تک کھلی ہوئی ہیں اور ان میں سے اندھیرا آسمان بڑے بڑے

---

* خاموش۔

ستاروں سے جڑا ہوا نظر آ رہا ہے— ایک اندھیرا باغ ہے جس میں بڑے بڑے درخت ہیں— ملکہ باہر باغ کو دیکھتی ہے— وہاں درختوں کے درمیان تاریکی میں سپید سفید سا ایک فوارہ چمک رہا ہے—— یہ بہت لمبا بہت ہی اونچا ہے، دیو کی طرح— ملکہ، آوازوں اور باجوں گاجوں کے درمیان پانی کی چھپ چھپ کی آواز سنتی ہے— کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے وہ دل ہی دل میں سوچتی ہے «ہاں، صاحبان، آپ سب نیک دل ہیں، دانش مند، امیر، آپ سب میرے گرد ہالہ ڈالے ہوئے ہیں، میرے منہ سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ کو آپ پلکوں سے چنتے ہیں اور کلیجے میں رکھہ لیتے ہیں، آپ میں سے ہر ایک میرے قدموں پر نثار ہونے کو تیار ہے— آپ سب میری مٹھی میں ہیں... لیکن وہاں، فوارے کے پاس، جہاں پانی کی چھپ چھپاہٹ ابھر رہی ہے، میرا محبوب، میرے دل کا راجہ، کھڑا میرا انتظار کر رہا ہے— اس کے پاس نہ تو قیمتی لباس ہے، نہ ہیرا جواہر، کوئی اسے جانتا نہیں، لیکن وہ میرا انتظار کر رہا ہے اور وہ جانتا ہے کہ میں اسی کے پاس آ جاؤنگی— اور میں جاؤنگی اس کے پاس— اگر میں اس کے پاس جانا چاہوں، اس کے پاس رہنا چاہوں، اس کے ساتھہ وہاں کھو جانا چاہوں—— وہاں باغ کے اندھیرے میں، جہاں درخت سرسرا رہے ہیں اور فوارہ پانی کو فضا میں اچھال رہا ہے—— ہاں اگر میں یہ سب کرنا چاہوں تو کوئی طاقت مجھے نہیں روک سکتی...»

زینائیدا چپ ہو گئی—

«کیا یہ بالکل ہی من گھڑت کہانی ہے؟» مالیوسکی نے معنی خیز انداز سے پوچھا—

زینائیدا نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی —

«حضرات میں تو حیران ہوں کہ» لوشین نے دفعتاً کہا «اگر ہم مہمانوں میں ہوتے اور یہ جانتے کہ فوارے کے پاس کھڑا کون خوش نصیب ہے تو ہم کیا کرتے؟»

«ٹھہرو ٹھہرو!» زینائیدا نے بات کاٹ کر کہا «میں خود ھی بتاؤنگی کہ تم میں سے ہر ایک کا رویہ کیا ہوتا — تم، بیلوزوروف، تم نے اسے للکارا ہوتا... تم، مئیدانوف، اس پر ایک منظوم ہجو لکھ مارتے... نہیں نہیں، تم نہیں لکھتے، تم ہجو نظم نہیں کر سکتے — تم ایک مخمس باربیئے (۵) کی طرز میں لکھ مارتے اور اس کو «ٹیلی گراف» (۶) میں چھپوا دیتے — نرماتسکی تم اس سے روپیہ ادھار لیتے، نہیں، نہیں تم اسے روپیہ قرض دے دیتے اور بھاری سود وصول کرتے — جہاں تک تمہارا تعلق ھے — ڈاکٹر...» وہ ذرا سا رکی «میں نہیں جانتی کہ تم کیا کرتے —»

«درباری ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے» لوشین نے جواب دیا «شاید میں ملکہ کو یہ مشورہ دیتا کہ اگر مہمانوں کی خاطر تواضع کو جی نہ چاہ رہا ہو تو پھر ناچ کی محفل نہ بلاؤ —»

«شاید تمہارا مشورہ ٹھیک ہوتا — ہاں کاؤنٹ تم کیا کرتے؟..»

«میں؟» کاؤنٹ نے اپنی کدورت بھری مسکراہٹ کے ساتھ کہا —

«تم اسے زہر بھرا چاکلیٹ پیش کرتے —»

مالیوسکی کو ایک جھرجھری آئی اور وہ بڑا ھی مکار نظر آیا لیکن دوسرے ھی لمحے وہ زور زور سے قہقہے لگانے لگا —

«جہاں تک تمہارا تعلق ہے وولدیمار...» زینائیدا نے اپنی بات جاری رکھی «لیکن میں سمجھتی ہوں کہ کافی ہو چکا — آؤ ہم کچھ اور کھیلیں —»

«موسیو وولدیمار، نہایت فرماں بردار بانکے سردار کی طرح اس وقت ملکہ کا سایہ پکڑے ہوئے پیچھے بھاگتے جب وہ باغ کے اندر جاتی» مالیوسکی نے زہر بھرے لہجے میں کہا —

میں سرخ ہو گیا لیکن زینائیدا اپنا ہاتھ میرے شانے پر رکھتے ہوئے کھڑی ہو گئی اور لرزتی ہوئی آواز میں بولی «کاؤنٹ میں نے تمہیں ہرگز گستاخی کرنے کا حق نہیں دیا ہے اور اس لئے میں تم سے درخواست کرتی ہوں کہ میرے گھر سے چلے جاؤ —» اس نے دروازے کی طرف اشارہ کیا —

«معاف کیجئے، شہزادی —» مالیوسکی زرد پڑتے ہوئے بڑبڑایا —

«شہزادی حق بجانب ہے!» بیلوزوروف نے بھی اٹھتے ہوئے کہا —

«میں قسم کھاتا ہوں مجھے کبھی توقع نہیں تھی» مالیوسکی بولتا رہا «مجھے کبھی خیال نہیں آیا کہ میرے الفاظ میں کوئی ایسی چیز تھی... میں نے ایک لمحے کو بھی یہ نہیں سوچا کہ کوئی صدمہ پہنچاؤں... میں معافی چاہتا ہوں —»

زینائیدا نے اس کو برف جیسی ٹھنڈی اور تیکھی نظر سے دیکھا اور سرد مہری کے ساتھ ہنسی — «جی چاہے تو ٹھہر سکتے ہو —» اس نے بے نیازی کا روپ دھارن کرتے ہوئے کہا — «موسیو وولدیمار کو اور مجھے بپھرنا نہیں چاہئے تھا — تم گانے کے شوقین ہو — تو پھر اپنا زہر نکالو!»

زینائیدا نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی —

«حضرات میں تو حیران ہوں کہ» لوشین نے دفعتاً کہا «اگر ہم مہمانوں میں ہوتے اور یہ جانتے کہ فوارے کے پاس کھڑا کون خوش نصیب ہے تو ہم کیا کرتے؟»

«ٹھہرو ٹھہرو!» زینائیدا نے بات کاٹ کر کہا «میں خود ہی بتاؤنگی کہ تم میں سے ہر ایک کا رویہ کیا ہوتا — تم، بیلوزوروف، تم نے اسے للکارا ہوتا... تم، مئیدانوف، اس پر ایک منظوم ھجو لکھہ مارتے... نہیں نہیں، تم نہیں لکھتے، تم ھجو نظم نہیں کر سکتے — تم ایک مخمس باربیئے (٥) کی طرز میں لکھہ مارتے اور اس کو «ٹیلی گراف» (٦) میں چھپوا دیتے — نرماتسکی تم اس سے روپیہ ادھار لیتے، نہیں، نہیں تم اسے روپیہ قرض دے دیتے اور بھاری سود وصول کرتے — جہاں تک تمہارا تعلق ہے — ڈاکٹر...» وہ ذرا سا رکی «میں نہیں جانتی کہ تم کیا کرتے —»

«درباری ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے» لوشین نے جواب دیا «شاید میں ملکہ کو یہ مشورہ دیتا کہ اگر مہمانوں کی خاطر تواضع کو جی نہ چاہ رہا ہو تو پھر ناچ کی محفل نہ بلاؤ —»

«شاید تمہارا مشورہ ٹھیک ہوتا — ہاں کاؤنٹ تم کیا کرتے؟..»

«میں؟» کاؤنٹ نے اپنی کدورت بھری مسکراہٹ کے ساتھہ کہا —

«تم اسے زہر بھرا چاکلیٹ پیش کرتے —»

مالیوسکی کو ایک جھرجھری آئی اور وہ بڑا ہی مکار نظر آیا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ زور زور سے قہقہے لگانے لگا—

«جہاں تک تمہارا تعلق ہے وولدیمار...» زینائیدا نے اپنی بات جاری رکھی «لیکن میں سمجھتی ہوں کہ کافی ہو چکا — آؤ ہم کچھ اور کھیلیں —»

«موسیو وولدیمار، نہایت فرماں بردار بانکے سردار کی طرح اس وقت ملکہ کا سایہ پکڑے ہوئے پیچھے بھاگتے جب وہ باغ کے اندر جاتی» مالیوسکی نے زہر بھرے لہجے میں کہا —

میں سرخ ہو گیا لیکن زینائیدا اپنا ہاتھ میرے شانے پر رکھتے ہوئے کھڑی ہو گئی اور لرزتی ہوئی آواز میں بولی «کاؤنٹ میں نے تمہیں ہرگز گستاخی کرنے کا حق نہیں دیا ہے اور اس لئے میں تم سے درخواست کرتی ہوں کہ میرے گھر سے چلے جاؤ —» اس نے دروازے کی طرف اشارہ کیا —

«معاف کیجئے، شہزادی —» مالیوسکی زرد پڑتے ہوئے بڑبڑایا —

«شہزادی حق بجانب ہے !» بیلوزوروف نے بھی اٹھتے ہوئے کہا —

«میں قسم کھاتا ہوں مجھے کبھی توقع نہیں تھی» مالیوسکی بولتا رہا «مجھے کبھی خیال نہیں آیا کہ میرے الفاظ میں کوئی ایسی چیز تھی... میں نے ایک لمحے کو بھی یہ نہیں سوچا کہ کوئی صدمہ پہنچاؤں... میں معافی چاہتا ہوں —»

زینائیدا نے اس کو برف جیسی ٹھنڈی اور تیکھی نظر سے دیکھا اور سرد مہری کے ساتھ ہنسی — «جی چاہے تو ٹھہر سکتے ہو —» اس نے بے نیازی کا روپ دھارن کرتے ہوئے کہا — «موسیو وولدیمار کو اور مجھے بپھرنا نہیں چاہئے تھا — تم گانے کے شوقین ہو — تو پھر اپنا زہر نکالو !»

«میں معافی چاهتا هوں» مالیوسکی نے دهرایا اور میں نے زینائیدا کے طرز عمل کا تصور کرتے هوئے اپنے آپ سے کہا کہ ایک سچی ملکہ کسی مجرم کو اس سے زیادہ جاہ و جلال کے ساتھہ نہیں دھتکار سکتی تھی۔

اس حادثے کے بعد، زیادہ دیر تک تاوان کا کھیل نہیں چل سکا۔ هر شخص کو کچھہ عجیب سا محسوس هو رها تھا۔ اس کی وجہ اتنا زیادہ وہ چھوٹا سا واقعہ نہیں تھا جو ابھی ابھی رونما هوا تھا۔ بلکہ ایسا لگتا تھا کہ یہ کیفیت کسی نا قابل بیان مگر کرب ناک جذبات سے پیدا هو رهی هے۔ کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا لیکن ایسا لگتا تھا کہ هر شخص کو ان جذبات کا احساس هے اور اس کو معلوم هے کہ اس کا هم نشیں بھی ان جذبات میں اس کا شریک هے۔ مئیدانوف نے اپنی نظم سنائی اور مالیوسکی نے مبالغہ کے ساتھہ واہ وا کی۔

«وہ خود کو خوش طینت ظاهر کرنے کے لئے کتنا بے قرار هے!» لوشین نے میرے کان میں کہا۔

هم سب جلد هی گھر چلے گئے۔ زینائیدا یکایک سوچ میں ڈوب گئی اور اس کی ماں نے کہلوا بھیجا کہ اس کے سر میں درد هے۔ نرماتسکی نے گٹھیا کے درد کی شکایت کی۔

میں دیر تک سو نہ سکا، زینائیدا کی داستان نے مجھہ پر بڑا اثر کیا تھا۔ «کیا وہ اشارہ کرنا چاهتی تھی؟» میں نے اپنے آپ سے پوچھا۔ «اگر ایسا هے تو وہ کس کی طرف اشارہ کر رهی تھی؟ اور اگر اس میں کوئی سچائی تھی تو یقینی اس نے اس کی جرأت نہ کی هوتی... نہیں نہیں، نا ممکن۔» میں نے مستقل طور پر، اپنے جلتے

ہوئے گالوں کے ساتھ تکیے پر مچلتے ہوئے، زیر لب کہا... لیکن مجھے زینائیدا کی وہ کیفیت یاد آئی جو اپنی کہانی سناتے ہوئے اس کے چہرے سے چھلکی پڑتی تھی... اور مجھے نسکوچنی باغ میں، ٹہلتے ہوئے لوشین کے منہ سے نکلی ہوئی بے اختیار باتیں یاد آیں — میرے ساتھ اس کا دفعتاً بدلا ہوا برتاؤ یاد آیا —— اور میں اپنی قیاس آرائیوں کے چکر میں پھنس کر نڈھال ہو گیا —

«وہ ہے کون؟» یہ الفاظ برابر میری آنکھوں میں ابھرے چلے آ رہے تھے جیسے اندھیرے کی پیشانی پر آگ کے حروف میں لکھ دئے گئے ہوں — ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے اوپر بہت قریب منحوس اور ڈراؤنے بادل چھائے ہوئے ہیں —— میں ہر لمحہ ان کے پھٹ پڑنے کا انتظار کر رہا تھا — میں حال میں بہت سی ایسی باتوں کا عادی ہو چکا تھا، میں نے زاسیکین خاندان کی بہت سی حیران کن چیزیں دیکھی تھیں — افراتفری، موم بتیوں کے جلے اور پگھلے ہوئے آخری حصے، ٹوٹی ہوئی چھریاں اور کانٹے، بجھا بجھا سا وونیفاتی، میلی کچیلی خادمائیں، بوڑھی شہزادی کی عجیب و غریب حرکتیں، اب اس ہیجان پرور گھرانے کی کوئی بات بھی مجھے اچنبھے میں نہیں ڈال سکتی تھی — لیکن میرا دل اس چیز کو قبول کرنے کو تیار نہ تھا جو میں مبہم مبہم سہی، مگر زینائیدا کے اندر محسوس کرنے لگا تھا ... «زمانہ ساز!» میری اماں نے اس کو ایک بار اس نام سے یاد کیا تھا — وہ، میری دیوی، میری رانی —— اور ایک زمانہ‌ساز! یہ لفظ میرے سینے میں چبھنے لگا اور میں نے اپنا منہ تکیئے میں چھپا کر اس سے بچنے کی کوشش کی، میں پیچ و تاب کھا رہا تھا... اور

پھر بھی، میں فوارے کے پاس والا خوش نصیب «وہ» بننے کے بدلے کیا کچھہ قیمت ادا نہ کر سکتا تھا!

میرا خون پوری وحشت سے میری رگوں میں دوڑ رہا تھا — «باغ... فوارہ...» میں نے سوچا «مان لو کہ میں باغ میں چلا جاؤں؟» میں نے ایک لمحے میں کپڑے بدلے اور چپکے سے نکل گیا — رات اندھیری تھی — درخت اتنا آهستہ آهستہ سرگوشی کر رہے تھے کہ ان کی آواز سنی نہ جا سکتی تھی — ایک خاموش ٹھنڈک اوپر سے برس رہی تھی اور ترکاری کے باغ سے سویا کی خوشبو ہوا میں بسی چلی آ رہی تھی — میں نے سب راستے دیکھے — میرے ہلکے ہلکے قدموں کی آهٹ بیک وقت مجھے چونکا بھی رہی تھی اور خوش بھی کر رہی تھی — میں خود اپنے دل کی دھڑکن سننے کو رک گیا — بھرپور، تیز تیز دھڑکن — آخر میں احاطے کے گھیرے کے پاس پہنچا اور پتلے پتلے تاروں پر اڑ گیا — دفعتاً — یا یہ میرا وهم تھا؟ ایک عورت کا پیکر میرے پاس سے گزر گیا... میں نے اپنی سانس روک کر اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا... یہ کیا تھا؟ یہ قدموں کی چاپ تھی یا دوبارہ میرے دل کی دھڑکن؟ «کون ہے؟» میں نے آهستہ سے کہا — پھر! یہ گھٹا ہوا قہقہہ تھا... یا شاخوں کی سرسراہٹ ... یا کسی نے بالکل میرے کانوں کے پاس ٹھنڈی سانس لی تھی؟ میں بالکل **گھبرا** گیا — «کون ہے؟» میں نے اور بھی زیادہ دھیرے سے دھرایا —

ایک لمحے کو ہلکی سی ہوا کے جھونکے آئے — آکاش میں کوئی چیز کوند گئی — ایک ٹوٹا تارا — «کیا یہ زینائیدا ہے؟» میں پوچھنا چاہتا تھا لیکن الفاظ ہونٹوں پر ہی مر گئے — اور یکایک،

جیسا کہ آدھی رات کو اکثر ہوتا ہے، ایک اتھاہ خاموشی چھا گئی... ٹڈے بھی جھاڑیوں میں بولنا بھول گئے اور کہیں سے ایک کھڑکی کے بند ہونے کی آواز آئی — میں تھوڑی دیر تک وہاں کھڑا رہا — پھر اپنے کمرے میں، اپنے ٹھنڈے بستر پر واپس آ گیا — میں نے اپنے دل میں ایک عجیب ہیجان محسوس کیا جیسے کسی سے وصل کا وعدہ ہو لیکن وقت مقررہ پر میں اکیلا رہ گیا ہوں، اور کسی دوسرے کی مسرت کو چھوتا ہوا گزر رہا ہوں —

۱۷

دوسرے دن میں زینائیدا کی ایک ہلکی سی جھلک دیکھ سکا — وہ اور اس کی ماں میرے سامنے گاڑی میں گزر گئیں — میں نے لوشین کو دیکھا جس نے بہت سرسری طور پر علیک سلیک کی — میں مالیوسکی سے بھی ملا — نوجوان کاؤنٹ مجھے دیکھ کر مسکرایا اور دوستانہ انداز سے بولا — شہزادی کے گھر آنے والوں میں وہ واحد شخص تھا جو میرے گھر میں رسائی اور میری اماں کی خوشنودی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا — ابا کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا اور اس کے ساتھ قریب قریب اہانت آمیز اخلاق سے پیش آتے تھے —

«Ah, monsieur le page»* مالیوسکی بولا «تم سے مل کر خوشی ہوئی! تمہاری حسین ملکہ کیا کر رہی ہے؟»

اس کا خوبصورت اور صحت مند چہرہ، اس وقت مجھے اتنا نفرت انگیز معلوم ہوا اور اس نے مجھ پر جو نگاہ ڈالی اس میں اتنی توہین آمیز ہنسی چھپی ہوئی تھی کہ میں جواب نہ دے سکا —

---

* اخاہ بانکے سردار صاحب ہیں!

« کیا تم اب تک مجھه سے روٹھے ہوئے ہو؟ » اس نے کہا — « تمھیں مجھه سے ناراض نہیں ہونا چاهئے — میں نے تمھیں کبھی بانکا سردار نہیں کہا اور تم جانتے ہو عام طور پر بانکے سردار ملکه کے پاس ہوتے ھیں — لیکن میں بتانا چاھتا ھوں که تم ذرا اپنے فرایض کی طرف سے غافل ہو — »

« میرے فرایض؟ »

« ھاں — ایک بانکے سردار کو اپنی ملکه کے پھلو سے کبھی الگ نہیں ہونا چاهئے — اس کو معلوم ہونا چاهئے که ملکه سارے وقت کیا کرتی رھتی ھے — اس کی تمام حرکات وسکنات پر نظر رکھنی چاهئے — » اس نے اپنی آواز ھلکی کرتے ہوئے کہا — « رات دن، رات دن! »

« اس سے تمھارا کیا مطلب ھے؟ »

« مطلب؟ میرا خیال تھا که میرا مطلب کافی صاف ھے — دن اور رات اور رات اور دن — دن کی کوئی ایسی اہمیت نہیں — دن کے وقت روشنی ہوتی ھے اور ہر وقت بہت سارے لوگ ہوتے ھیں — لیکن رات کے وقت —— ھاں رات کے وقت ھی تمھیں بہت چوکس رھنا چاهئے — میں تو تمھیں صلاح دونگا که رات کے وقت اپنی آنکھه نه لگنے دو اور دیکھتے رہو، دیکھتے رہو، دیکھتے رہو، جی بھر کے نگرانی کرو — یاد رکھو، باغ، رات اور فواره —— تمھیں یہیں پر نگھبانی کرنی چاهئے — ایک دن اس کے لئے تم میرے شکر گزار ہوگے — »

مالیوسکی نے قہقہه لگایا اور میری طرف اپنی پیٹھه کر لی — ہر طرح سے ایسا معلوم ہوتا تھا که وہ خود اپنی باتوں کو کوئی

زیادہ اهمیت نہیں دیتا تھا — اس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ نمبر ایک جھانسے باز ھے اور نقاب پوش ناچنے والوں کی محفل میں لوگوں کو چکمہ دینے میں اسے جو ملکہ حاصل تھا اس کا بڑا چرچا تھا اور اس میں جھوٹ اس کا ھاتھہ بٹاتا تھا — یہ تو اس کی فطرت ثانیہ بن چکا تھا... وہ مجھے محض جلا رہا تھا لیکن اس کا ایک ایک لفظ زهر کا ایک ایک قطرہ بن کر میری رگوں میں سرایت هو رہا تھا — خون سر کی طرف دوڑنے لگا — «تو یہ بات ھے!» میں اپنے آپ سے بولا — «بہت اچھا! تو اس کا مطلب یہ ھے کہ میں بیکار ھی باغ کی طرف نہیں کھنچ رہا تھا! لیکن ایسا ھوگا نہیں!» میں نے اپنے سینے پر ھاتھہ مارتے ھوئے زور سے کہا گرچہ میں یہ ٹھیک نہیں بتا سکتا تھا کہ کیا نہیں ھوگا — «نہیں ایسا تو نہیں کہ خود مالیوسکی سے میری مڈبھیڑ ھو جائیگی؟» میں نے اپنے آپ سے کہا (شاید اس نے خود اپنا راز منہ سے اگل دیا تھا، وہ اتنا بے شرم تھا کہ وہ ایسا کر سکتا تھا) «یا کوئی اور (ھمارے باغ کے چاروں طرف چہار دیواری بہت نیچی تھی اور اس کو پار کرنے میں کوئی دقت نہیں ھو سکتی تھی) چاھے کوئی ھو، وہ اپنی جان کی خیر منائے، ایسے ویسے سے نہیں، مجھہ سے اس کا پالا پڑیگا!.. میں دنیا کو دکھا دونگا اور اس دغاباز کو بھی، (ھاں میں نے شہزادی کو اسی نام سے یاد کیا) ھاں میں اپنا انتقام لینا جانتا ھوں!»

میں واپس اپنے کمرے میں گیا — اپنی میز کی دراز سے ایک انگریزی چاقو نکالا جو میں نے چند ھی دن پہلے خریدا تھا، اپنی انگلی سے اس کی دھار دیکھی، اور جڑی ھوئی بھوؤں اور پراطمینان

اور اٹل قصد کے ساتھہ اسے اپنی جیب میں ڈال لیا جیسے میں اس دشت کا پرانا سیاح ہوں۔ میرا دل پوری برھمی سے دھڑکا اور پھر پتھر بن گیا۔ میں دن بھر اپنے چڑھے تیور اور بھنچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھہ گھومتا رہا، اپنے کمرے کے فرش پر ٹہلتا رہا۔ میں باربار اپنے چاقو کو چھوچھو کر، جو میری جیب میں پڑا پڑا کافی گرم ہو گیا تھا، آنے والے زبردست واقعہ کے لئے خود کو تیار کر رہا تھا۔ یہ احساسات اتنے نئے تھے، اتنے اجنبی کہ کافی لطف آیا اور انہوں نے مجھے اتنا مگن کر دیا کہ میں نے مشکل ھی سے کچھہ زینائیدا کے بارے میں سوچا ہو۔ میں اپنے ذھن میں الیکو اور نوجوان خانہ بدوش کی تصویر ابھارتا رہا ــــ «کہاں میرے نوجوان؟ وھاں لیٹ جاؤ!..» اور پھر «تم خون میں لت پت ہو! ارے تم نے کیا کیا؟..» «کچھہ نہیں!» میں نے کس بے رحم مسکراھٹ کے ساتھہ یہ الفاظ دھرائے: «کچھہ نہیں!» میرے ابا گھر پر نہیں تھے۔ لیکن اماں نے، جن پر اب ھمیشہ دبی دبی سی جھنجھلاھٹ سوار رہنے لگی تھی میری مرنے مارنے کی کیفیت کو بھانپ لیا اور کھانے کے وقت بولیں:

«تم تو ایک بلی کی طرح دکھائی پڑ رہے جو کسی چوھے کی تاک میں ہو ــــ ماجرا کیا ھے؟»

اس کا جواب میں نے ایک عاجزانہ مسکراھٹ سے دیا اور اپنے آپ سوچا «اگر انہیں ذرا معلوم ہوتا!» گیارہ بجے۔ میں اپنے کمرے میں گیا لیکن میں نے اپنے کپڑے نہیں اتارے۔ میں بارہ بجنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اور آخر بارہ بج ھی گئے۔ «اب!» میں نے بھنچے ہوئے دانتوں کے درمیان آھستہ سے کہا اور باغ کی طرف

گیا پہلے حفاظتی تدبیر کے طور پر اپنے جیکٹ کے بٹن لگا لئے اور کسی وجہ سے اپنی آستینیں چڑھا لیں –

میں نے پہلے ہی سے وہ جگہ تلاش کر لی تھی جہاں سے مجھے نگرانی کرنی تھی – باغ کے آخری کنارے پر، جہاں زاسیکین کے احاطے کو ہمارے احاطے سے الگ کرنے والی دیوار اس دیوار کے پاس ختم ہو جاتی تھی جو دونوں احاطوں کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے تھی —— فر کا اکیلا درخت تھا – اس کی گھنی گھنی اور نیچی نیچی شاخوں کے سائے میں کھڑے ہو کر میں اپنے چاروں طرف، اندھیرے میں جہاں تک ممکن تھا، دیکھہ سکتا تھا – یہاں ایک چھوٹا سا راستہ تھا جو ہمیشہ مجھے پراسرار نظر آتا تھا – یہ احاطے کی دیوار کے نیچے سانپ کی طرح بل کھاتا چلا گیا تھا – اس خاص جگہ پر جہاں لوگ احاطے کی دیوار کو پھاندتے تھے، لوگوں کے قدموں نے اپنے نشان چھوڑ دئے تھے — اس سے آگے یہ راستہ اس طرف جاتا تھا جہاں کیکر کی شاخوں سے بنا ہوا ایک دائرہ نما کنج تھا – فر کے اس پیڑ کے پاس پہنچ کر میں اس کے تنے کے سہارے کھڑا ہو گیا اور نظریں دوڑانے لگا –

پچھلی رات کی طرح یہ رات بھی پرسکون اور خاموش تھی – لیکن آسمان میں بادل اتنے گھرے نہ تھے اور جھاڑیوں اور لمبے لمبے پھولوں والے پیڑوں کے خطوط اور زیادہ صاف نظر آ رہے تھے – انتظار کے شروع کے لمحے تو بہت تھکانے والے بلکہ اکتا دینے والے محسوس ہوئے – میں کچھہ بھی کرنے کو تیار تھا! لیکن میں نے یہ کچھہ طے نہیں کیا تھا کہ میرا پورا طرز عمل کیا ہوگا – کیا مجھے گرج کر پوچھنا چاہئے؟ «کہاں جا رہے ہو؟ رک جاؤ! بتاؤ یا

موت کے گھاٹ اتر جاؤں!» یا صرف اندھیرے میں چھرا گھونپ دوں؟ ہر آواز، ہر سرسراہٹ، ہر پھڑپھڑاہٹ مجھے انوکھی لگ رہی تھی، بڑی معنی خیز... میں آگے کو جھکتے ہوئے جست لگانے کی تیاری کرنے لگا... لیکن آدھا گھنٹہ بیتا، اس کے بعد ایک گھنٹہ گزر گیا — اب میرا ہیجان دور ہو گیا تھا اور میں پر سکون تھا — یہ احساس کہ میں جو کچھہ کر رہا ہوں بیکار ہے، میں صرف حماقت کر رہا ہوں، اور مالیوسکی محض مجھے الو بنا رہا تھا، آہستہ آہستہ مجھہ پر چھاتا چلا گیا — میں نے اپنی شب خون کی جگہ چھوڑ دی اور باغ کا ایک چکر لگایا — ایسا لگتا تھا کہ سناٹے کو بھی مجھے چڑانے کی سوجھی ہے — کہیں کوئی آواز سنائی نہ دے رہی تھی — ہر طرف سکوت تھا — ہمارا کتا بھی، ایک کٹھوت میں سمٹا سمٹایا پڑا سو رہا تھا — میں ٹوٹے پھوٹے پود گھر کی دیوار پر چڑھہ گیا اور نیچے دور دور تک پھیلے ہوئے کھیت کو گھورنے لگا — مجھے زینائیدا سے اپنی ملاقات یاد آئی اور میں تصورات میں کھوکر رہ گیا —

یکایک میں چونک گیا... مجھے ایسا لگا کہ دروازے کے کھلنے کی آواز کانوں میں آ رہی ہے — اس کے بعد شاخوں کے چٹخنے کی ہلکی ہلکی آواز آئی... میں دو ہی جست میں زمین پر تھا اور میں وہیں جم کر رہ گیا — باغ میں ہلکے ہلکے، تیز تیز اور دبے دبے قدموں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی... یہ قدم میری طرف آ رہے تھے — «یہ رہا وہ آخر کار!» میرے دماغ میں کوند گیا — میں نے پوری وحشت سے اپنی جیب سے چاقو نکالا اور کھولا —— میری آنکھوں کے سامنے سرخ چنگاریاں ناچنے لگیں،

مارے ڈر اور غصے کے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے... قدموں کی آہٹ ٹھیک اسی طرف آ رہی تھی جہاں میں کھڑا تھا —— میں اپنے کان اس طرف لگائے ہوئے جھک گیا...ایک مرد کا ہیولا نظر آیا... خدا پناہ! یہ تو ابا تھے!

میں نے فوراً انہیں پہچان لیا حالانکہ وہ ایک کالا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے اور ان کی ہیٹ پیشانی پر بالکل نیچے جھکی ہوئی تھی — وہ پنجوں پر چلتے ہوئے میرے پاس سے گزرے — وہاں پر میرے چھپنے کو کچھ بھی نہ تھا — لیکن انہوں نے مجھے نہیں دیکھا، کیونکہ میں زمین سے ایسا چمٹ گیا تھا اور خود کو ایسا سمیٹ رکھا تھا کہ بالکل زمین کا حصہ بن گیا تھا — ایک ہی آن میں رشک و حسد میں جلتا ہوا خون کا پیاسا اوتھیلو اسکول کا لڑکا بن گیا... غیر متوقع طور پر ابا کے ہیولے کو دیکھ کر کچھ ایسی سٹی گم ہوئی کہ شروع میں مجھے یہ دیکھنے کا ہوش بھی نہیں رہا کہ وہ آ کہاں سے رہے تھے اور کس سمت میں غائب ہو گئے — پھر دوبارہ اس وقت، جب ہر طرف خاموشی چھا گئی، میں نے اپنے پٹھوں کو ڈھیلا چھوڑا اور خود سے پوچھا کہ آخر اس وقت رات گئے ابا باغ میں کیا کر رہے تھے — وحشت کے مارے میں نے اپنا چاقو گھاس میں گرا دیا تھا لیکن اب اتنا شرمندہ تھا کہ اسے تلاش کرنے کی ہمت نہ تھی — فوراً ہی میرا جنون رفو چکر ہو گیا — بہر حال، گھر کی طرف واپس جاتے ہوئے میں، سفید پھولوں والی جھاڑی کے نیچے اپنی بنچ تک گیا اور زینائیدا کی کھڑکی کی طرف دیکھا — رات کے اندھیرے میں بھیگے ہوئے آکاش کے ہلکے ہلکے سائے میں کھڑکی کے نیم محدب

شیشے ہلکے نیلے رنگ کے نظر آ رہے تھے — دفعتاً ان کا رنگ بدلنے لگا... اور ان کے پیچھے —— میں نے صاف صاف دیکھا —— ہلکے رنگ کا پردہ بڑی احتیاط اور نرمی سے نیچے گر گیا یہاں تک کہ یہ کھڑکی کے نچلے سرے تک برابر ہو گیا اور وہاں اسی طرح بے حس و حرکت لٹکا رہا —

«آخر ان سب باتوں کا مطلب کیا ہے؟» جب میں اپنے کمرے میں پہنچا تو میں نے بے اختیار زور سے کہا — «ایک خواب، ایک حادثہ یا؟...» اب میرے دماغ میں جو شبہے ابھرنا شروع ہوئے وہ اتنے نئے اور عجیب تھے کہ ان کو ماننے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی —

۱۸

اگلی صبح میں اٹھا تو سر دکھ رہا تھا — پچھلے دن کا ہیجان غائب ہو چکا تھا — اس کی جگہ ایک درد انگیز گم کردگی اور اداسی کے احساس کے سوا اور کچھ نہ تھا جیسے اندر کوئی چیز دم توڑ رہی ہو —

«تم تو ایک ایسے خرگوش کی طرح نظر آ رہے ہو جس کا آدھا بھیجا غائب ہو گیا ہو —» دوسرے دن اتفاق سے جب لوشین سے مڈبھیڑ ہوئی تو وہ بولا —

میں نے ناشتے کی میز پر، چوری چوری سے، اماں اور ابا کو دیکھا — ابا ہمیشہ کی طرح پرسکون تھے — اور اماں، ہمیشہ کی طرح دبی دبی جھنجھلاہٹ سے بھری ہوئی تھیں — مجھے کچھ امید تھی کہ ابا مجھ سے کوئی شفقت کا لفظ کہینگے جیسا کہ

وہ کبھی کبھی کرتے تھے... لیکن ابکے انہوں نے مجھے اپنی روزانہ کی طرح ٹھنڈی مگر شفیق نظر سے بھی نہیں دیکھا — «کیا میں زینائیدا کو سب کچھہ بتا دوں؟» میں نے سوچا... «اس لئے کہ اب کسی چیز کی پروا نہیں — ہمارے درمیان اب کچھہ بھی باقی نہیں رہا —» میں اس کے پاس گیا لیکن نہ صرف یہ کہ میں اسے کچھہ نہ بتا سکا، مجھے تو اس سے اچھی طرح بات چیت کا موقع بھی نہیں ملا — بوڑھی عورت کا لڑکا، جو بارہ برس کا فوجی طالبعلم تھا، چھٹیوں میں پیٹرس برگ سے آیا ہوا تھا — زینائیدا نے فوراً اپنے بھائی کو میرے سپرد کر دیا — «پیارے ولودیا، یہ رہا تمہارا ایک ساتھی — (اس نے پہلے کبھی مجھے ولودیا کہہ کر نہیں پکارا تھا) اس کا نام بھی ولودیا ہے — امید ہے کہ تم اسے پسند کروگے — یہ کچھہ شرمیلا لڑکا ہے لیکن اس کا دل بہت اچھا ہے — اس کو ذرا نسکوچنی باغ دکھا دو، اس کے ساتھہ سیر کو جایا کرو، مختصر یہ کہ تم اسے اپنے سائے میں لے لو — تم ایسا کروگے، ہے نا؟ تم خود ایک نیک دل اور بھلے لڑکے ہو!» اس نے بڑے پیار سے اپنے ہاتھہ میرے کندھوں پر رکھہ دئے اور ایک بار پھر میرا دل اس کا ہو گیا — اس لڑکے کی آمد نے مجھے ایک بار پھر لڑکا بنا دیا — میں نے اس فوجی طالبعلم کو خاموشی سے دیکھا — اس نے بھی جواب میں خاموشی سے مجھے دیکھا — زینائیدا نے قہقہہ مارا اور ہم دونوں کو ایک دوسرے کی طرف دھکیل دیا — «آؤ، بچو، گلے ملو!» ہم نے تعمیل کی —

«کیا تم پارک دیکھنا چاہتے ہو؟» میں نے اس فوجی طالبعلم سے پوچھا —

«هاں، جناب، مہربانی» اس نے ایک سچے فوجی طالبعلم کی طرح کھسکھساتی ہوئی آواز میں کہا — زینائیدا پھر ہنسی... میں نے محسوس کیا کہ اس کا رنگ اتنا پیارا کبھی نظر نہ آیا تھا جتنا کہ اس دن نظر آ رہا تھا — میں اور وہ فوجی طالبعلم ساتھ باہر چل دئے — ہمارے باغ میں ایک پرانا جھولا تھا — میں نے اس کو چھوٹے سے تختے پر بیٹھایا اور پینگ دینے لگا — وہ موٹے کپڑے کی اپنی نئی وردی میں، جس پر سونے کے چوڑ چوڑے پٹے لگے ہوئے تھے، اپنی پوری طاقت سے رسیوں کو پکڑے ہوئے بے حس و حرکت بیٹھا تھا —

«تم اپنا گلا کیوں نہیں کھول لیتے؟» میں نے پوچھا —

«اوہ، ہم اس کے عادی ہیں —» اس نے اپنا گلا صاف کرتے ہوئے کہا — وہ اپنی بہن سے بہت زیادہ ملتا جلتا تھا — خاص طور پر اس کی آنکھیں ان آنکھوں کی یاد دلا رہی تھیں — مجھے اس کی خبرگیری میں لطف آیا مگر پرانا غم اب تک دل کو کرید رہا تھا — «آج میں صرف ایک بچہ ہوں —» میں نے اپنے آپ سے کہا «اور کل ھی...» مجھے وہ جگہ یاد آ گئی جہاں میں نے چاقو گرایا تھا اور اس کی تلاش میں گیا — مجھے چاقو مل گیا — اس فوجی طالبعلم نے چاقو مجھ سے مانگا، شیکران کی ایک چھوٹی سی ڈالی کاٹی، اپنے لئے ایک باجا بنایا اور پھونک بجانے لگا — خود اوتھیلو نے بھی باجا بجایا —

لیکن شام کے وقت بیچارا اوتھیلو زینائیدا کی بانہوں میں اس وقت پھوٹ پھوٹ کر رویا جب اس کو باغ کے ایک تنہا گوشے میں دیکھ کر زینائیدا نے اس سے پوچھا کہ آخر تم اتنے

غم گین کیوں ہو — میری آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا کچھہ اتنے زوروں پر امڈ آیا کہ وہ ڈر گئی — «کیا بات ہے ولودیا؟ کیا بات ہے؟» وہ پوچھتی رہی — اور جب مجھہ سے اسے کوئی جواب نہیں ملا اور جب اس نے دیکھا کہ میں رونا بند نہیں کر رہا ہوں تو اس نے میرے بھیگے ہوئے گال کو چومنے کی کوشش کی — لیکن میں نے سسکیوں کے درمیان بڑبڑاتے ہوئے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا «میں سب جانتا ہوں — تم کیوں کھیلتی رہیں مجھہ سے؟ تمہیں میری محبت کی کیا ضرورت تھی؟»

«ہاں، ولودیا اس کا بہت کچھہ الزام میرے سر آتا ہے...» زینائیدا بولی — «ہاں، میں جانتی ہوں میں مجرم ہوں —» اور اس نے اپنے ہاتھہ باندھہ لئے — «مجھہ میں بہت سی برائیاں، سیاہیاں ہیں، میں گناہ گار ہوں... لیکن میں اس وقت تمہاری محبت سے نہیں کھیل رہی ہوں — میں سچ مچ تمہیں بہت چاہتی ہوں — تمہیں کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا کہ میں کیوں... لیکن... تمہیں کیا معلوم؟»

میرے کہنے کو کیا رہ گیا تھا؟ وہ میرے سامنے کھڑی مجھے دیکھہ رہی تھی اور جب کبھی وہ مجھے دیکھتی تھی، میں اس کا بن جاتا تھا، سر تا پا اس کا... کوئی پندرہ منٹ بعد، میں فوجی طالبعلم اور زینائیدا کے ساتھہ دوڑنے کا مقابلہ کر رہا تھا — میں ہنس رہا تھا، میں رو نہیں رہا تھا — لیکن قہقہے سوجے سوجے پپوٹوں سے آنسو ٹپکانے لگتے — میرے گلے میں ٹائی کے بجائے زینائیدا کا ایک فیتہ تھا اور جب کبھی میں زینائیدا کو کمر سے پکڑ لینے میں کامیاب ہو جاتا تو مارے خوشی کے چیخ پڑتا — وہ جو چاہتی میرے ساتھہ کرتی —

اگر کوئی مجھہ سے، اپنی رات والی ناکام مہم کے بعد کے ہفتے کی مفصل روداد سنانے کو کہتا تو میری سمجھہ میں نہ آتا کس طرح شروع کروں— یہ ایک عجیب ہیجانی زمانہ تھا، ایک قسم کا ہنگامی زمانہ، جس میں انتہائی متضاد قسم کے جذبات، خیالات، شبہات، امیدیں، سکھہ اور دکھہ ایک جنوں اندیش بھنور میں پھنسے ہوئے تھے— اگر سولہ برس کے لڑکے سے خود اپنے دل میں اترکر جھانکنے کی توقع کی جا سکتی ہے تو میں کہونگا کہ میں اپنے دل میں جھانکتے ہوئے ڈرتا تھا، کسی چیز کے بارے میں بھی سنجیدگی سے سوچنے سے ڈرتا تھا— میں کس طرح تڑپتا کلپتا دن کاٹ دیتا— لیکن مجھے نیند اچھی طرح آتی... یہاں میرا بچپن آڑے وقتوں کام آیا— میں یہ جاننا نہیں چاہتا تھا کہ آیا مجھہ سے محبت کی جا رہی ہے یا نہیں— میں یہ اعتراف کرنا نہیں چاہتا تھا کہ مجھہ سے محبت نہیں کی جا رہی ہے— میں اپنے ابا سے کتراتا رہتا لیکن زیتائیدا سے میں کترا نہ سکتا تھا... اس کی موجودگی شعلے کی طرح مجھے جھلسے ڈالتی تھی — اور مجھے کیا پروا تھی کہ کون سی آگ مجھے جلا اور پگھلا رہی ہے جب تک کہ جلتے اور پگھلتے رہنے میں ایک شیریں لطف کا احساس ہو رہا ہو؟ ہر تاثر کے سامنے ہتیار ڈالتے ہوئے، میں خود اپنی ذات سے آنکھہ مچولی کھیل رہا تھا، یادوں کو بھلا رہا تھا اور مستقبل میں میرا جو انجام ہونے والا تھا اس کی طرف سے آنکھیں بالکل بند کر لی تھیں... یہ ہیجانی کیفیت زیادہ دنوں تک جاری نہیں رہ سکتی تھی— ایک ناگہانی

واقعہ نے یکایک اس کا خاتمہ کر دیا: اور میری زندگی کے دھارے کا رخ بالکل بدل دیا —

ایک دن دیر تک صحرانوردی کے بعد جب میں ذرا دیر سے کھانے کے لئے گھر پہنچا تو مجھے یہ جان کر تعجب ہوا کہ مجھے اکیلے ھی کھانا کھانا ھے — ابا باھر چلے گئے تھے اور اماں کی طبیعت ناساز تھی، وہ کھانا نہیں چاھتی تھیں اور انہوں نے خود کو سونے کے کمرے میں اندر سے بند کر لیا تھا — میں نے ملازموں کے چہروں سے بھانپ لیا کہ کوئی غیر معمولی بات ھوئی ھے... مجھے ان سے پوچھنے کی ھمت نہ ھوئی — ان میں سے ایک سے، جس کا نام فلپ تھا، میرا دوستانہ تھا — وہ نوجوان بیرا تھا، شاعری کا شیدائی — وہ بڑی استادی سے بربط بجاتا تھا — میں نے اس سے پوچھا — معلوم ھوا کہ ابا اور اماں کے درمیان بڑا زبردست جھگڑا ھوا تھا (اس جھگڑے کا ایک ایک لفظ خادموں کے کمرے میں سنائی دیا — زیادہ‌تر بات چیت فرانسیسی زبان میں ھو رھی تھی لیکن ماشا نے، جس نے پیرس کی ایک درزن کے گھر کام کیا تھا، سب کچھ سمجھ لیا) — اماں نے ابا پر یہ الزام دھرا تھا کہ انہوں نے بے وفائی کی ھے اور پڑوس والی جوان لڑکی سے عشق لڑا رھے ھیں — پہلے تو ابا نے الزام سے بچنے کی کوشش کی لیکن بعد میں بھڑک اٹھے اور کوئی ایسی بات کہی جو اماں «کی عمر کی خاتون کے لئے» بہت بری تھی — اس پر اماں رونے لگیں — میری اماں نے ایک قبالے کا بھی ذکر کیا جو ابا نے بوڑھی شہزادی کو دیا تھا اور اس بڑھیا کے بارے میں اور ساتھ ھی جوان لڑکی کے بارے میں کچھ سخت کلمے منہ سے نکالے — اسی پر ابا نے وہ بے رحمی کی سخت باتیں کہی تھیں —

«اور یہ سب» فلپ نے اپنی بات ختم کی «ایک گمنام خط سے شروع ھوا — کوئی نہیں جانتا کہ یہ خط لکھا کس نے — اس طرح یہ سارا بھانڈا پھوٹا — اگر یہ خط نہ آتا تو یہ کبھی طشت از بام نہ ھوتا —»

«کیوں تمہارا مطلب یہ ھے کہ —— دال میں کچھہ کالا تھا؟» میں نے خود پر جبر کرکے پوچھا — میرے ھاتھہ اور پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے اور میرے اندر ایک کپکپی سی دوڑ گئی — فلپ نے معنی خیز انداز میں آنکھہ ماری —

«ھاں تھا تو سہی — اس قسم کی بات چھپائی نہیں جا سکتی — آپ کے ابا جان ابکے بڑی احتیاط برت رھے تھے — لیکن ھمیشہ گاڑی کرائے پر لانی پڑتی ھے یا اور کچھہ... نوکروں بنا کام کب چلتا ھے —»

میں نے فلپ کو چلتا کیا اور بستر پر گر پڑا — میری آنکھوں سے آنسو نہیں چھلکے اور نہ میں نے خود کو غم کی آگ میں جھونک دیا — میں نے اپنے آپ سے یہ سب کچھہ نہ پوچھا کہ یہ سب کیسے اور کب ھوا — میں نے خود سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ یہ کیوں کر ممکن تھا کہ میں نے آخر خود ھی یہ سب کچھہ بہت پہلے کیوں نہ تاڑ لیا —— میں اپنے ابا کے خلاف بڑبڑایا بھی نہیں... جو کچھہ ابھی ابھی مجھے معلوم ھوا تھا میرے لئے بہت زیادہ تھا — اس اچانک افشائے راز نے مجھے کچل کر رکھہ دیا... سب کچھہ ختم ھو کر رہ گیا — میرے سارے پھول نوچ لئے گئے تھے اور ساری پنکھڑیاں میرے چاروں طرف بکھری اور روندی پڑی تھیں —

دوسرے دن میری اماں نے اعلان کیا کہ وہ واپس شہر جانے کا ارادہ رکھتی ھیں — میرے ابا صبح کو ان کے سونے کے کمرے میں گئے اور دیر تک ان سے باتیں کرتے رھے — کسی نے یہ نہ سنا کہ ان سے انہوں نے کیا کہا لیکن اماں نے اس کے بعد آنسو بہانا بند کر دیا — وہ کچھه ٹھنڈی پڑیں اور اپنا ناشتہ لانے کو کہا — لیکن اپنے کمرے سے نکلیں نہیں اور نہ اپنا فیصلہ بدلا — مجھے یاد ھے کہ میں دن بھر ٹہلتا رھا — لیکن باغ میں نہ گیا — اور شہزادی کے گھر کی طرف ایک نظر اٹھاکر بھی نہ دیکھا — اور اس شام کو میں نے ایک عجیب وغریب تماشا دیکھا : کاؤنٹ مالیوسکی کو بازو سے پکڑکر میرے ابا ڈرائنگ روم سے ھال میں لے گئے اور ایک بیرے کی موجودگی میں بڑی سرد مہری سے بولے «چند ھی دن قبل حضور عالی کے لئے ایک گھر کا دروازہ وا ھوا اور مجھے اس وقت یہ حق حاصل ھے کہ میں کوئی وجہ بتائے بغیر آپ کی خدمت میں عرض کر دوں کہ اگر آئیندہ کبھی آپ نے یہاں قدم رکھنے کی کوشش کی تو میں آپ کو اٹھا کر کھڑکی سے باھر پھینک دونگا — مجھے آپ کی لکھائی بالکل نہیں بھاتی —» کاؤنٹ بے غیرتی سے جھکا، اپنے دانت بھینچے اور کندھے ھلاتے ھوئے چلتا بنا —

شہر میں، اربات اسٹریٹ میں اپنے گھر واپس جانے کی تیاریاں شروع ھوئیں — شاید ابا کو بھی اب گاؤں میں رھنے کی کوئی خواھش نہیں تھی — لیکن جیسا کہ ظاھر تھا کہ وہ اماں کو اس پر راضی کرنے میں کامیاب ھو گئے تھے کہ وہ معاملے کو

دبا دیں اور بدنامی نہ ہونے دیں — ہر کام خاموشی سے ہوا، بغیر کسی جلد بازی کے — یہاں تک کہ اماں نے شہزادی کو سلام بھجوایا اور یہ پیغام کہ انہیں افسوس ہے کہ کچھہ طبیعت نا ساز ہونے کی وجہ سے اس سے رخصت بھی نہ ہو سکینگی — میں مارا پھرتا جیسے مجھہ پر بھوت سوار ہو — میرے دل میں صرف ایک خواھش تھی —— یہ سب کچھہ جلد از جلد ختم ہو جائے — ایک خیال مجھے نہ چھوڑتا تھا —— کہ وہ، ایک جوان لڑکی اور بھر حال ایک شہزادی، یہ سب کچھہ کرنے پر آمادہ ہوئی، اور جب اس کو معلوم تھا کہ میرے ابا آزاد آدمی نہیں تھے —— اور جبکہ اس کو اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ بہ‌آسانی مثال کے طور پر، بیلوزوروف سے شادی کر سکتی تھی! آخر اس نے سوچا کیا تھا کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟ کیا اسے اپنا پورا مستقبل تباہ و برباد کر دینے کا ڈر بھی نہ ہوا؟ «یہی تو» میں نے سوچا «یہی تو محبت ہے، یہی جذبہ ہے، یہی سپردگی ہے!» اور لوشین کی باتیں میرے دماغ میں گونج گئیں: «معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ایسے لوگ ہیں جنہیں اپنی قربانی دینے میں لطف آتا ہے —» اس زمانے میں مجھے ایک دن، اس گھر کی ایک کھڑکی میں کچھہ پیلا پیلا سا دھبہ نظر آیا... «کیا یہ زینائیدا کا چہرہ ہو سکتا ہے؟» میں نے حیرانی سے سوچا... اور واقعی یہ زینائیدا کا چہرہ ھی تھا — میں خود کو قابو میں نہ رکھہ سکا — میں اسے برداشت نہ کر سکا کہ خدا حافظ کہے بغیر اس سے جدا ہو جاؤں — میں موقع کی تاک میں رہا اور اس کے گھر چل دیا —

بوڑھی شہزادی نے ڈرائنگ روم میں اپنی حسب معمول بے نیازی اور بیہودہ انداز سے میرا استقبال کیا —

«جناب آخر کیا ہوا کہ تمہارے گھر والے اتنی جلدی پر تولنے لگے؟» اپنے دونوں نتھنوں میں نسوار جھونکتے ہوئے اس نے پوچھا — میں نے اسے دیکھا اور میرے سینے سے ایک بوجھ ٹل گیا — فلپ نے جس قبالے کا ذکر کیا تھا وہ مجھے برابر ستا رہا تھا — اسے کچھ شبہہ نہ تھا، یا کم از کم اس وقت مجھے ایسا ہی لگا — زینائیدا دوسرے کمرے سے نمودار ہوئی — وہ سیاہ لباس میں تھی — اس کا چہرہ زرد تھا اور اس کے بال بغیر گھونگھر کے لٹک رہے تھے — اس نے خاموشی سے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں لیا اور مجھے الگ لے گئی —

«میں نے تمہاری آواز سنی» اس نے کہا «اور فوراً باہر آ گئی — میرے سنگدل لڑکے، کیا ہمیں اس طرح چھوڑ جانا تمہارے لئے اتنا آسان ہے؟»

«شہزادی، میں تمہیں خدا حافظ کہنے آیا ہوں —» میں نے جواب میں کہا «اور شاید ہمیشہ کے لئے—تم نے سنا ہوگا کہ ہم واپس شہر جا رہے ہیں؟»

زینائیدا نے مجھے استفسار بھری نظر سے دیکھا —

«ہاں میں نے سنا ہے — تم آئے، اس کا شکریہ — میں تو یہ سوچنے لگی تھی کہ اب میں تمہیں کبھی نہیں دیکھ پاؤنگی — اگر ہو سکے تو میرے بارے میں نرم دلی سے سوچنا — میں نے کبھی کبھی تمہیں ستایا اور کڑھایا بھی ہے — میں جانتی ہوں — لیکن میں وہ نہیں ہوں جو تم سمجھتے ہو —»

اس نے منہ پھیر لیا اور کھڑکی کے پٹ کے سہارے کھڑی ہو گئی۔

«نہیں سچ میں وہ نہیں ہوں۔ میں جانتی ہوں تم میرے بارے میں بری رائے رکھتے ہو۔»

«میں؟»

«ہاں، تم... تم۔»

«میں؟» میں نے غم‌زدہ آواز میں دہرایا اور میرا دل اسی طرح لرز اٹھا جیسے پہلے اس کی ناقابل تسخیر اور ناقابل بیان دلربائی کے جادو سے لرز اٹھا تھا۔ «میں؟ زینائیدا الیکساندروونا، مجھہ پر یقین کرو، تم نے جو کچھہ بھی کیا ہو، تم نے جتنا کچھہ بھی مجھے ستایا ہو، میں اپنی زندگی کے آخری دنوں تک تم سے محبت اور تمہاری پوجا کرتا رہونگا۔»

وہ تیزی سے مڑی۔ اس نے اپنی بانہیں پھیلا دیں اور پھر ان کو میری گردن میں حمایل کرتے ہوئے اس نے پوری گرمی اور شدت سے پیار کیا۔ خدا جانے، وہ لمبا الوداعی بوسہ کس کے لئے تھا لیکن میں اس کی شربتی شیرینی کو ایک ھی سانس میں بڑے شوق سے پی گیا۔ میں جانتا تھا یہ دہرایا نہ جائیگا۔ «خدا حافظ، خدا حافظ» میں باربار کہہ رہا تھا۔

اس نے خود کو مجھہ سے الگ کیا اور کمرے سے باھر چلی گئی۔ میں بھی چلا گیا۔ میں ان احساسات کو نہیں بیان کر سکتا جن کے ساتھہ میں نے اس گھر کو چھوڑا۔ میں دوبارہ ان احساسات سے نہیں گزرنا چاھتا اور ساتھہ ھی یہ بھی ھے کہ

ان احساسات سے گزرے بغیر میں خود کو ایک بدنصیب آدمی تصور کرتا۔

هم شهر واپس چلے گئے۔ ماضی سے دامن چھڑاتے چھڑاتے دوبارہ اپنا کام شروع کرتے کرتے ایک عرصه بیت گیا۔ میرا گھاؤ آهسته آهسته بهر رها تها۔ لیکن مجھے اپنے ابا سے کوئی گله یا شکوہ نه تها۔ اس کے برعکس میری نظر میں ان کی قدر بڑھ گئی تھی۔ اب ماهرین نفسیات جیسے چاهیں اس گتھی کو سلجھائیں۔ ایک دن میں شاهراہ پر جا رها تها که لوشین سے مڈبھیڑ هو گئی۔ میں مارے خوشی کے پھولا نه سمایا۔ میں اس کی صافگوئی اور مخلصانه برتاؤ کی وجه سے اسے پسند کرتا تها اور اس کو دیکھ کر جو یادیں تازہ هوئیں ان کی وجه سے بھی وہ مجھے عزیز تها۔ میں لپک کر اس کے پاس پہنچا۔

«اخاه!» اس نے اپنی بھویں جوڑتے هوئے کہا۔ «اچھا تم هو، نوجوان تم؟ ذرا دیکھوں تو تمهیں نظر بھر کے! اب تک ذرا زرد زرد سے دکھائی پڑتے هو مگر تمهاری آنکھوں میں وہ اداسی نهیں رهی۔ اب تم انسان نظر آتے هو — پالتو کتا نهیں — یه اچھا هے۔ اچھا کیسے هو تم؟ کام کر رهے هو؟»

میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی — میں جھوٹ نهیں کہنا چاهتا تها اور سچ کا اعتراف کرتے هوئے ندامت هو رهی تھی۔

«پروا نه کرو» لوشین نے کہا «جی نه هارو! بس گر کی بات یه هے که آدمی نارمل زندگی گزارے اور جذبات میں خود کو بہنے نه دے — اس لئے که اس کا فایدہ هی کیا هے؟ موجیں جہاں چاهیں لئے پھریں — یه بری بات هے — لیکن جب تک که

انسان کے پاؤں تلے پتھر کا ایک ٹکڑا بھی ہو ــــ تو وہ کم از کم اپنے پاؤں پر کھڑا تو ہو سکتا ہے ــ میں کچھہ نہیں کرتا بس کھانستا رہتا ہوں... اور بیلوزوروف ــــ تم نے کچھہ اس کے بارے میں نہیں سنا؟»

«کیوں، کیا ہوا اس کو؟»

«بالکل غائب ہو گیا ــ لوگ کہتے ہیں کہ وہ قفقاز چلا گیا ــ میرے نوجوان، اس سے عبرت پکڑو! اور یہ سب صرف اس لئے کہ لوگوں کو یہ نہیں معلوم کہ کب بچ نکلنا چاہئے، کب جال کو چیر کر نکل جانا چاہئے ــ ایسا لگتا ہے کہ تم اس جال سے بغیر کسی خراش کے نکل آئے ــ یاد رہے دوبارہ نہ پھنسنا! خدا حافظ!»

«میں پھر کبھی نہیں پھنسونگا» میں نے سوچا «میں اسے پھر کبھی نہیں دیکھونگا ــ» لیکن میری قسمت میں ایک بار اور زینائیدا کو دیکھنا لکھا تھا ــ

۲۱

میرے ابا کو روزانہ شہسواری کی عادت تھی ــ ان کے پاس بھورا انگریزی نسل کا گھوڑا تھا جس کی گردن اور ٹانگیں لمبی تھیں ــ یہ ایک بڑا وحشی اور قابو میں نہ آنے والا جانور تھا ــ اس کا نام تھا «بجلی» ــ وہ سوائے ابا کے کسی کے قابو میں نہ آتا تھا ــ ایک دن ابا ہشاش بشاش میرے کمرے میں آئے ــ اب وہ کبھی کبھار ہی اتنے ہشاش بشاش نظر آتے تھے ــ وہ شہسواری کے لئے باہر جا رہے تھے اور مہمیز چڑھائے ہوئے تھے ــ میں نے التجا کی کہ مجھے بھی ساتھہ لے چلئے ــ

«بہتر یہ ہو کہ ہم مینڈک والا کھیل کھیلیں» ابا نے جواب دیا «اپنے چھوٹے سے جرمن ٹٹو پر میرا ساتھہ نہیں دے سکوگے۔»

«اوہ میں ضرور ساتھہ دونگا۔ میں مہمیز چڑھاتا ہوں۔»

«آؤ تو پھر آؤ چلو!»

ہم چل دئے۔ میرے پاس جھبرے ایال والا کالا ٹٹو تھا۔ چال اس کی زوردار اور ہموار تھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ «بجلی» کی دلکی چال کا ساتھہ دینے کے لئے اسے بگ ٹٹ بھاگنا پڑ رہا تھا۔ لیکن میں پیچھے نہیں رہا۔ میں نے کبھی اپنے ابا جیسا شہسوار نہیں دیکھا۔ وہ اتنی بےنیازی بھرے اطمینان اور چستی اور شان سے بیٹھتے تھے۔ اور ایسا لگتا تھا کہ گھوڑے کو اس کا احساس ہے اور وہ اپنے سوار پر نازاں ہے۔ ہم سایہ‌دار کشادہ سڑک پر سے گزرے، کچھہ دیر دیوی‌چئے پولے میں رکے، کئی ٹیٹوں کو پھاند گئے (شروع میں تو مجھے چھلانگ لگانے میں ڈر لگا، لیکن میرے ابا ڈرنے والے لوگوں سے نفرت کرتے تھے۔ اس لئے میں نے اپنے ڈر کو دور کر دیا)، دوبار دریائے ماسکو کو پار کیا اور میں نے یہ سوچنا ہی شروع کیا تھا کہ ہم واپس جا رہے ہیں، (خاص طور پر اس وقت جبکہ ابا کو میرا گھوڑا کچھہ تھکا تھکا نظر آیا) کہ یکایک انہوں نے اپنے گھوڑے کو موڑا ، تیزی سے مجھہ سے ٹوٹے اور اپنے گھوڑے کو دریا کے کنارے کنارے سرپٹ دوڑاتے ہوئے، کریمسکی گھاٹ کی طرف تیر کی طرح بھاگنے لگے۔ میں نے بھی اپنے گھوڑے کو بھگایا۔ جب ہم لکڑی کے کندوں کے ایک اونچے ڈھیر کے پاس پہنچے تو وہ بڑے سبک انداز سے «بجلی» کی پیٹھہ سے اترے، مجھے اترنے کو کہا، اپنے گھوڑے کی لگام میرے ہاتھہ میں تھمائی، اور

مجھه سے لکڑی کے کندوں کے پاس انتظار کرنے کے لئے کہا — پھر وہ ایک پتلی گلی میں مڑے اور اوجھل ہو گئے — میں دونوں گھوڑوں کی لگام تھامے، دریا کے کنارے ٹہلتا رہا اور «بجلی» کو کوستا رہا جو برابر اپنا سر جھٹکتے ہوئے، پورے بدن سے تھرتھرا رہا تھا، نتھنے پھڑکا رہا تھا اور ھنہنا رہا تھا — جب کبھی میں خاموش کھڑا ہوتا، وہ زمین پر ٹاپ مارنے لگتا، ھنہناتا اور میرے ٹٹو کی گردن پر منه مارنے لگتا — غرض وہ pur sang * کے بگڑے ہوئے گھوڑے کی تمام شرارتیں، تمام ادائیں دکھا رہا تھا — اب تک ابا لوٹ کر نہ آئے تھے — دریا سے ایک ناخوشگوار نمی ابھر رہی تھی — بےآواز پھواریں پڑ رہی تھیں اور ان بھوری لکڑیوں کے ڈھیر پر کالے کالے اور چھوٹے چھوٹے دھبے ابھار رہی تھیں جن کے ارد گرد چکر لگاتے لگاتے میں ان کی صورت سے جی بھر کے اکتا چکا تھا — مجھے بڑی بوریت ہو رہی تھی اور جی اداس ہو رہا تھا لیکن پھر بھی ابا کو نہ آنا تھا نہ آئے — پولیس کا ایک سپاھی، جو دیکھنے میں فن‌لینڈ کا معلوم ہوتا تھا، اور جو لکڑی کے کندوں کی طرح بھورا تھا، سرپر بڑی سی لمبی ٹوپی شاکو پہنے ہوئے اور تیز کلھاڑا ھاتھه میں اٹھائے (اور خدا جانے دریائے ماسکو کے کنارے اس پولیس کے سپاھی کا کیا کام تھا؟) میرے پاس آیا، اور جھریوں بھرا بوڑھا چہرہ میری طرف کرتے ہوئے بولا :

«جناب آپ ان گھوڑوں کے ساتھه یہاں کیا کر رہے ھیں؟ لائیے میں ان کو پکڑ لوں آپ کی خاطر — »

میں نے جواب نہیں دیا — اس نے تمباکو کی التجا کی — اس سے

---

* اصل نسل —

«ھاں، جناب، مہربانی» اس نے ایک سچے فوجی طالبعلم کی طرح کھسکھساتی ھوئی آواز میں کہا — زینائیدا پھر ھنسی... میں نے محسوس کیا کہ اس کا رنگ اتنا پیارا کبھی نظر نہ آیا تھا جتنا کہ اس دن نظر آ رہا تھا — میں اور وہ فوجی طالبعلم ساتھہ باھر چل دئے — ھمارے باغ میں ایک پرانا جھولا تھا — میں نے اس کو چھوٹے سے تختے پر بیٹھایا اور پینگ دینے لگا — وہ موٹے کپڑے کی اپنی نئی وردی میں، جس پر سونے کے چوڑ چوڑے پٹے لگے ھوئے تھے، اپنی پوری طاقت سے رسیوں کو پکڑے ھوئے بے حس و حرکت بیٹھا تھا —

«تم اپنا گلا کیوں نہیں کھول لیتے؟» میں نے پوچھا —

«اوہ، ھم اس کے عادی ھیں —» اس نے اپنا گلا صاف کرتے ھوئے کہا — وہ اپنی بہن سے بہت زیادہ ملتا جلتا تھا — خاص طور پر اس کی آنکھیں ان آنکھوں کی یاد دلا رھی تھیں — مجھے اس کی خبرگیری میں لطف آیا مگر پرانا غم اب تک دل کو کرید رہا تھا — «آج میں صرف ایک بچہ ھوں —» میں نے اپنے آپ سے کہا «اور کل ھی...» مجھے وہ جگہ یاد آ گئی جہاں میں نے چاقو گرایا تھا اور اس کی تلاش میں گیا — مجھے چاقو مل گیا — اس فوجی طالبعلم نے چاقو مجھہ سے مانگا، شیکران کی ایک چھوٹی سی ڈالی کاٹی، اپنے لئے ایک باجا بنایا اور پھونک پھونک بجانے لگا — خود اوتھیلو نے بھی باجا بجایا —

لیکن شام کے وقت بیچارا اوتھیلو زینائیدا کی بانہوں میں اس وقت پھوٹ پھوٹ کر رویا جب اس کو باغ کے ایک تنہا گوشے میں دیکھہ کر زینائیدا نے اس سے پوچھا کہ آخر تم اتنے

مسکراہٹ ھی مجھے بتا دیتی کہ یہ زینائیدا ھے — میرے ابا نے اپنے شانے جھٹکائے اور اپنی ٹوپی درست کی —— جو ان کی بےصبری کا یقینی ثبوت تھا... پھر میں نے یہ الفاظ سنے «Vous devez vous séparer de cette...»* زینائیدا کھڑی ہو گئی اور اس نے اپنے بازو پھیلا دئے... یکایک میری آنکھوں کے سامنے عجیب ڈرامہ ہوا: میرے ابا نے اپنا چابک اٹھایا، جس سے وہ اب تک اپنے کوٹ کے دامن سے گرد جھاڑتے رہے تھے، اور پھیلی ہوئی ننگی بانہہ پر سڑاپ سے دے مارا — میں بڑی مشکل سے خود کو چیخنے سے باز رکھہ سکا، لیکن زینائیدا صرف چونکی، خاموشی سے میرے ابا کو دیکھا، آھستہ آھستہ اپنے بازو کو اپنے ھونٹوں تک لائی اور بازو پر ابھرتے ھوئے سرخ نشان کو چوم لیا — ابا نے چابک پھنک دیا، اور برساتی کے زینے پر چڑھے اور گھر کے اندر تیز قدم اٹھاتے ھوئے چلے گئے... زینائیدا کھڑکی سے ھٹ گئی ، اس کی بانہیں پھیلی ھوئی تھیں اور سر پیچھے کی طرف ڈھلکا ھوا...

میں لوٹ گیا، ڈر سے ھوش اڑا جا رھا تھا اور دل ایک درد انگیز حیرانی سے بھرا ھوا تھا — میں گلی کے کنارے کی طرف بھاگا اور «بجلی» لگام تڑاکر بھاگتا بھاگتا رہ گیا اور میں دریا کے کنارے واپس آگیا — میرے دماغ میں خیالات بالکل گڈمڈ سے ھوکر رہ گئے تھے — میں پہلے بھی ابا کو جانتا تھا — وہ عام طور پر اتنے ٹھنڈے مزاج اور رکھہ رکھاؤ کے نظر آتے تھے —— لیکن کبھی کبھی یکایک ان پر غصے کا دورہ پڑتا پھر بھی ابھی جو کچھہ میں نے دیکھا تھا

---

* آپ کو اس سے اپنا ناتا توڑ لینا چاھئے —

اس کو سمجھنا میرے لئے نا ممکن تھا... لیکن میں جانتا تھا کہ جب تک زندہ رھونگا، زینائیدا کی ادا، اس کی نظر اور مسکراھٹ کو نہیں بھلا سکونگا — میں جانتا تھا کہ اس کا تصور، جو اتنا اچانک ایک نئے پہلو کے ساتھہ میرے سامنے اجاگر ہوا تھا، میری یادوں میں ھمیشه جگمگاتا رھیگا — میں بےخیالی میں دریا کی طرف دیکھتا رھا، مجھے اپنے گالوں پر بہتے ھوئے آنسوؤں کا ذرا ھوش نه تھا — «انھوں نے مارا اسے... » میں دھراتا رھا «اسے مارا، اسے مارا... »

«چلو، لاؤ لگام دو — کیوں، نہیں دینا چاھتے؟ » میرے پیچھے سے ابا کی آواز آئی —

میں نے میکانکی طور پر لگام ان کے ھاتھه میں دے دی — وہ اچھل کر «بجلی» پر سوار ھو گئے... دیر تک انتظار کی وجه سے بجھا ھوا گھوڑا ایک ذرا اڑا اور پھر جو آگے بڑھا تو کوئی دس فٹ کی چھلانگ لگا گیا — لیکن ابا نے جلد ھی، اس وحشی جانور کے پیٹ میں مہمیز مار مار کر اور اس کی گردن پر گھونسے رسید کرکے، اسے قابو میں کرلیا — «اف! میرا چابک نہیں! » وہ بڑبڑائے —

مجھے خیال آیا کس کڑک کے ساتھه چابک زینائیدا کی بانہه پر گرا تھا —— اور میں لرز گیا —

«آپ نے اپنا چابک کیا کیا؟ » ذرا رک کر میں نے ابا سے پوچھا —

وہ جواب دئے بغیر اپنا گھوڑا آگے آگے بھگاتے رھے — میں نے ان کو جالیا — بس میرا جی چاھا کہ ان کا چہرہ ضرور دیکھنا چاھئے —

«کیا تم انتظار کرتے کرتے تھک گئے؟ » میرے ابا نے دانت بھنچ کر پوچھا —

«کچھه کچھه — لیکن آپ نے اپنا چابک کہاں گرا دیا؟» میں نے اصرار کرتے ہوئے پوچھا —

ابا نے ایک تیز نظر سے مجھے دیکھا —

«میں نے اسے گرایا نہیں» انہوں نے کہا «میں نے اسے پھینک دیا —»

وہ سوچ میں ڈوب گئے اور اپنا سر جھکا لیا. . . اور اس وقت شاید پہلی اور آخری بار میں نے دیکھا که ان کے درشت خط و خال میں کتنی شفقت اور دردمندی کے اظہار کی قوت تھی —

انہوں نے پھر اپنا گھوڑا بگ ٹٹ دوڑایا اور ابکے میں ان کی گرد بھی نه پا سکا — میں ان کے پہنچنے کے پندرہ منٹ بعد گھر پہنچا —

«یہی محبت ہے!» اس رات ، اپنی میز پر بیٹھے ہوئے، جس پر رفته رفته کتابوں اور کاپیوں کا انبار لگتا جا رہا تھا، میں نے اپنے آپ سے ایک بار پھر کہا — «یه جذبه ہے! آپ سوچینگے چوٹ کھاکر کوئی بھی بپھر جائیگا، کوئی بھی گھونسه کھاکر خاموش نہیں رہیگا —— چاہے مارنے والا ہاتھه کتنا ہی عزیز کیوں نه ہو! لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے که جس کے دل میں چاہت ہے وہ یه بھی برداشت کر سکتا ہے. . . اور میں. . . اور میں نے سوچا. . .»

گذشته ایک مہینے نے مجھه میں خاصی پختگی پیدا کر دی تھی اور میری اپنی محبت ، اپنے تمام‌تر ہیجان اور دکھه کے باوجود، اب مجھے، اس انجانی چیز کے مقابلے میں حقیر، طفلانه اور بےمعنی لگتی تھی جس کے بارے میں میں بس مبہم مبہم باتیں سوچا کرتا تھا، وہ چیز جو ایک غیر مانوس چہرے کی طرح دہشت انگیز تھی،

دل آویز مگر کٹھور، ایک ایسا چہرہ جسے آدمی اندھیرے میں پہچاننے کی بے سود کوشش کرتا ھے —

میں نے اس رات ایک عجیب اور بھیانک خواب دیکھا — میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک اندھیرے اور نیچی چھت والے کمرے میں گیا... میرے ابا وھاں کھڑے تھے، ان کے ھاتھہ میں چابک تھا اور وہ فرش پر اپنے پاؤں پٹک رھے تھے — زینائیدا ایک کونے میں سمٹی سمٹائی فرش پر پڑی تھی، اس کی بانہہ پر نہیں بلکہ پیشانی پر ایک سرخ نشان تھا جو اس کی بھوؤں کو چیرتا چلا گیا تھا — ان دونوں کے پیچھے، بیلوزوروف کا ھیولا ابھرتا ھوا نظر آیا — وہ بھی خون میں نہایا ھوا تھا — اس نے اپنے زرد ھونٹ کھولے اور بپھربپھر کر ابا کو دھمکیاں دیں —

دو مہینے بعد میں یونیورسٹی میں داخل ھو گیا اور اس کے چھہ مہینے بعد پیٹرس‌برگ میں، جہاں ھم حال ھی میں اٹھہ آئے تھے، ابا چل بسے (ایک دورے نے ان کی جان لے لی) — اپنی موت سے چند دن پہلے ان کو ماسکو سے ایک خط ملا جس نے ان کے جذبات میں ایک زبردست ھیجانی تلاطم پیدا کر دیا — وہ میری اماں کے پاس گئے اور کسی چیز کی التجا کی — لوگ کہتے ھیں کہ وہ رو پڑے — میرے ابا رو پڑے! جس دن ان پر دورہ پڑا، اس کی صبح کو انہوں نے مجھے فرانسیسی زبان میں ایک خط لکھنا شروع کیا... «میرے بیٹے» انہوں نے لکھا تھا «ایک عورت کی محبت سے خبردار رھنا، اس مسرت ونشاط سے ھوشیار رھنا، اس زھر سے...» ان کی موت کے بعد اماں نے ایک بہت بڑی رقم ماسکو بھجوائی —

تین چار برس بیت گئے — میں نے ابھی ابھی یونیورسٹی سے سند لی تھی لیکن یہ طے نہ کر پایا تھا کہ میں کیا کام کرونگا، کون سا دروازہ کھٹکھٹاؤنگا — اس اثنا میں یونہی بےکار وقت کاٹتا رہا — ایک شام تھیٹر میں میری ملاقات مئیدانوف سے ہوئی — اس نے شادی کر لی تھی اور ایک سرکاری دفتر میں ملازم تھا لیکن مجھے اس میں تبدیلی نظر نہ آئی — وہ اب تک فضول قسم کے جوش و خروش کا مظاہرہ کرتا تھا اور یکایک اس پر اداسی اور پژمردگی کا دورہ پڑ جاتا تھا —

اس نے سرسری طور پر کہا «تم جانتے ہو کہ مادام دولسکایا یہیں ھے؟»

«کون مادام دولسکایا؟»

«تم بھول گئے؟ وھی پچھلی شہزادی زاسیکینہ، جس کے عشق میں، تمھارے سمیت، ھم سب گرفتار تھے — یاد ھے، گاؤں میں، نسکوچنی باغ کے پاس —— یاد آیا؟»

«کیا اس کی شادی دولسکی سے ھو گئی؟»

«ھاں —»

«اور کیا وہ یہاں تھیٹر میں موجود ھے؟»

«نہیں، لیکن چند ھی دن پہلے وہ پیٹرس‌برگ آئی ھے — وہ یہاں سے باھر جا رھی ھے —»

«اور اس کا شوھر کس قسم کا آدمی ھے؟»

«اوہ وہ تو ایک لاجواب آدمی ھے، امیر بھی ھے — ھم دونوں ماسکو میں ایک ساتھہ ھی کام کرتے تھے — تم سمجھتے ھو —— اس

معاملے کے بعد . . . لیکن تم تو خود ھی اس کے بارے میں سب کچھه جانتے ھو. . . (مئیدانوف ایک معنی خیز انداز سے مسکرایا) اس کے لئے شوھر ڈھونڈنا اتنا آسان نہ تھا. . . گل تو کھلنا ھی تھا، کھلا. . . لیکن اس قسم کی چتر عورت سب کچھه کر سکتی ھے — جاؤ اور اس سے ملو— تم سے مل کر بہت خوش ھوگی وہ— اب تو پہلے سے بھی زیادہ نکھار آگیا ھے اس پر— »

مئیدانوف نے مجھے زینائیدا کا پتہ دیا— وہ «دیموت» ھوٹل میں ٹھہری ھوئی تھی— پرانی یادیں جاگ پڑیں. . . میں نے دل میں طے کیا کہ اگلی صبح ھی میں اپنے پرانے شعلۂ دل سے ملاقات کرونگا— لیکن کچھه ایسا سلسلہ بندھا مختلف باتوں کا کہ ایک ھفتہ گزر گیا اور پھر دوسرا ھفتہ ، اور جب میں آخرکار «دیموت» ھوٹل گیا اور مادام دولسکایا کے بارے میں پوچھه گچھه کی تو پتہ چلا کہ چار دن پہلے وہ اس دنیا سے سدھار گئی —— اچانک —— زچگی کے دوران میں—

مجھے ایسا محسوس ھوا کہ کسی نے میرے دل پر بھرپور گھونسہ جما دیا ھے— یہ خیال کہ میں اسے دیکھه سکتا تھا اور نہ دیکھه سکا اور اب کبھی نہیں دیکھه سکونگا—— یہ تلخ خیال میری روح میں کچوکے لگا رھا تھا اور بڑی بےدردی سے اندر ھی اندر مجھے گھن کی طرح کھائے جا رھا تھا— «مر گئی!» میں نے کھوکھلی نظروں سے دربان کی طرف دیکھتے ھوئے دھرایا اور پھر چپ چاپ سڑک پر نکل گیا اور چلتا رھا، چلتا رھا— مجھے معلوم نہ تھا کہ میں کہاں جا رھا ھوں— پورا ماضی اپنے تمام تر تلاطم کے ساتھه ابھر آیا — تو اس پرشباب، درخشاں اور پرشوق زندگی کا

حشر یه ہونا تھا — یہی تھی وہ منزل جس کی طرف وہ اتنی جلدی اور افراتفری کے ساتھہ لپکی تھی! اس طرح سوچتے ہوئے، مجھے وہ پیارے خد وخال، وہ آنکھیں، وہ کاکل، یاد آئے — وہ سب کچھہ، جو اب، کہیں مجھہ سے قریب ہی، نم اور اندھیری زمین کے اندر، چھوٹے سے تابوت میں بند پڑے ہیں — مجھہ سے قریب ہی، جو اب تک زندہ ہے، شاید میرے ابا سے چند ہی گز کے فاصلے پر. . . ان ساری باتوں کو دل ہی دل میں سوچتا ہوا میں نے اپنی توجہ ان باتوں پر جمانے کی کوشش کی، لیکن یہ الفاظ:

بےنیاز ہونٹوں نے میرے بےنیاز کانوں کو
میری قسمت کے لکھے کی خبر دی. . .

میری روح میں گونجتے رہے — آہ، جوانی، جوانی! تو کسی چیز کو خاطر میں نہیں لاتی، لگتا ہے کہ دنیا کی تمام دولتوں پر تیرا قبضہ ہے، دکھہ خود تیرے لئے تفریح کا ذریعہ ہے، غم بھی تیرے شایان شان ہے! تو پورے اعتماد اور دیدہ دلیری سے للکارتی ہے: دیکھو، میں اکیلی زندہ رہتی ہوں، جبکہ تمہارے دن بھاگے چلے جاتے ہیں، انجانے طور پر غائب ہو جاتے ہیں اور اپنے پیچھے کوئی نشان بھی نہیں چھوڑتے، اور تمہارے اندر ہر چیز معدوم ہو جاتی ہے، جس طرح دھوپ میں موم پگھلتی ہے، جس طرح دھوپ میں برف پگھلتی ہے. . . اور ہو سکتا ہے کہ تمہارے جادو کا سارا راز، اپنی مرضی کے مطابق سب کچھہ حاصل کر لینے کی صلاحیت میں نہیں، بلکہ تمہارے یہ یقین کر لینے کی صلاحیت میں پوشیدہ ہو کہ کوئی چیز بھی تمہاری دسترس سے باہر نہیں، اس حقیقت میں پوشیدہ ہے

که تم اتنے مجنونانہ طور پر ان قوتوں کو لٹاتے ہو جن کو کام میں لانے کے لئے تمہارے پاس اور کوئی طریقہ نہیں، اور یہ کہ ہم میں سے ہر ایک اس بات کا پکا یقین رکھتا ہے کہ اسے یہ کہنے کا حق حاصل ہے: «اگر میں اپنا وقت یوں نہ گنواتا تو کیا کچھ نہ کر لیتا!»

مثال کے طور پر مجھ ہی کو لیجئے... میری توقعات کی بنیاد کس پر تھی، میں کس چیز کی امید کرتا تھا، میں کس درخشاں مستقبل کی راہ دیکھ رہا تھا جب میں نے اپنی پہلی محبت کے خیالی پیکر کو خدا حافظ کہا تو میں نے مشکل سے ایک ٹھنڈی سانس لی ہوگی، مشکل سے ایک لمحاتی درد محسوس کیا ہوگا؟

اور مجھے جس چیز کی امید تھی سچ ثابت ہوئی؟ اور اب جبکہ سانجھ بھئی اور سائے میرے راستے پر پھیلنے لگے ہیں، کیا میرے لئے اس موسم بہار میں صبح سویرے دو گھڑی کے لئے اٹھنے والے طوفان کی یادوں سے زیادہ روشن اور قیمتی کوئی دوسری چیز ہو سکتی ہے؟

لیکن میں خود کو ختم کیوں کرنا چاہتا ہوں؟ جوانی کے ان بےپروا دنوں میں بھی، میرے کان اس غم و الم کی آواز کے لئے بہرے نہیں تھے جو مجھے پکار رہی تھی، اس مقدس آواز کے لئے جو مجھے قبر سے پکار رہی تھی — مجھے یاد ہے کہ زینائیدا کی موت کی خبر کے چند دن بعد، دل کی ایک دبائے نہ دبنے والی خواہش کے زیراثر، میں خود، ایک غریب بڑھیا کے بستر مرگ پر جھکا رہا — وہ اسی عمارت میں رہتی تھی جس میں ہم رہتے تھے — وہ وہاں نزع کے عالم میں پڑی تھی — چتھڑوں کے ڈھیر تلے، وہ تختوں کے بستر

پر پڑی اور ٹاٹ کے تکیئے پر سر رکھے، اپنی زندگی کے لئے ھاتھه پیر مار رھی تھی — ساری زندگی اس نے اپنی بےپناہ غربت سے دانت پیس کر جدوجہد کی تھی — اسے کبھی کوئی خوشی نصیب نه هوئی تھی، اس نے مسرت کا میٹھا پھل کبھی نه چکھا تھا —— اس سے امید کی جا سکتی تھی که وہ موت کا خیر مقدم کریگی اور اس میں اپنے سکون اور مکتی کا راسته دیکھیگی — اور پھر بھی جب که اس کا مریل ڈھانچه موت سے لڑ رھا تھا، اس کا سینه اس کے برف جیسے شل ھاتھوں کے نیچے بڑے درد انگیز طور پر ابھر اور دب رھا تھا، جب تک اس میں طاقت کی ایک رمق بھی باقی تھی، وہ عورت برابر صلیب کا نشان بناتی رھی اور بدبداتی رھی « یا معبود —— میرے گناہ بخش دے . . . » اور موت کی سراسیمگی، موت کا ڈر اسی وقت غائب ھوا جب ھوش و حواس کی آخری چنگاری بھی بجھه گئی . . . مجھے یاد ھے که اس غریب بڑھیا کے بستر مرگ کے سرھانے، میں نے درد و کرب کے ساتھه زینائیدا کے بارے میں سوچا اور بے اختیار جی چاھا که ھاتھه اٹھاؤں اور اس کے لئے، اپنے ابا کے لئے اور خود اپنے لئے دعا مانگوں —

۱۸۶۰ ع

جھونکے بہار کے

ایسے مسرت انگیز دن،
ایسے نشاط بخش سال،
موسم بہار کے جھونکوں
کی طرح یونہی بیت گئے

پرانا گیت

جب وہ رات ڈھلے اپنے مطالعے کے کمرے میں واپس آیا تو اس وقت ایک سے کچھہ اوپر ہو چکا تھا — جو ملازم موم بتیاں جلانے آیا اسے اس نے لوٹا دیا اور آتش‌دان کے پاس کرسی پر لاش کی طرح گر گیا اور اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا — اس سے پہلے کبھی اس نے اتنی تھکن نہیں محسوس کی تھی —— روحانی تھکن اور جسمانی بھی — پوری شام اس نے دل لبھانے والی عورتوں اور شائیستہ اور مہذب مردوں کے جلو میں بتائی تھی — بعض عورتیں خوبصورت تھیں اور قریب قریب تمام کے تمام مرد ذھن و فراست کی وجہ سے امتیازی شان کے مالک تھے — اور بات چیت کے دوران میں اس نے خود اپنا جھنڈا بلند رکھا تھا اور اپنی ذھانت اور تیزی سے چکا چوند بھی پیدا کی تھی — اتنا سب کچھہ ہونے پر بھی اسے وہ زبردست تھکن اور کوفت «taedium vitae» ستا رھی تھی جس کا ذکر خود قدیم زمانے کے رومیوں نے بھی کیا ھے — زندگی سے بیزاری کے جذبے نے اس سے پہلے کبھی بھی اس کو گھٹن کی حد تک اتنا بےبس نہیں کیا تھا — اگر اس کی عمر کچھہ اور کم ھوتی تو وہ اس دکھہ، اکتاہٹ اور کوفت سے رو پڑتا — اس کا دل، نیم کی طرح تیز کڑواھٹ سے لبالب تھا — ایسا لگتا تھا کہ ھر سمت سے خزاں

کے اندھیرے کی طرح کوئی بیزار کن اور اذیت ناک سایہ بڑھتا آ رہا ہے اور اسے دبا رہا ہے — اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس تاریکی اور تلخی سے کیسے جان بچائے — نیند کی امید فضول تھی — اسے یقین تھا نیند نہیں آئیگی، نہیں آئیگی —

وہ اپنے خیالات میں ڈوب گیا . . . سست رو، پھیکے اور تلخ خیالات —

اس نے تمام انسانی ٹیم‌ٹام، سطحیت اور بے معنی خود فریبی پر غور کیا — وہ یکے بعد دیگرے انسانی عمر کی تمام منزلوں سے گزرا (وہ باون سے کچھ اوپر تھا) اور اسے ان میں سے کسی بھی دور میں کوئی خاص جاذبیت نہیں محسوس ہوئی — ہمیشہ وہی کبھی ختم نہ ہونے والی بےمعنی سرگرمیاں، قوت کی وہی فضول بربادی، وہی نیم واجب سی مگر جھوٹی خود فریبی—— دھیان بٹانے کے لئے کوئی نہ کوئی بات ! اور پھر ناگہاں آدمی پر بڑھاپا اپنا ہاتھہ ڈال دیتا ہے — اور پھر ہر چیز کی تہہ میں موت کا ہمیشہ بڑھتا ہوا اور گھلا گھلا کر مار ڈالنے والا ڈر رینگتا رہتا ہے اور پھر . . وہ اتھاہ خندق ! غنیمت ہو جو اسی پر بس ہو جائے —— لیکن، بہر حال، انجام سے پہلے کمزوری اور دکھہ تو آئیگا —— جس طرح لوہے پر زنگ جمتا ہے . . . جیون کا سمندر اس کے سامنے پرشور طوفانی موجوں کے روپ میں نہیں ابھرا تھا، جیسا کہ شاعروں نے کہا ہے — اس کی نگاہوں میں جس سمندر کی تصویر ابھرتی تھی، وہ ایک پرسکون، ہموار اور خاموش سمندر تھا جس کی تہہ تک سب کچھہ شیشے کی طرح جھلملا رہا تھا — وہ خود ایک کمزور سی کشتی میں سوار تھا اور سمندر کی تہہ میں جمی ہوئی کالی کالی گاد میں بڑی بڑی

مچھلیوں کی طرح اژدھا نما درندے نظر آ رہے تھے — یہ تھے دکھ جن کو انسان کی زندگی سے الگ نہیں کیا جا سکتا —— بیماریاں، بدنصیبیاں، جنون، غربت، اندھاپن۔۔۔ اس نے اور غور سے آنکھ پھاڑ پھاڑ کر دیکھا اور لو ایک درندہ گہرے اندھیرے سے ابھرا، اور ابھرتا چلا گیا اور زیادہ سے زیادہ صاف، بیزارکن حد تک صاف نظر آنے لگا۔۔۔ ایک لمحہ —— اور یہ درندہ ناؤ کو الٹ دیگا — لیکن یکایک پھر یہ دھندلا پڑنے لگتا ھے، دور ھٹتا جاتا ھے اور سمندر کی تہہ میں ڈوبتا چلا جاتا ھے جہاں وہ پڑا پڑا اپنے پنکھہ چلاتا رہتا ھے —— اتنی خاموشی سے کہ پتہ بھی نہیں چلتا۔۔۔لیکن مقررہ گھڑی آئیگی اور وہ ابھر کر کشتی کو الٹ دیگا —

اس نے اپنے سر کو پیچھے کی طرف جھٹکا، اچھل کر کھڑا ہو گیا، دو تین بار کمرے میں ٹہلا اور پھر اس کے بعد لکھنے کی میز کے پاس گیا اور یکے بعد دیگرے درازیں کھینچ کھینچ کر اپنے کاغذوں کو الٹ پلٹ کرنے لگا — یہ پرانے خط تھے اور زیادہ‌تر ان میں عورتوں کے خط تھے — اس کے لئے یہ طے کرنا مشکل تھا کہ وہ کیا ڈھونڈ رہا ھے — اس کے دل میں صرف ایک خواھش تھی اور وہ یہ کہ اس طرح مصروفیت نکال کر ان خیالات سے جان چھڑائے جو اس کو ستا رہے تھے — کئی خطوں کو بے ارادہ الٹ‌پلٹ کرتے ہوئے (ان میں سے ایک میں دھندلے فیتے میں ایک مرجھایا ہوا پھول بندھا ہوا تھا) اس نے اپنے شانے ھلائے اور آتش دان کی طرف دیکھتے ہوئے، اس نے ان کو ایک طرف رکھا — غالباً اس کی نیت یہ تھی کہ اس فضول ردی پلندے کو آگ میں جھونک دے — جلدی جلدی ایک دراز کے بعد دوسری دراز میں ھاتھہ ڈالتے ہوئے یکایک اس کی

آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں — آہستہ آہستہ وہ ایک چھوٹا سا پرانی وضع کا ہشت پہل ڈبہ نکال کر روشنی میں لایا اور اس کا ڈھکن کھولا — ڈبے میں زرد پڑتی ہوئی روئی کی دو تہوں کے نیچے یاقوت کی ایک ننھی سی صلیب رکھی تھی —

وہ کئی منٹ تک، تعجب بھری نظروں سے اس صلیب کو گھورتا رہا — اور اس کے منہ سے آہستہ سے کچھہ نکلا — اس کے چہرے پر کچھہ افسوس اور کچھہ خوشی کی کیفیت پیدا ہوئی — ایسی کیفیت ایک ایسے شخص کے چہرے پر پائی جاتی ہے جو ایک زمانے کے بچھڑے ہوئے دوست سے خلاف توقع ملتا ہے، ایسا دوست جس کو ایک زمانہ پہلے وہ دل سے چاہتا تھا — وہ خلاف امید اس کے سامنے آ جاتا ہے اور بالکل ویسا ہی نظر آتا ہے جیسا کہ وہ اس بھولے بسرے زمانے میں تھا — لیکن ہزار نہ بدلنے پر بھی زمانے نے اس میں کچھہ تبدیلی ضرور پیدا کر دی ہے —

وہ اٹھا اور آتش دان کے پاس گیا اور کرسی پر بیٹھہ گیا — وہ بار بار اپنے ہاتھوں سے منہ ڈھانپ لیتا . . . «آج کیوں؟ آخر آج ہی کیوں؟» وہ اپنے آپ سے پوچھتا رہا اور اسے وہ واقعات یاد آتے رہے جو پہلے، بہت پہلے رونما ہوئے تھے —

اس کو جو باتیں یاد آئیں یہ ہیں . . .

لیکن پہلے اس کا نام اور خاندانی لقب بتا دینا چاہئے . . . اس کا نام تھا دمتری پاولووچ سانن —

ہاں اسے جو باتیں یاد آئیں یہ ہیں:

۱

۱۸۴۰ء کی گرمیاں تھیں — ابھی ابھی سانن کی بائسویں سالگرہ گزری تھی — اور اس وقت وہ فرانک‌فرٹ میں، دریائے مائین کے کنارے تھا — وہ اٹلی سے روس واپس جا رہا تھا — وہ معمولی قسم کی جائداد کا مالک اور بڑا آزاد مرد تھا — دور دور اس کا کوئی قریبی رشتہ دار نہ تھا — دور کے ایک رشتہ دار کی موت کے بعد اسے چند ہزار روبل ھاتھہ آئے — اور اس نے فیصلہ کیا کہ سرکاری نوکری اختیار کرنے سے پہلے، اور آخرکار سرکاری جوئے میں جتنے سے پہلے، (جس کے بغیر اس کی روزی کا ٹھکانا ممکن نہ تھا) یہ روپیہ ملک کے باھر سیر و سیاحت میں خرچ کر آئے — سانن نے اپنا ارادہ حرف بہ حرف پورا کیا اور کچھہ اتنے حسن و خوبی سے سارا انتظام کیا کہ جب وہ فرانک فرٹ پہنچا تو اس کے پاس بس اتنی پونجی بچ رہی تھی جو اسے پیٹرس‌برگ تک پہنچانے کے لئے کافی تھی — ۱۸۴۰ء میں یورپ میں شاید ھی کہیں ریلیں پائی جاتی تھیں اور سیاحوں کو ڈاک گاڑی سے سفر کرنا پڑتا تھا — سانن نے گاڑی میں اپنے لئے جگہ مقرر کرائی لیکن گاڑی شام کو دس بجے سے پہلے روانہ ھونے والی نہ تھی اور اس کے سامنے ایک لمبے انتظار کا مرحلہ تھا — خوش قسمتی سے موسم اچھا تھا — اس وقت کے مشہور ھوٹل «سفید ھنس» میں کھانا کھانے کے بعد سانن شہر کی سیر کو نکل پڑا — وہ دانیکر اریادنا دیکھنے گیا جس نے اسے کوئی خاص متاثر نہیں کیا — اس نے گوئٹے کا گھر دیکھا جس کی تخلیقات میں سے اس نے صرف «ورتھر کا غم» پڑھا تھا اور وہ بھی فرانسیسی ترجمہ — وہ دریائے مائین کے

کنارے کنارے ٹہلتے ٹہلتے اکتا گیا جیسا کہ ہر شریف سیاح کے ساتھ ہوتا ہے۔ آخرکار، شام کے چھ بجتے بجتے وہ فرانکفرٹ کی ایک گمنام ترین سڑک پر پہنچا ـــ تھکا ہارا، جوڑ جوڑ چور چور، جوتے گرد سے اٹے ہوئے۔ اس سڑک کو ایک زمانے تک اس کی یادوں میں تازہ رہنا تھا ـ ان چند مکانوں میں سے ایک پر، بالکل سامنے ایک سائن بورڈ لگا ہوا تھا جو راہگیروں کو یہ بتاتا تھا کہ یہ دوکان، اطالوی حلوائی گیوانی روسیلی کی ہے۔ سانن ایک گلاس لمونیڈ پینے کے لئے اندر گیا لیکن سامنے والے کمرے میں ایک معمولی سے کاؤنٹر کے پیچھے رنگین الماری کی شلفوں میں، جو دوا کی دوکانوں کی یاد تازہ کر رہی تھیں، چند بوتلیں رکھی تھیں جن پر گلٹ کے لیبل چپکے ہوئے تھے ـ اتنی ہی تعداد شیشے کے مرتبانوں کی تھی جو رسک، چاکلیٹ اور لیمون چوس سے بھرے ہوئے تھے ـ دوکان میں کسی آدمی کا پتہ نہ تھا ـ صرف' ایک بھوری بلی، آنکھیں میچتی اور خرخراتی ہوئی، کھڑکی کے نزدیک بید کی اونچی کرسی سے اپنے پنجے نکال اور سمیٹ رہی تھی ـ دھکتے ہوئے سرخ رنگ کے اون کا ایک بڑا سا گولہ، ڈوبتے سورج کی ترچھی کرنوں میں، فرش پر، لکڑی کے اوندھے ہوئے ایک نقشیں بکس کے پاس پڑا، چمک رہا تھا ـ دوسرے کمرے سے مبہم مبہم آوازیں آ رہی تھیں ـ سانن کھڑا دروازے کی گھنٹی کی ٹن ٹن کے بند ہونے کا انتظار کرتا رہا تاکہ پوچھ سکے «ہے کوئی؟» ٹھیک اس وقت دوسرے کمرے کا دروازہ کھلا اور اس نے جو کچھ دیکھا اس نے اس کے ہوش اڑا دئے ـ

کوئی انیس برس کی ایک لڑکی، جس کی کالی گھنگھریالی لٹیں
شانوں پر جھوں رہی تھیں، اپنی ننگی باھیں پھیلائے ہوئے سامنے والے
کمرے میں داخل ہوئی — وہ سانن کو دیکھ کر، اس کی طرف
دوڑی، اس کا ھاتھ پکڑا اور اسے کھینچتے ہوئے ھانپتی ہوئی
آواز میں بولی «جلدی، جلدی، اس کی جان بچاؤ!» اس کی تعمیل میں
سانن کو کوئی جھجک نہیں تھی مگر حیرت کی وجہ سے وہ شروع
میں اس کے پیچھے پیچھے نہ چل سکا اور یوں کھڑا رہا جیسے اس
کے پیر زمین میں گڑے ہوئے ہوں — اس نے زندگی بھر ایسا حسن
کاھے کو دیکھا تھا — وہ اس کی طرف مڑی اور بولی «آؤ، آ بھی
جاؤ!» اور اس کی آواز میں، اس کی نگاھوں میں، اس کے زرد گالوں
پر بھنچے ہوئے اس کے اضطراری ھاتھوں کی حرکت میں کچھ ایسی
نا امیدی تھی کہ ایک لمحے کو بھی جھجکے بغیر، وہ اس کے پیچھے
پیچھے کھلے ہوئے دروازے میں بھاگا —

اس کمرے میں جہاں وہ لڑکی کے پیچھے پیچھے پہنچا تھا،
پرانی وضع کے گھوڑوں کے بالوں والے ایک صوفے پر، کوئی چودہ
برس کا ایک لڑکا پڑا تھا — اس کے ناک نقشے میں لڑکی کی بہت
زیادہ شباھت تھی — غالباً وہ اس کا بھائی تھا — اس کا چہرہ مردے
کی طرح زرد تھا —— سفیدی جس میں زردی کی ھلکی سی جھلک تھی،
موم یا پرانے مرمر کی طرح — اس کی آنکھیں بند تھیں — اس کے کالے
اور گھنے بالوں کا سایہ چھینی سے ترشی ہوئی پیشانی اور بے حس و حرکت
تنی ہوئی خوب صورت بھوؤں پر پڑ رہا تھا — اس کے نیلے پڑے

ہوئے ہونٹوں کے پیچھے بھنچے ہوئے دانت نظر آ رہے تھے — ایسا لگتا تھا کہ وہ سانس نہیں لے رہا ہے— ایک ہاتھ فرش پر لٹکا ہوا تھا اور دوسرا اس کے سر کے پیچھے پڑا تھا — لڑکا کپڑے پہنے ہوئے تھا اور اس کی کسی ہوئی جیکٹ کے بٹن لگے ہوئے تھے — اس کا گلا ایک کسی ہوئی ٹائی سے دبا ہوا تھا —

لڑکی زور سے بین کرتی ہوئی اس کی طرف جھپٹی «وہ مر گیا، مر گیا!» وہ چلائی... «بس ایک منٹ پہلے وہ یہاں بیٹھا مجھ سے باتیں کر رہا تھا اور یکایک وہ گر گیا اور سن پڑا رہا... پیارے معبود! کیا اب ہم اس کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتے! اور ممی باہر ہیں — پنتالیونے، پنتالیونے، کہاں ہے ڈاکٹر؟» اس نے اطالوی زبان میں کہا «کیا تم ڈاکٹر کے ہاں گئے؟»

«میں خود نہیں گیا، سینیورینا — میں نے لوئی‌زا کو بھیج دیا»

دروازے سے ایک کھرج‌دار آواز آئی اور ایک چھوٹاسوٹا بوڑھا آدمی سرخ فراک کوٹ پہنے، جس میں کالے بٹن لگے ہوئے تھے، گردن میں اونچا گلو بند لپیٹے، نانکین کا بریجز پہنے، نیلے اونی موزے چڑھائے، اپنی جھکی جھکی ٹانگوں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا — اس کا چھوٹا سا چہرہ لوہے کے رنگ کے بالوں کی جھاڑی میں کچھ کھو سا گیا تھا — یہ بال جو ہر طرف چپکے ہوئے تھے اور بٹی بٹی سی زلفوں کی شکل میں پیچھے لٹک رہے تھے، اس بڈھے کے خدوخال گچھے دار پروں والی مرغی جیسے نظر آتے تھے — یہ شباہت اور بھی زیادہ نمایاں اس وجہ سے ہو گئی تھی کہ اس سیاہی مائل سرمئی جھاڑ جھنکاڑ سے صرف ایک نوکیلی ناک اور گول گول پیلی آنکھوں کے سوا اور کچھ جھانکتا نظر نہ آتا تھا —

«لوئی‌زا وهاں جلدی پہنچ جائیگی — میں دوڑ نہیں سکتا»
بڈھے نے اطالوی زبان میں اپنی بات جاری رکھی اور اپنے تھپکے تھپکے سے گٹھیا زدہ پیروں کو بدلتا رہا جن پر فیتہ دار پھندنوں‌والے جوتے چڑھے ہوئے تھے — «میں ذرا سا پانی لایا ہوں — »

وہ اپنی گھٹے دار بوڑھی انگلیوں سے پانی سے بھری ہوئی بوتل کی لمبی گردن کو زور سے دبوچے ہوئے تھا —

«لیکن اس کے یہاں آنے تک ایمیل ختم ہو جائیگا!» لڑکی بولی اور اس نے اپنے ہاتھہ سانن کی طرف پھیلائے —«جناب o mein Herr! آپ رحم دل آدمی ہیں — کیا آپ اس کے لئے کچھہ نہیں کر سکتے!»

«اس کا خون بہنا چاہئے — یہ ایک دورہ ہے» بڈھے نے کہا جس کو اس نے پنتالیونے کہہ کر پکارا تھا —

گرچہ سانن کو ڈاکٹری سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا، پھر بھی اسے اتنا ضرور معلوم تھا کہ چودہ برس کے لڑکوں کو دورہ نہیں پڑتا —

«یہ بے ہوشی ہے، دورہ نہیں» اس نے پنتالیونے سے کہا — «کیا تمہارے پاس کوئی برش ہے؟»

بوڑھے نے اپنا سر اٹھایا — «کیا؟»

«برش، برش» سانن نے پہلے جرمن میں دہرایا اور بعد میں فرانسیسی میں — «برش» اس نے پھر کہا اور اشارہ کرتے ہوئے اپنے کوٹ کو رگڑ کر دکھایا —

آخر بڈھا اس کا مطلب سمجھہ گیا —

«اوہ برش! Spazzette یقینی ہے تو سہی!»

«لاؤ یہاں برش لاؤ— ہم اس کا کوٹ اتار کر ذرا برش سے اس کا بدن رگڑینگے—»

«خوب... !Benone کیا یہ اچھا نہ ہوگا کہ ہم اس کے سر پر پانی ڈالیں؟»

«نہیں، بعد میں! ابھی جاؤ اور جہاں تک جلدی ہو سکے دوڑ کر برش لاؤ—»

پنتالیونے نے بوتل کو فرش پر رکھا اور دوڑ کر کمرے سے باہر چلا گیا اور دوسرے ہی لمحے دو برش، ایک سر کا برش اور دوسرا کپڑوں کا برش لے کر لوٹ آیا— اس کے پیچھے پیچھے گھنگھریالے بالوں والا ایک جھبرا کتا آیا اور زور سے دم ہلاتے ہوئے بڈھے، لڑکی اور سانن کو سوالیہ نظروں سے گھورنے لگا جیسے وہ جاننا چاہتا ہو کہ آخر یہ ہنگامہ کیا ہو رہا ہے—

سانن نے پھرتی سے، لیٹے ہوئے لڑکے کا کوٹ اتارا، کالر ڈھیلے کئے اور آستنیں چڑھائیں اور پھر ایک برش ہاتھہ میں لے پوری قوت سے اس کے سینے اور بازوؤں کو رگڑنے لگا— پنتالیونے نے دوسرے برش سے، جو سر کا برش تھا، اسی جوش و خروش سے لڑکے کے بوٹوں اور پتلون کو رگڑنا شروع کر دیا— لڑکی صوفے کے کنارے اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھہ گئی اور اپنے سر کو اپنے دونوں ہاتھوں سے تھامتے ہوئے ٹکٹکی باندھے اپنے بھائی کے چہرے کو گھورنے لگی—

سانن برش سے لڑکے کے بدن کو رگڑتے ہوئے چوری چوری ترچھی نظروں سے لڑکی کو دیکھتا بھی جا رہا تھا— خدا کی پناہ—— کتنی من موھنی لڑکی ہے!

اس کی ناک ذرا لمبی تھی، طوطے جیسی خوبصورت جھکی ہوئی — اس کے اوپر والے لب پر بہت ہی ہلکی ہلکی مسیں بھیگی نظر آتی تھیں —— لیکن اس کے چکنے اور دودھیالے رنگ کی تشبیہ ہاتھی دانت یا پیلے کہربا سے دی جا سکتی تھی — اس کی زلفوں کی چمکتی ہوئی لہریں، پلاتسوپیتی میں الوری کی جوڈتھہ سے ملتی جلتی تھیں اور خاص طور پر اس کی آنکھیں، گہری بھوری آنکھیں، جن کی پتلیوں کے گرد ایک کالا ہالہ سا پڑا ہوا تھا —— اب بھی جبکہ ان کی درخشانی ڈر اور غم سے ماند پڑ گئی تھی، حیران حیران اور ہر چیز پر چھائی ہوئی دکھائی دیتی تھیں — سانن کا خیال اس شاندار ملک کی طرف پلٹ گیا جس کو اس نے ابھی ابھی چھوڑا تھا... لیکن اٹلی میں بھی اس نے اس کے مقابلے کا کوئی حسن نہ دیکھا تھا — لڑکی رک رک کر، تھوڑے تھوڑے وقفے سے سانس لے رہی تھی جیسے اسے اپنی ہر سانس کے ساتھ اپنے بھائی کے سانس لینے کا انتظار ہو —

سانن رگڑتا رہا، لیکن اس کی نظر لڑکی کے علاوہ بھی کسی اور چیز پر پڑی — پنتالیونے کے عجیب و غریب ہیولے نے بھی اس کو اپنی طرف متوجہ کیا — بڈھا محنت سے تھک کر چور، ہانپ رہا تھا — وہ برش کی ہر رگڑ کے ساتھ اچھلتا اور دل دوز آواز میں کراہتا — اس کے بالوں کا بڑا سا گچھا، پسینے میں بھیگا ہوا، زور زور سے ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف اس بڑے سے پودے کی جڑوں کی طرح جھٹکے کھاتا جسے پانی نے دھو کر بالکل صاف کر دیا ہو —

«کم از کم اس کے جوتے تو اتار لو» سانن کہنے ھی والا تھا — بلاشبہہ، ان سب غیر معمولی باتوں کی وجہ سے، کتے کے دل میں کچھہ ایسی کھلبلی مچی کہ وہ اپنے اگلے پیروں پر بیٹھہ کر بھونکنے لگا — «Tartaglia —— canaglia!»* بڈھے نے شی شی کرتے ہوئے کہا —

لیکن اسی لمحہ لڑکی کے چہرے کا رنگ بدل گیا — اس کی بھویں چڑھہ گئیں اور اس کی آنکھیں بڑی ہوتی ہوئی معلوم ہوئیں اور اس کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا . . .

سانن نے مڑکر دیکھا . . . اس نوجوان کے چہرے پر پھر رنگ آنے لگا تھا — اس کی پلکیں پھڑک رہی تھیں، اس کے نتھنے تھر تھرا رہے تھے — اب تک بھنچے ہوئے دانتوں کے ساتھہ سانس کھینچتے ہوئے اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی . . .

«ایمیل !» لڑکی چلائی — «ایمیلیو، میو !»

بڑی بڑی کالی آنکھیں آھستہ آھستہ کھلیں — نگاھیں اب تک خالی خالی تھیں — لیکن اب ان میں ایک کھوکھلی مسکراھٹ جاگنے لگی تھی — وھی مدھم مدھم سی مسکراھٹ اس کے ھونٹوں پر تیر گئی — پھر اس نے لٹکتے ہوئے ھاتھہ کو ایک تیز جھٹکے سے اٹھا کر اپنے سینے پر رکھہ لیا —

«ایمیلیو!» لڑکی نے دھرایا اور اچھل پڑی — اس کے چہرے پر جذبات اتنی تابناکی اور شدت سے چھلکے پڑتے تھے کہ لگتا تھا کہ یا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیگی یا اس کے ھونٹوں سے قہقہہ پھٹ پڑیگا —

---

* تارتالیا —— بدمعاش —

«ایمیل! کیا ہے یہ؟ ایمیل!» دروازے کی دوسری طرف سے آواز آئی اور صاف شفاف خوش وضع لباس میں ایک خاتون، جن کے بال چاندی کی طرح سفید تھے اور رنگ سانولا تھا، تیز تیز قدموں سے کمرے میں داخل ہوئیں — ان کے بالکل پیچھے پیچھے ایک عمر رسیدہ سا آدمی داخل ہوا جس کے پیچھے خادمہ کا سر ابھرا اور غائب ہو گیا —

لڑکی ان کی طرف لپکی —

«وہ بچ گیا ممی، وہ زندہ ہے!» وہ لرزتی ہوئی خاتون سے لپٹ گئی اور چلائی —

«لیکن ہوا کیا؟» خاتون پھر بولیں — «میں گھر آؤں اور اچانک ڈاکٹر اور لوئی‌زا سے ملاقات ہو — »

لڑکی نے اپنی ماں کو سارا ماجرا سنانا شروع کیا اور ڈاکٹر مریض کے پاس گیا جو رفتہ رفتہ ہوش میں آ رہا تھا اور برابر مسکرائے جا رہا تھا — لگتا تھا کہ وہ اس تشویش اور پریشانی پر شرما رہا ہے جو اس کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی —

«اچھا، یہ بات ہے، معلوم ہوتا ہے کہ تم اس کو برش سے رگڑ رہے تھے» ڈاکٹر نے سانن اور پنتالیونے سے کہا «اور یہ تم نے بڑا اچھا کیا... خوب سوجھی تمہیں... آؤ، اب دیکھیں اور کیا کچھ دوائیں دی جا سکتی ہیں...»

اس نے مریض کی نبض دیکھی — «ہوں — ذرا اپنی زبان دکھاؤ — »

خاتون بےقراری کے ساتھ لڑکے پر جھک گئیں — اس کی مسکراہٹ اور بھی پھیل گئی — اس نے اپنی نگاہیں ماں پر ڈالیں اور اس کا منہ سرخ ہو گیا —

سانن کو محسوس ہوا کہ ممکن ہے وہ کباب میں ہڈی نظر آ رہا ہو اور وہ واپس دوکان کی طرف چل دیا — لیکن ابھی اس نے مشکل سے باہر والے دروازے کا دستہ ہی چھوا تھا کہ لڑکی پھر ایک بار اس کے سامنے نمودار ہوئی اور اس کو روک کر کھڑی ہو گئی —

«جا رہے ہیں آپ؟» اس نے نرمی سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا «میں آپ کو روکنا نہیں چاہتی — مگر آپ کو وعدہ کرنا پڑیگا کہ آپ آج شام کو واپس آئینگے — ہم آپ کے اس قدر شکرگزار ہیں — آپ نہ ہوتے تو میرا بھائی مرجاتا — ہم آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں — ممی چاہتی ہیں — آپ کو بتانا پڑیگا آپ کون ہیں، اور پھر ہم ایک ساتھہ خوشی منائینگے...»

«لیکن میں آج ہی برلن جا رہا ہوں» سانن نے ہکلاتے ہوئے کہا —

«ارے بہت وقت پڑا ہے» لڑکی نے ذرا زور باندھتے ہوئے جواب دیا — «ایک گھنٹے میں آئیے، اور ہمارے ساتھہ چاکلیٹ کی ایک پیالی پیجئیے — اب وعدہ کیجئیے! میں بھائی کے پاس جاتی ہوں — آپ آئینگے، ہے نا؟»

اب سانن کے سامنے راستہ کیا تھا؟

«میں آؤنگا» وہ بولا —

اس حسینہ نے تیزی سے اس کا ہاتھہ دبایا اور پھر سے غائب —— دوسرے لمحہ وہ سڑک پر تھا —

جب سانن دوبارہ ڈیڑھ گھنٹے کے بعد حلوائی کی دوکان میں واپس آیا تو اس کا خیر مقدم یوں ہوا جیسے وہ خاندان کا ہی فرد ہو— ایمیلیو اب تک اسی صوفے پر بیٹھا تھا جہاں اس کا مساج ہوا تھا— ڈاکٹر نے اس کے لئے کچھہ دوا تجویز کی تھی اور کہا تھا کہ «جذباتی ہیجان کے سلسلے میں خاص احتیاط برتی جائے» کیونکہ مریض آعصابی بیماری کا شکار تھا جس کا رجحان دل کی بیماری کی طرف تھا— اکثر پہلے بھی اس پر بیہوشی کا دورہ پڑ چکا تھا— لیکن اس سے پہلے کبھی یہ حملہ اتنا لمبا اور شدید نہیں ہوا تھا— بہر حال، ڈاکٹر نے کہا تھا کہ اب وہ خطرے سے بالکل باہر ہے— ایمیل ایک روبہ صحت آدمی کی طرح، ڈھیلا ڈھالا ڈریسنگ گاؤن پہنے ہوئے تھا— اس کی ماں نے ایک نیلا اونی رومال اس کی گردن میں لپیٹ دیا تھا— لیکن وہ خوش خوش بلکہ چہکتا ہوا نظر آ رہا تھا— صوفے کے پاس، ایک صاف شفاف میز پوش سے ڈھکی ہوئی گول میز پر، ایک بڑا سا چینی کا قہوہ‌دان رکھا تھا اور پوری میز پر خوشبودار چاکلیٹ سے بھری ہوئی پیالیاں، شربت سے بھری ہوئی صراحی، بسکٹ اور مکھن بھرے رول رکھے تھے اور ساتھہ ہی پھول بھی— چاندی کی دو قدیم شمع دانوں میں چھہ موم بتیاں جل رہی تھیں— صوفے کے ایک طرف اونچی پشت والی ایک کرسی اپنے بازو پھیلائے آرام کی دعوت دے رہی تھی— اس پر سانن کو بٹھایا گیا— مٹھائی کی اس دوکان میں سارے رہنے والے جن سے اس دن اس کی ملاقات ہوئی تھی، وہاں موجود تھے جن میں کتا تارتالیا اور

بلی بھی شامل تھے ــ ہر چیز ناقابل بیان طور پر مسرت انگیز معلوم ہوئی ــ کتا خوشی میں خاصے دھوم دھڑکے سے چھینکے چلا جا رہا تھا ــ صرف بلی متاثر نہ تھی ــ وہ اسی طرح آنکھیں میچ رہی تھی اور کھیسیں کاڑھہ رہی تھی ــ سانن کو بتانا پڑا کہ وہ کون ہے، کہاں سے آیا ہے اور اس کا نام کیا ہے ــ جب اس نے یہ بتایا کہ وہ روسی ہے تو دونوں خواتین نے ہلکے سے تعجب کا اظہار کیا اور حیرانی بھری سانس بھی لی، اور ساتھہ ھی جلدی سے، دونوں نے ایک ساتھہ بولتے ہوئے اس کو یقین دلایا کہ اس کی جرمن زبان لاجواب ہے، لیکن اگر وہ فرانسیسی میں بولنا چاھتا ہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے اس لئے کہ وہ دونوں بھی پوری طرح وہ زبان سمجھتی اور بولتی تھیں ــ سانن اس پیش کش کا فائدہ اٹھانے سے نہ چوکا ــ «سانن؟ سانن!» خواتین نے کبھی یہ نہ سوچا تھا کہ روسی نام کا تلفظ اتنا آسان ہو سکتا ہے ــ اس کا دینی نام ــــ دمتری ــــ وہ بھی بہت اچھا تھا ــ بڑی بی نے کہا کہ انہوں نے اپنی جوانی میں ایک اوپیرا «Demetrio e Polibio» سنا تھا ــ لیکن اسے «Dimitri» تو «Demetrio» سے بھی زیادہ پسند تھا ــ سانن ایک گھنٹے تک اسی طرح گپ لڑاتا رہا ــ اور خواتین نے اپنی باری میں، اپنی نجی زندگی کی تفصیلات اس کو کہہ سنائیں ــ ماں، چاندی جیسے سفید بالوں والی خاتون، گفتگو کے زیادہ حصے پر حاوی رہی ــ سانن کو معلوم ہوا کہ اس کا نام لیونورا روسیلی ہے ــ اپنے شوہر، گیوانی بتستا روسیلی کی موت کے بعد، جو فرانکفرٹ میں دریائے مائین پر، حلوائی کی حیثیت سے، پچیس برس قبل آن بسا تھا، ایک بیوہ کی زندگی بسر کرتی رہی تھی ــ گیوانی بتستا وسنزا کا رہنے والا تھا ــ ذرا بگڑے دل اور

لڑاکو مزاج کا آدمی تھا لیکن تھا خوب آدمی —— سر سے پاؤں تک ریپبلکن! ان الفاظ کے ساتھه مادام روسیلی نے روغنی پینٹنگ کی طرف اشارہ کیا جو صوفے کے اوپر دیوار پر آویزاں تھی — مصور —— (جیسا کہ مادام روسیلی نے ایک ٹھنڈی سانس کے ساتھه بتایا «وہ بھی ایک ریپبلکن تھا») اس سے بہتر شباہت شاید ھی پیدا کر سکتا تھا . . . اس لئے کہ مرحوم گیوانی بتستا چہرے سے اس تصویر میں سخت گیر ڈاکو معلوم ھوتا تھا —— کچھه رینالدو رینالدینی* کی طرح — مادام روسیلی خود «قدیم اور خوبصورت شہر پارما کی رھنے والی تھی جہاں گرجے کا ایک ایسا شاندار گنبد ھے اور اس میں غیر فانی کوریگیو کے کمال فن کے ایسے نمونے زندہ ھیں — » جرمنی میں اتنے طویل قیام کی وجہ سے وہ بالکل جرمن عورت جیسی بن گئی تھی — اس نے افسردگی کے ساتھه اپنا سر ھلاتے ھوئے کہا کہ سوائے اس کی لڑکی اور لڑکے کے اس کا اپنا پرایا کوئی نہیں (اس نے یکے بعد دیگرے دونوں کی طرف اشارہ کیا) — لڑکی کا نام تھا جیما اور لڑکے کا ایمیل — وہ اچھے اور فرماں بردار بچے تھے، دونوں، خاص طور پر ایمیل — («اوہ، کیا میں فرماں‌بردار نہیں ھوں؟» لڑکی نے بیچ میں پوچھا . . . «اوہ، تم بھی ریپبلکن ھو!» ماں نے جواب دیا) — ھاں دھندا البتہ اتنا اچھا نہیں رھا تھا جیسا کہ اس کے شوھر کی زندگی میں تھا جو مٹھائی بنانے کے معاملے میں واقعی ایک فنکار تھا... («Un grand'uomo!»** پنتالیونے نے اپنے چہرے پر بڑی سختی پیدا کرتے ھوئے کہا) — لیکن اسے کوئی شکوہ نہیں، سب خدا کا شکر ھے —

---

* ایک ضرب المثل مشہور ڈاکو —

** ایک بڑا آدمی —

جیما اپنی ماں کی بات سنتی رہی، مسکراتی رہی، ٹھنڈی سانس بھرتی رہی، ماں کے شانوں کو سہلاتی رہی، اپنی ماں کی طرف انگلی اٹھا اٹھا کر دھمکی دیتی رہی اور باربار سانن کو اچٹتی ہوئی نظروں سے دیکھتی رہی — کچھہ دیر کے بعد وہ اٹھی — اس نے اپنی ماں کے گرد باہیں ڈالیں اور اس کی گردن پر، ٹھوڑی کے ٹھیک نیچے، پیار کیا اور ماں ہنس کر چیخنے لگی — سانن سے پنتالیونے کا تعارف بھی ہوا — معلوم ہوا کہ وہ ایک زمانے میں اوپیرا میں مدھم آواز میں گاتا تھا — لیکن عرصہ ہوا اس نے اسٹیج کو خیرباد کہہ دیا تھا اور روسیلی کنبے کا فرد بن گیا تھا... اس کی حیثیت خاندان کے دوست اور ملازم کے بیچ بیچ کی تھی — جرمنی میں لمبے عرصے تک قیام کرنے کے باوجود جرمن بری بولتا تھا اور اس زبان میں صرف قسمیں کھا سکتا تھا اور کوس سکتا تھا — لیکن اس میدان میں بھی، چند گالیاں جو اس نے سیکھی تھیں، ان کا خون بہانے سے باز نہ آتا تھا — «Ferroflucto spiccebubbio»* کی اصطلاح ہر جرمن کے لئے استعمال کرتا تھا — اطالوی زبان نوک پلک سے درست بولتا تھا کیونکہ وہ سنی گاگلیا کا رہنے والا تھا جہاں** «lingua toscana in bocca romana!» اب بھی سنی جا سکتی ہے —

---

* «کمبخت بدمعاش» (جرمن verfluchte Spitzbube کی بگڑی ہوئی شکل —)

** توسکانیہ کی زبان اطالوی لہجے میں —

ایمیلیو ایک نرم‌رو سی روحانی خوشی کے عالم میں تھا — وہ اس شخص کے تمام خوشگوار احساسات کا لطف اٹھا رہا تھا جو ابھی ابھی خطرے کے منہ سے نکلا ہو یا نکل رہا ہو — یہ صاف تھا کہ وہ گھر بھر کی آنکھوں کا نور تھا — اس نے شرماتے ہوئے سانن کا شکریہ ادا کیا لیکن زیادہ‌تر شربتوں اور مٹھائیوں کی داد دیتا رہا — سانن کو بہترین چاکلیٹ کے دو بڑے بڑے گلاس خالی کرنے پڑے اور ڈھیروں بسکٹ کھانا پڑے — ابھی وہ مشکل سے ایک بسکٹ ختم بھی نہ کر پاتا کہ جیما دوسرا بسکٹ لے آتی اور انکار نا ممکن تھا — جلد ہی وہ خانہ بےتکلف سا محسوس کرنے لگا اور وقت ناقابل یقین برق رفتاری سے پرواز کرتا رہا — سانن کو انہیں اتنا کچھ بتانا پڑا —— خود روس کے بارے میں، روس کی آب و ہوا کے بارے میں، روسی سوسائیٹی کے بارے میں، روسی کسان —— اور خاص طور پر کزاکوں کے بارے میں، پھر ۱۸۱۲ء کی جنگ تھی، پیوتر آعظم، کریملن، روسی گیت، گرجا کے گھنٹے تھے — دونوں خواتین کو، ہماری بیکراں اور دور افتادہ سرزمین کے بارے میں بہت کم، بہت ہی دھندلی دھندلی سی واقفیت تھی — مادام روسیلی، یا فراؤ لینورے نے (عام طور پر انہیں جس نام سے یاد کیا جاتا تھا) سانن سے یہ پوچھ کر اسے اچنبھے میں ڈال دیا کہ کیا وہ برف گھر اب تک قائم ہے جو پچھلی صدی میں پیٹرس‌برگ میں تعمیر ہوا تھا — اس نے اس قسم کا ایک دلچسپ مضمون حال ہی میں، اپنے مرحوم شوہر کی ایک کتاب «Bellezze delle arti» * میں پڑھا تھا — اور سانن کے اس تعجب‌آمیز

---

* فنون لطیفہ —

جملے کے جواب میں کہ «کیا آپ سمجھتی ھیں کہ روس میں کبھی گرمیوں کا موسم نہیں آتا؟» فراؤ لینورے نے تسلیم کیا کہ اب تک روس کے متعلق اس کا خیال یہ تھا کہ یہ جاوداں برف کی سرزمین ھے، جہاں ھر شخص سمور کے کوٹوں میں گھومتا پھرتا ھے اور جہاں کے سارے مرد فوجی ھیں ـــ لیکن لوگ بڑے مہمان نواز اور کسان بڑے سیدھے سادے ـ سانن نے ماں بیٹی دونوں کو کچھ ٹھیک ٹھیک معلومات بہم پہنچانے کی کوشش کی ـ جب روسی موسیقی کا ذکر آیا تو فوراً اس سے التجا کی گئی کہ ایک روسی گیت سنائے، اور ایک چھوٹے اور سادہ سے پیانو کی طرف اشارہ کیا گیا جو کمرے میں رکھا تھا جس کی پٹریاں سفید کے بجائے کالے رنگ کی تھیں ـ مکرر سہ کرر کا انتظار کئے بغیر اس نے درخواست مان لی اور سیدھے ھاتھ کی دو انگلیوں اور الٹے ھاتھ کی تین انگلیوں (انگوٹھا، بچلی انگلی اور چھنگلی) سے پیانو بجاتے ھوئے اس نے اونچی آواز میں پہلے تو «سرخ سارافان» گایا اور پھر «راستے کے کنارے کنارے» ـ خواتین نے اس کی آواز اور موسیقی کی تعریف کی اور سب سے زیادہ تو روسی زبان کی نرمی اور گھلاوٹ کی داد دی اور گیت کے بول کا ترجمہ کرنے کا مطالبہ کیا ـ سانن نے ان کی خواھش پوری کر دی لیکن چونکہ «سرخ سارافان» اور اس سے بھی کم «راستے کے کنارے کنارے» (اصل نظم کے مفہوم کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ـــ sur une rue pavée une jeune fille allait à l'eau) کے لفظی ترجمے سے سننے والوں کے دلوں میں روسی شاعری کے متعلق شاید ھی کوئی اچھی رائے قائم ھو سکتی تھی، اس لئے اس نے پہلے تو پشکن کی نظم «راحت ـــ کے ناقابل فراموش لمحہ» پڑھی، اس کا ترجمہ کیا اور آخر میں گا کر

سنائی جس کا نغمہ گلنکا نے تیار کیا تھا — اس بار خواتین میں جوش و خروش پیدا ہوا —— فراؤ لینورے نے تو واقعی روسی اور اطالوی زبانوں میں زبردست یکسانیت ڈھونڈ نکلی — پشکن (جس کا تلفظ وہ "پسیکن" کرتی تھی) اور گلنکا کے نام اس کے کانوں کو مانوس لگے — اس کے بعد اب سانن کی باری آئی اور اس نے خواتین سے گانے کی درخواست کی — انہوں نے بھی کسی تکلف کے بغیر درخواست قبول کرلی — فراؤ لینورے پیانو کے پاس بیٹھہ گئی اور فراؤ لینورے اور جیما دونوں نے مل کر کئی «دیوتینو» اور «استورنیلو» سنائیں — ماں کی آواز کسی زمانے میں بڑی زوردار رہی ہوگی اور لڑکی کی آواز بھی، اتنی زوردار تو نہیں، مگر دلکش ضرور تھی —

٦

لیکن سانن، جیما کی آواز سے زیادہ خود اس کا گرویدہ تھا — وہ ان سے ذرا پیچھے ایک طرف بیٹھا اپنے آپ سے کہہ رہا تھا کہ کوئی بھی پام کا پیڑ —— اس وقت کے روسی شاعر، بینی‌دیکتوف (۷) کی نظموں میں بھی جو پام کے پیڑ ہیں وہ بھی۔۔۔ اس کے پیکر کی نزاکت اور بانکپن کا مقابلہ نہیں کر سکتے — جب جذباتی ٹکڑوں کو ادا کرتے ہوئے وہ چھت کی طرف اپنی نگاہیں اٹھاتی تو اسے لگتا کہ خود آسمان بھی ان نگاہوں کی تاب نہیں لا سکتا — بوڑھا پنتالیونے بھی —— جو دروازے سے ٹیک لگائے کھڑا تھا، اور جس کی ٹھوڑی اور منہ چوڑے گلوبند سے ڈھکے ہوئے تھے اور جو ایک ماہر موسیقی کی شان اور گمبھیرتا کے ساتھہ سن رہا تھا —— ہاں وہ بھی لڑکی کی من موہنی صورت دیکھہ کر پگھلتا ہوا معلوم ہوتا تھا —— اور ظاہر

ھے وہ تو اس صورت کا عادی تھا — جب وہ دیوتینو کے آخری حصے پر پہنچی تو فراؤ لینورے نے کہا کہ ایمیل کی آواز لاجواب ھے، کھنکتی چاندی ھے، چاندی — لیکن وہ اپنی عمر کے ایک ایسے موڑ پر پہنچ گیا تھا جب آواز بدلنا شروع ھو جاتی ھے (واقعی وہ پھٹی پھٹی سی بھاری آواز میں بولتا تھا)، اور اس لئے گانا اس کے لئے ممنوع سا ھو گیا تھا — لیکن اگر، مہمان کے اعزاز میں، پنتالیونے بھی ماضی کی یاد تازہ کردے تو کیسا رھے؟ پنتالیونے نے فوراً نا پسندیدگی کی کیفیت چہرے پر طاری کرلی، تیوریاں چڑھا لیں، اور اپنے بالوں پر ھاتھوں کو دوڑاتے ھوئے کہا کہ ایک زمانہ ھوا کہ وہ یہ سب کچھہ چھوڑ چکا ھے، گرچہ اپنی جوانی میں خاصا رنگ جما لیتا تھا — بہرحال اس کا تعلق اس دور سے تھا جب کہ ابھی حقیقی، کلاسیکی موسیقی زندہ تھی اور اس کا بھلا اس زمانے کی ٹیں ٹیں اور چیں چیں سے کیا مقابلہ —— وہ دور تھا جب واقعی نغمے کے فن کا اپنا ایک مدرسہ تھا — اس کو، واریزے کے پنتالیونے چپاتولا کو، مودینہ میں پھولوں کا ھار پیش کیا گیا تھا اور ساتھہ ھی ساتھہ تھیٹر کے اندر سفید فاختائیں اڑائی گئی تھیں — ایک تھا شہزادہ، تاربوسکی، ھاں وہ روسی تھا —— «il principe Tarbusski» —— اس سے اس کے تعلقات بڑے دوستانہ تھے، وہ اسے ھمیشہ کھانے پر مدعو کیا کرتا تھا اور روس چلنے کی دعوت دیا کرتا تھا اور کیا کیا وعدے کیا کرتا تھا، سونے کے پہاڑ دونگا سونے کے پہاڑ! لیکن وہ اٹلی کو، دانتے کی دھرتی کو —— il paese del Dante! —— چھوڑنے کا خیال برداشت نہیں کر سکتا تھا — بعد میں، البتہ، برے واقعات رونما ھوئے، اور وہ کافی احتیاط سے کام نہ لے سکا... یہاں پہنچ کر بڈھا

خاموش ہو گیا . . . اس کی پلکیں جھک گئیں، دو تین بار اس نے ٹھنڈی سانس لی اور پھر فن نغمہ کے کلاسیکی دور کے بارے میں اور گارسیا کے اونچے سر میں مشہور کمال فن کے بارے میں باتیں کرنے لگا جس کے لئے اس کے دل میں بےپناہ قدر و قیمت تھی —

«وہ تھا یکتائے روزگار!» وہ چلایا «il gran Garcia» اس نے کبھی بھی —— آج کے اونچے سر میں گانے والوں کی طرح فالسیتو نہیں گایا — اس کے سکے سارے کے سارے کھرے تھے — «voce di petto, si!*» اس نے اپنی چھوٹی اور سوکھی ہوئی مٹھی اپنی قمیص کی جھالر پر مارتے ہوئے کہا — «اور واہ کیا اداکار تھا! ایک جوالا مکھی ** Signori miei -- ایک جوالا مکھی، un Vesuvio! *** Dell'illustrissimo maestro روسینی کے اوپیرا «اوتھیلو» میں مجھے اس کے ساتھ گانے کی مسرت اور عزت حاصل ہوئی تھی — گارسیا اوتھیلو کا نغمہ گا رہا تھا اور میں ایاگو کا —— اور جب وہ پہنچا ہے ان الفاظ پر . . . » یہاں پہنچ کر پنتالیونے نے ایک خاص پوز اختیار کیا اور بھاری بھاری سی تھرتھراتی ہوئی آواز میں گانے لگا جو اب تک پراثر تھی:

L'i ... ra daver ... so daver ... so il fato
Io più no ... no ... no non temerò!****

---

* دل کی آواز، ہاں —
** جناب من —
*** مشہور استاد —
**** میں اب قسمت کے ہنس سے نہیں ڈرونگا —

«سارا تھیٹر لرز اٹھا . . . Signori miei! لیکن میں نے اپنے قدم جمائے رکھے اور اس کے بعد گایا :

L'i ... ra daver ... so daver ... so il fato
Temèr più non dovró!*

«اور اچانک وہ پھٹ پڑا —— بجلی کی طرح، شیر کی طرح :
'Morro! .. ma vendicato!' **

«اور جب ***«Matrimonio segreto» کے مشہور ہوا والا حصہ وہ گاتا تھا . . . اور جب وہ ان الفاظ پر پہنچتا تھا . . . L'cavalli di galoppo **** تو ذرا تم اس il gran Garcia کو گاتے ہوئے سنتے . . . Senza posa cacciera (* ... اف کتنا شاندار ! .. com'é stupendo! وہ...» بڈھے نے غیر معمولی «فیوریتورا» گانا شروع کیا، لیکن نو یا دس بند کے بعد رک گیا — اپنا گلا صاف کیا اور بڑبڑاتا ہوا ایک طرف ہٹ گیا «مجھے ستاتی کیوں ہو؟» جیما فوراً اپنی کرسی سے اچھل پڑی اور تالیاں بجانے لگی اور «شاباش! شاباش!» کہتی ہوئی ایک طرف کھڑے ہوئے بدنصیب اپاگو کی طرف دوڑی اور اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کے کندھے تھپتھپائے — صرف ایمیل بے رحمی کے ساتھ ہنستا رہا — لیکن ایک

---

* مجھے ہرگز اب قسمت کے ہنس سے خوف نہیں کھاناچاہئے!
** میں مرونگا! .. لیکن انتقام کے بعد —
*** اٹلی کے نغمہ‌ساز (۱۷۴۹ء — ۱۸۰۱ء) دومی نیکو چیماروزے کا اوپیرا «خفیہ شادی» —
**** برق رو گھوڑا —
*) ہم گھوڑے دوڑاتے رہینگے — ہم دم نہ لینگے —

زمانہ پہلے لا فونتین نے لکھا تھا : Cet âge est sans pitié ـــــ اس دور کو نہیں معلوم رحم کیا چیز ہے ۔

سانن نے بڈھے مغنی کو دلاسا دینے کی کوشش کی اور اس سے اطالوی زبان میں بات کرنے لگا (اس نے اپنے سفر کے دوران میں تھوڑی بہت سیکھہ لی تھی) ــ اس نے «paese del Dante, dove il si suona»* کا ذکر کیا ــ اس کے ساتھہ ایک جملہ «Lasciate ogni speranza»** اطالوی شاعری کے متعلق اس نوجوان سیاح کی کل معلومات ان دو جملوں پر مشتمل تھی ــ لیکن پنتالیونے پر اس کی اس دلجوئی کا کوئی اثر نہ ہوا ــ اس نے اپنی ٹھوڑی کو گلوبند میں چھپا لیا اور اداس اداس نظروں سے دیکھنے لگا ــ وہ اور بھی زیادہ چڑیا کی طرح، غصے سے بھری ہوئی چڑیا کی طرح دکھائی دینے لگا ـــــ کوا یا چیل! پھر ایمیل، ایک شوخ اور لاڈلے بچے کی طرح اپنے چہرے پر ہلکی سی سرخی لاتے ہوئے اپنی بہن کی طرف مڑا اور بولا کہ اگر مہمان کے لئے دلچسپی کا سامان فراہم کرنا چاہتی ہو تو پھر مالتس کی کوئی مزاحیہ چیز سناؤ ـــــ اس سے بڑھہ کر کوئی چیز نہیں ہو سکتی... تم اتنا بڑھیا پڑھتی ہو ــ جیما ہنسی اور اس کے ہاتھہ پر ہاتھہ مارا اور بولی کہ وہ ہمیشہ مسخراپن کیا کرتا ہے ــ لیکن پھر بھی وہ فوراً اپنے کمرے میں گئی اور ایک چھوٹی سی کتاب کے ساتھہ واپس آئی اور میز پر چراغ کے پاس بیٹھہ

---

* دانتے کے دیس میں جہاں لفظ «ہاں» کی جگہ اطالوی زبان میں «cu» گونجتا ہے ــ

** ہمیشہ کے لئے، امید کا دامن چھوڑ دو» (دانتے) ــ

گئی، چاروں طرف نظر دوڑائی، ایک انگلی اٹھائی جیسے خالص اطالوی انداز میں «براہ کرم خاموش!» کہہ رہی ہو — اور پڑھنا شروع کر دیا —

۷

مالتس ایک ادیب تھا جو ۱۸۳۰ء اور اس کے بعد کے زمانے میں فرانکفرٹ میں رہتا تھا اور مقامی بولی میں، ہلکی پھلکی قسم کی، چھوٹی چھوٹی مزاحیہ چیزیں لکھتا تھا — وہ مقامی مثالی کرداروں کو ایسے مزاحیہ رنگ میں پیش کرتا جو گہرا اور پاکیزہ نہ سہی، پر لطف اور دلچسپ ضرور ہوتا تھا — مجھے محسوس ہوا کہ جیما واقعی خوب پڑھتی ہے — بالکل پیشہ‌ور ایکٹرس کی طرح — وہ ہر کِردار کی خصوصیتوں کو نمایاں کرتی اور شروع سے آخر تک نقل اتارنے کے فن کو اپناتے ہوئے، اجاگر رکھتی — یہ تو وہ فن تھا جو اس کے اطالوی خون میں دوڑ رہا تھا — جب ایک نیم‌پاگل یا احمق قسم کے داروغہ شہر کی نقل اتارنے کی نوبت آئی تو اس نے نہ اپنی دلکش آواز پر رحم کیا اور نہ اپنے حسین خد و خال پر۔۔۔ منہ بگاڑ بگاڑ کر، حددرجہ مضحکہ خیز چہرے بنائے، کبھی اپنی آنکھیں گول گول بنا کر نچائیں، کبھی ناک سکیڑی، کبھی تتلا کر بولی، کبھی چیخیں مار کر۔۔۔ پڑھتے ہوئے وہ ایک بار بھی خود نہیں ہنسی لیکن ہاں جب اس کے سننے والوں نے (سوائے پنتالیونے کے جو quel ferroflucto Tedesco* کا سوال اٹھتے ہی وہاں سے چل دیا تھا) اپنے

---

* کمبخت جرمن کے بارے میں —

قہقہوں سے مداخلت کی تو اس کے منہ سے قہقہہ پھٹ پڑا، اس کے ہاتھہ سے کتاب چھوٹی اور گھٹنوں پر آ رہی، اس نے اپنا سر پیچھے کی طرف جھٹکا اور گونجتے ہوئے قہقہوں میں کھو گئی — اس کی گردن اور لرزتے ہوئے شانوں پر، اس کے سیاہ بالوں کے نرم نرم گھونگھر ناچنے لگے — جیسے ہی کمرے میں قہقہے بند ہوئے، اس نے اپنی کتاب پھر اٹھائی اور پھر ایک بار اپنے چہرے پر وہی کیفیت پیدا کرتے ہوئے سنجیدگی سے پڑھنے لگی — سانن پر جادو ہو گیا تھا —— وہ مبہوت تھا، جو چیز اسے سب سے زیادہ متاثر کر رہی تھی، یہ تھی کہ کلاسیکی حد تک یہ حسین چہرہ کتنی آسانی سے مزاحیہ اور کبھی کبھی بالکل روزمرہ کے عام چہرے کا رنگ اختیار کر لیتا ہے — نام نہاد «jeunes premières» —— نوجوان لڑکیوں کا پارٹ —— ادا کرنے میں جیما کو خاطر خواہ کامیابی نہیں حاصل ہو رہی تھی — اسے خود اس کا احساس تھا اس لئے وہ ایسے مناظر کو ہلکے سے مذاق اڑانے کے انداز میں پڑھہ رہی تھی — جیسے اسے ان مقدس قسموں اور بلند بانگ تقریروں پر یقین نہ ہو جن سے دامن بچانے کی کوشش جہاں تک ممکن تھا خود مصنف نے کی تھی —

سانن کو پتہ بھی نہ چلا کہ شام کس طرح گزر گئی اور اسے صرف اس وقت اپنے سفر کا خیال آیا جب گھڑی نے دس بجائے — وہ اچھل کھڑا ہوا جیسے کسی چیز نے اسے ڈس لیا ہو —

«کیا بات ہے؟» فراؤ لینورے نے کہا —

«ارے —— آج تو مجھے برلن روانہ ہونا ہے —— میں ڈاک گاڑی میں اپنے لئے ایک جگہ کا انتظام کرا چکا ہوں!»

«ڈاک گاڑی روانہ کب ہوتی ہے؟»

«ساڑھے دس بجے!»

«پھر تو بہرحال اب وقت نہیں رہا» جیما نے کہا «رک جاؤ... میں ابھی اور پڑھ کر سناؤنگی—»

«تم نے پورا روپیہ ادا کر دیا ہے یا صرف پیشگی ادا کی ہے؟» فراؤ لینورے نے پوچھا—

«سارا روپیہ!» سانن منہ بناتے ہوئے اور زور دے کر کراہتے ہوئے کہا—

جیما نے اپنی آنکھیں میچ کر اسے دیکھا اور ہنسی— اس کی ماں نے اسے ڈانٹ بتائی—

«اس نوجوان نے اپنا روپیہ مفت میں گنوا دیا اور تم ہنس رہی ہو!»

«پروا نہیں» جیما نے کہا «اس سے دل تو نہیں ٹوٹ جائیگا بیچارے کا — ہم دل پر پھایا رکھنے کی کوشش کرینگے— آؤ لیمونیڈ پیو—»

سانن نے ایک گلاس لیمونیڈ پیا اور جیما نے مالتس کو پڑھ کر سنانا شروع کیا اور پھر وقت پہلے ھی کی طرح خوشگوار کٹنے لگا—

گھڑی نے بارہ بجائے— سانن رخصت ہونے کے لئے کھڑا ہو گیا—

«اب تمھیں چند دن اور فرانکفرٹ میں **رکنا** پڑیگا» جیما نے کہا «اتنی جلدی کرنے کی ضرورت نہیں — کسی اور شہر میں اس سے زیادہ اچھا تو ہوگا نہیں —» وہ ذرا رکی— «واقعی اس سے زیادہ اچھا نہ ہوگا» اس نے مسکراتے ہوئے کہا—

سانن نے کوئی جواب نہ دیا لیکن دل ھی دل میں بولا چاھے میں چاھوں یا نہ چاھوں، خالی جیب مجھے فرانک‌فرٹ میں اس وقت تک رکنے پر مجبور کریگی جب تک کہ برلن سے میرا دوست روپیہ نہ بھجوائے جس سے میں اب قرض منگوا ؤنگا۔

«ھاں ضرور ٹھہرو» فراؤ لینورے نے کہا — «ھم جیما کے منگیتر سے تمہاری ملاقات کرائینگے —— ھیر کارل کلیوبر سے — آج وہ نہیں آ سکا اس لئے کہ وہ اپنی دوکان میں مصروف تھا... غالباً تم نے اس کو تسیل پر دیکھا ھوگا —— شہر میں کپڑے اور ریشم کی سب سے بڑی دوکان —— وہ اس دوکان کا مالک ھے — لیکن اسے تم سے مل کر خوشی ھوگی —»

خدا جانے کیوں، اس اطلاع نے سانن کے دل کو غم گین بنا دیا — «خوش نصیب آدمی!» اس کے دماغ میں کوند گیا — جیما پر نظر ڈالتے ھوئے اس کی آنکھوں میں سانن کو تمسخر سا جھلکتا نظر آیا — وہ رخصت ھونے لگا —

«کل تک کے لئے؟ کل آؤگے، آؤگے نا؟» فراؤ لینورے نے پوچھا —

«کل تک کے لئے!» جیما نے سوالیہ لہجے میں نہیں بلکہ اثباتی لہجے میں کہا جیسے دوسری بات ھو ھی نہیں سکتی —

«کل تک کے لئے!» سانن نے جواب دیا —

ایمیل، پنتالیونے اور کتا تارتالیا اس کو نکڑ تک چھوڑنے گئے — پنتالیونے، جیما کے پڑھنے پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکا —

«اسے شرم آنی چاهئے! منه بنانا، چیخنا —— luna carricatura!
اسے تو میروپ یا کلاتی‌منسترا کا پارٹ ادا کرنا چاهئے —— کوئی بڑی چیز، المیه، اور وہ کسی گھٹیا جرمن کی نقل کرکے خود کو محظوظ کرتی ھے — میں خود یه سب کر سکتا هوں —— مهرز، کرز، شمرز —» اس نے اپنی ٹھوڑی نکالتے هوئے اور اپنی انگلیوں کو پھیلاتے هوئے بھاری لہجے میں کہا —

تارتالیا اس پر بھونکا اور ایمیل قہقهه لگانے لگا — بڈھا یکایک مڑا اور لوٹ گیا —

سانن «سفید هنس» میں واپس آیا (اس نے اپنی چیزیں وهاں پیش دالان میں چھوڑ دی تھیں) — اسے اپنی آنکھوں میں اندھیرا سا چھاتا هوا محسوس هو رها تھا — اس کے کانوں میں جرمن، فرانسیسی اور اطالوی آوازیں گونج رهی تھیں —

«منگیتر!» اپنے هوٹل کے سستے کمرے میں بستر پر لیٹتے هوئے اس نے آهسته سے کہا — «اف! کیا حسینه ھے! لیکن میں ٹھہر کیوں گیا؟»

بہر حال، اگلے دن اس نے اپنے برلن والے دوست کو خط لکھه بھیجا —

۸

ابھی اس نے کپڑے بھی نہیں بدلے تھے که هوٹل کے ملازم نے بتایا که دو صاحب اس سے ملنا چاهتے هیں — ان میں سے ایک تو ایمیل تھا اور دوسرا —— ایک لمبا تڑنگا جوان، پراثر وجیهه صورت اور ترشے هوئے خد و خال —— یه تھا هیر کارل کلیوبر، شعله رو جیما کا منگیتر —

غالباً، فرانک‌فرٹ بھر میں، اس کی طرح مہذب، رکھ رکھاؤ والا، سنجیدہ اور خوش اخلاق دوکاندار ایک بھی نہ تھا — اس کا بے داغ صاف ستھرا لباس اس کے حسن سلوک اور چال ڈھال اور ٹپ ٹاپ پر خوب پھب رہا تھا —— یہ ٹھیک ہے کہ اس کی وضع قطع اور برتاؤ میں انگریزی طرز کے مطابق (اس نے دو برس انگلستان میں بسر کئے تھے) تکلف اور رکھ رکھاؤ کا انداز شامل تھا —— لیکن پھر بھی اس کے طرز عمل میں ایک پر کشش خوش سلیقگی تھی — ایک ہی نظر میں یہ صاف معلوم ہو گیا کہ اس شکیل، قدرے درشت، نہائیت شائستہ اور سانچے میں ڈھلے ہوئے پاکیزہ سے نوجوان کو اپنے بالاتر لوگوں سے دبنے اور اپنے ماتحتوں پر سکہ چلانے کی عادت ہے اور یہ کہ دوکان میں جب وہ کاؤنٹر کے پیچھے کھڑا ہوتا ہوگا تو گاھکوں کے دل میں اس کے لئے ضرور عزت و احترام کا جذبہ پیدا ہوتا ہوگا — اس کی مافوق الفطرت حد تک بڑھی ہوئی ایمانداری پر ذرا شبہہ نہ ہو سکتا تھا —— اس کے سخت کلف دار کالر پر ایک نظر ڈالنا ہی اس کا قائل کرنے کے لئے کافی تھا — اور اس کی آواز بالکل ویسی ہی تھی جیسی کہ توقع ہو سکتی تھی —— گھلاوٹ اور ایک پر اعتماد گونج بھری، لیکن زیادہ پاٹ دار نہیں — اس کے لہجے میں ایک نرم دلی تھی — ایسی آواز دوکان میں چھوٹے کارکنوں پر حکم چلانے کے لئے بہت ہی موافق تھی «ذرا وہ سرخ لیون مخمل دکھا دینا!» یا «خاتون کے لئے ذرا وہ کرسی اٹھا لاؤ!»

هیر کلیوبر نے بات چیت کا آغاز اپنے تعارف سے کیا — تعارف کراتے ہوئے اس نے بڑی شرافت سے اپنا جسم آگے کی طرف جھکا لیا تھا — وہ اپنے پیروں کو عجز و انکسار سے حرکت دے رہا تھا

اور اتنے اخلاق سے ایڑی سے ایڑی ملا کر بات کر رہا تھا کہ آدمی یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکتا تھا: «یہ یقینی اعلی ترین روحانی خوبیوں کا آدمی ہوگا!» بائیں ہاتھ میں جو سویڈ کے دستانے میں چھپا ہوا تھا ایک اونچی دیوار کی ہیٹ تھی جس کی سطح آئینے کی طرح چمک رہی تھی— اس کے اندر دوسرا دستانہ پڑا ہوا تھا— اس کے کھلا ہوا دایاں ہاتھ، جو اس نے انکسارآمیز حوصلہ افزائی کے ساتھ سانن کی طرف بڑھایا، ہر وہم و قیاس سے بڑھ چڑھ کر نکلا—— ہر ہر ناخن اپنی اپنی جگہ پر ایک فنی کارنامہ تھا— اس نے انتہائی شستہ اور سلیس جرمن میں بتایا کہ وہ اس بدیسی بھلے مانس شریف آدمی کے لئے احترام و ممنونیت کے جذبے کا اظہار کرنا چاہتا ہے جس نے اس کے ہونے والے رشتہ‌دار، اس کے سالے کے لئے اتنا کچھ کیا— ان الفاظ کے ساتھ اس نے ہیٹ والا بایاں ہاتھ ایمیل کی طرف اٹھایا جو منہ میں انگلی دبائے کھڑکی کی طرف مڑ گیا جیسے کچھ گھبرا اور بوکھلا گیا ہو— ہیر کلیوبر بولا کہ اگر وہ اس پردیسی نیک آدمی کے کام آ سکا تو اسے اپنی خوش نصیبی تصور کریگا— سانن نے اپنی اٹکتی ہوئی جرمن زبان میں جواب دیا کہ اسے بھی خوشی ہوئی اور یہ کہ اس نے جو کچھ کیا تھا معمولی بات تھی— اور پھر اس نے اپنے مہمانوں سے بیٹھنے کی درخواست کی— ہیر کلیوبر نے اس کا شکریہ ادا کیا اور بجلی کی سی پھرتی سے اپنے کوٹ کے لمبے دامن کو پھیلا کر کرسی میں دھنستے ہوئے بہت آہستہ سے بیٹھا— وہ کرسی پر کچھ اتنا بے سہارا سا ٹکا ہوا تھا کہ بھانپنے میں ذرا دقت نہ ہو سکتی تھی کہ یہ آدمی یہاں محض اخلاقاً ٹکا ہوا ہے اور ایک لمحے میں یہاں سے

دم دبا کر بھاگتا نظر آئیگا — اور واقعی وہ فوراً وہاں سے چلتا بنا — جاتے جاتے اس نے قدرے انکسار کے ساتھہ ناچ کے انداز سے قدم اٹھائے اور کہا کہ بدقسمتی سے وہ زیادہ دیر ٹھہر نہیں سکتا کیونکہ اسے دوکان جلدی پہنچنا ھے —— پہلے کاروبار! پھر اور کچھھ! لیکن اگلے دن اتوار ھے — اس لئے اس نے فراؤ لینورے اور فراؤلین جیما کی رضامندی سے ذرا سودن کی سیر کا پروگرام بنایا ھے — اس سیر و تفریح میں شرکت کی دعوت اس نے اس پردیسی مہمان کو بھی دی اور اس امید کے اظہار کی بھی جرأت کی کہ وہ اس موقع کو اپنی موجودگی سے زینت بخشنے سے انکار نہیں کریگا — سانن نے اپنی موجودگی سے سیر و تفریح کے اس موقع کو زینت بخشنے سے انکار نہیں کیا — اور اس کے بعد ھیر کلیوبر، احترام و عزت کے کلمات دھراتے ہوئے وہاں سے چل دیا — اس کی مٹر کی‌طرح ھری پتلون بڑے خوشگوار انداز میں کوند رھی تھیں اور اس کے چمکتے ہوئے جوتوں کی مچ مچاھٹ بھی کچھھ کم خوشگوار نہ تھی —

۹

ایمیل، جو سانن کی طرف سے بیٹھنے کی دعوت کے باوجود اسی طرح کھڑکی کے پاس کھڑا تھا، اپنے ہونے والے نسبتی بھائی کے پیٹھہ پھیرتے ھی اپنی ایڑیوں پر گھوما — اس نے منہ سرخ کرتے ہوئے، اور بچے کی طرح ذرا منہ کو پھلاتے ہوئے سانن سے پوچھا کیا وہ کچھھ دیر اور یہاں رک سکتا ھے — «آج میں اتنا اچھا ہوں» اس نے کہا «لیکن ڈاکٹر کہتے ھیں مجھے کام نہیں کرنا چاھئے —»

«ضرور ٹھہرو! تمھاری وجہ سے میرے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی» سانن فوراً بولا —— ایک سچے روسی کی طرح، جو بیکار پڑے رہنے کے لئے بس بہانہ ڈھونڈتا رہتا ہے۔

ایمیل نے اس کا شکریہ ادا کیا اور فوراً اس سے شیر و شکر اور کمرے سے مانوس ہو گیا۔ اس نے سانن کی چیزوں کا جائیزہ لیا۔ قریب قریب ہر چیز کے بارے میں اس نے پوچھ ڈالا کہ فلاں چیز اس نے کہاں خریدی اور فلاں چیز کا کیا مصرف ہے۔ اس نے شیو کرنے میں سانن کی مدد کی اور ساتھ ہی کہا کہ اس کے بھی اب مونچھیں نکلنی چاہئیں۔ اور آخر میں اس نے رازدارانہ طور پر سانن کو اپنی ماں، اپنی بہن، پنتالیونے اور یہاں تک کہ اپنے کتے تارتالیا کے بارے میں بھی بہت سی تفصیلات اور ان کے رہن سہن کے قصے سنا ڈالے۔ اس میں پچھلی جھجک اور شرم کا شائبہ تک باقی نہ تھا۔ اس نے اچانک محسوس کیا کہ کوئی طاقت اسے بے بس کئے دے رہی ہے اور اس کا دل سانن کی طرف کھنچ رہا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اس نے اس کی جان بچائی تھی بلکہ اس لئے کہ وہ تھا ہی اتنا بھلا، اتنا اچھا آدمی۔ اس نے اپنا وقت رائگاں نہ جانے دیا اور فوراً اپنے دل کے سارے راز اس کے سامنے کھول کر رکھ دئے۔ اس نے اس بات پر خاص زور دیا کہ امی اسے دوکاندار بنانے پر تلی ہوئی ہیں لیکن اسے اس کا پورا پورا یقین تھا کہ وہ پیدائیشی فنکار ہے، ایک موسیقار، ایک مغنی، تھیٹر ہی اس کا اصلی میدان ہے۔ یہاں تک کہ پنتالیونے بھی اس کا حوصلہ بڑھاتا ہے، مگر ہیر کلیوبر امی کی طرف ہے جن پر اس کا بڑا اثر ہے۔ اس کو ایک دوکاندار بنانے کا خیال کلیوبر کی اپج ہے

جس کے خیال میں سوداگری سے بڑھ کر کوئی دوسرا پیشہ ہو ہی نہیں سکتا! کپڑا اور مخمل بیچنا، گاھکوں کو الو بنانا، ان کو ٹھگ کر روسیوں کے «Narren —— oder Russen-Preise»* دام اینٹھنا —— یہ تھا اس کا آدرش!

«اچھا اب کافی وقت ہو گیا ـ آؤ میرے ساتھ گھر چلو!» جیسے ہی سانن نے کپڑے پہنے اور برلن خط لکھنا ختم کیا، لڑکا بولا ـ

«ابھی بہت سویرا ہے» سانن بولا ـ

«ارے کوئی ہرج نہیں» ایمیل نے اس کے قریب جاتے ہوئے کہا «چلنا چاہئے! ہم ڈاک خانے چلیں گے اور وہاں سے گھر ـ جیما تم سے مل کر کتنا خوش ہوگی! تم ہمارے ساتھ ناشتہ کر لینا... تم ممی سے میرے بارے میں، میرے مستقبل کے بارے میں بات کر سکتے ہو...»

«اچھا تو پھر ٹھیک ہے» سانن نے کہا اور دونوں ساتھ چل دئیے ـ

۱۰

واقعی جیما اسے دیکھ کر خوش نظر آئی اور فراؤ لینورے نے محبت سے اس کی آؤ بھگت کی ـ ظاہر تھا کہ پچھلے دن اس نے ان دونوں پر خوشگوار اثر چھوڑا تھا ـ ایمیل نے پہلے سانن کے

---

* پہلے —— (اور ان دنوں بھی ایسا ہی ہوتا ہے) —— مئی کے مہینے میں، جب بہت سے روسیوں کا قافلہ فرانکفرٹ آتا تو ساری دوکانوں میں چیزوں کی قیمت چڑھ جاتی تھی اور اس کو «Russen» (روسیوں کی) یا —— افسوس! «Narren — Preise» (احمقوں کی) قیمت کے نام سے یاد کیا جاتا تھا! (مصنف ـ)

کان میں آهسته سے کہا «یاد رهے بهولنا مت!» اور ناشتے کو کهنے کے لئے چلا گیا ـ

«نهیں بهولونگا» سانن نے جواب دیا ـ

فراؤ لینورے کی طبیعت کچهه نا ساز تهی ـ وه درد سر میں مبتلا تهی ـ وه ایک کرسی پر بیٹهی تهی اور کوشش کر رهی تهی که بنا هلے ڈولے بیٹهی رهے ـ جیما ڈهیلا ڈهالا سا پیلے رنگ کا کرتا پهنے هوئے تهی جو کمر پر ایک کالی پیٹی سے کسا هوا تها ـ وه بهی تهکی تهکی نظر آ رهی تهی، ذرا زرد زرد سی ـ اس کی آنکهوں کے نیچے کالے حلقے سے دکهائی دے رهے تهے لیکن ان کی وجه سے آنکهوں کی چمک میں کوئی کمی نهیں هوئی تهی ـ اس کی هلکی هلکی زرد رنگت نے اس کے خد و خال کے کلاسیکی تیکهے پن میں ایک پراسرار سلونا پن پیدا کر دیا تها ـ آج اس کے هاتهوں کی کومل سندرتا سانن کی آنکهوں میں کهب کے ره گئی ـــ جب اس نے اپنی زلفوں کے چمکتے هوئے سیاه گهونگهر کو سنوارنے کے لئے اپنے هاتهه اٹهائے تو سانن اپنی آنکهیں اس کی لمبی، پتلی اور نازک انگلیوں سے ایک پل کو بهی نه هٹا سکا ـ اس کی نظریں جمی کی جمی ره گئیں ـ یه انگلیاں رافیل کی فورنارینا کی انگلیوں کی طرح تهیں ـ

دن بڑا گرم تها ـ ناشتے کے بعد سانن جانے کے لئے اٹها لیکن اس سے کها گیا که ایسے دن میں بهترین طریقه یه هے که آدمی جهاں هو وهیں دبکا بیٹها رهے ـــ اور سانن مان گیا ـ وه رک گیا ـ پچهواڑے کے کمرے میں، جهاں وه میزبان خواتین کے ساتهه بیٹها تها، ٹهنڈا ٹهنڈا اور اچها لگ رها تها ـ کهڑکیاں ایک چهوٹے سے باغ میں کهلتی تهیں جو ببول کی جهاڑیوں سے بهرا هوا تها ـ

گھنے پتوں کے جھنڈ کے درمیان، جہاں سنہرے پھول کھلے ہوئے تھے، ان گنت شہد کی مکھیاں، بھونرے اور بھڑ ایک ساتھ بڑے شوق سے گا رہے تھے — مسلسل ان کی بھنبھناہٹ، کھڑکی کے نیم‌وا پٹ اور پردے سے کمرے میں آ رہی تھی — یہ آواز باہر کی چاچلاتی ہوئی گرمی کی چغلی کھا رہی تھی اور چھوٹے سے آرام‌دہ اور محفوظ کمرے کی ٹھنڈک اور بھی راحت بخش محسوس ہو رہی تھی —

سانن بہت سی باتیں کرتا رہا جیسا کہ اس نے پچھلے دن کیا تھا — لیکن آج اس نے صرف روس اور روسی زندگی کی باتیں نہیں کیں — اس کا چھوٹا سا دوست ناشتے کے بعد بھی کھانے کا گر سیکھنے کے لئے سیدھا ھیر کلیوبر کے یہاں چلتا کر دیا گیا — اس کا جی خوش کرنے کے لئے سانن نے گفتگو کا رخ، آرٹ اور تجارت کے نسبتاً فائدے اور نقصان کی بحث کی طرف پھیر دیا — جب فراؤ لینورے نے تجارت کی طرف داری کی تو اسے ذرا تعجب نہ ہوا — اس کو اسی کی توقع تھی — لیکن جیما نے بھی اپنی ماں کی رائے کا ساتھ دیا —

« اگر تمہیں ایک فنکار ہونا ھے —— خاص طور پر ایک مغنی » اس نے پرزور انداز سے ھاتھ کو نیچے کی طرف جھٹکتے ہوئے کہا « تو پھر تمہیں بہت اونچا فنکار ھونا چاھئے — اس کے علاوہ اور کچھ ھونے سے کام نہ چلے گا — اور کون جانے تم کبھی اس بلندی تک پہنچ بھی سکوگے یا نہیں؟ »

پنتالیونے نے بھی اس بحث میں حصہ لیا (اس کی طویل خدمات اور اس کی عمر نے اس کو اپنے مالکوں کے سامنے بیٹھنے کا حق دے دیا تھا — اور اطالوی تہذیب و ادب کے اتنے پابند بھی نہیں) — قدرتی طور پر پنتالیونے سرتاپا آرٹ کا رسیا تھا — سچی بات تو یہ ھے

که اس کی دلیلیں کچھہ کمزور تھیں — اس نے یہ بتانا شروع کیا که سب سے اهم بات یہ هے که d'un certo estro d'inspirazione هونا چاهئے —— ایک ایسی خواهش جو جذبے اور دلی شوق سے پیدا هو— فراؤ لینورے نے جواب دیا که تم میں خود بلاشبهه وہ جوش و جذبہ موجود تھا لیکن پھر بھی ...

« میں تو دشمنوں میں گھرا هوا تھا » پنتالیونے نے منہ بگاڑتے هوئے کہا —

« اگر ایمیل میں یہ جذبہ پیدا بھی هو جائے تو تجھے یہ کیسے معلوم هو گیا که اس کے دشمن نہیں هونگے » بے ساختہ اطالوی انداز سے، فراؤ لینورے « تجھے » کا بے تکلف لب و لہجہ اختیار کرتے هوئے بولی —

« بہت اچھا تم اسے بنیا بنا دو بنیا» پنتالیونے نے گرم هوکر کہا «لیکن گیوان بتستا، خود حلوائی هوتے هوئے کبھی ایسا نہ کرتے — »

« گیوان بتستا، میرے شوهر، ایک معقول آدمی تھے —— اور اگر وہ اپنی جوانی میں ذرا گرم مزاج تھے تو... »

لیکن بڈھے نے کان دهرنے سے انکار کر دیا اور غصے میں بکتا جھکتا اور یہ دهراتا هوا چلا گیا « آہ گیوان بتستا! » جیما نے کہا که اگر ایمیل کے دل میں دیش بھگتی کا جذبہ هے، اگر وہ اپنی ساری قوت اٹلی کی آزادی کے لئے تج دینا چاهے تو اسے اتنے بلند اور مقدس آدرش کے لئے ایک یقینی شاندار مستقبل کی قربانی دینے کی اجازت دی جا سکتی هے —— مگر تھیٹر کے لئے هرگز نہیں — یہاں پہنچ کر فراؤ لینورے کے چہرے سے پریشانی کی کیفیت جھلکنے لگی اوراس نے اپنی بیٹی سے التجا کی که اپنے بھائی کو

گمراہ نہ کرے اور خود ایسی سر پھری ریپبلکن بنی رہنے پر اکتفا کرے اور بس — ان الفاظ کے ساتھ فراؤ لینورے کے منہ سے ایک ہلکی سی کراہ نکلی اور اس نے درد سر کی شکایت کی — اور کہا لگتا ہے کہ سر « پھٹ جائیگا » — (فراؤ لینورے، مہمان کے اعزاز میں اپنی بیٹی سے فرانسیسی زبان میں بات کر رہی تھی —)

جیما نے فوراً اپنی ماں کی تیمار داری شروع کر دی — اس نے پہلے تو اس کے سر کو یوڈی کلون سے ترکیا اور پھر پیشانی پر ہولے ہولے پھونکنا شروع کیا — بڑی نرمی سے اس کے گال کو چومتے ہوئے اس نے اس کا سر تکیئے پر رکھا اور اس کو بولنے سے باز رہنے کی تاکید کی —— اور ایک بار پھر اسے چوما — پھر سانن کی طرف مڑتے ہوئے اس نے دل لگی کے لہجے میں کہنا شروع کیا (اور یہ لہجہ اس کے اصلی جذبات کو چھپانے میں ناکام تھا) کہ اس کی ماں کتنی لاجواب ماں ہے اور اف جوانی میں وہ کتنی حسین تھی — « لیکن میں یہ کیوں کہہ رہی ہوں کہ وہ حسین تھیں —— اس وقت بھی وہ کتنی پیاری ہیں! ذرا دیکھو ان کو —— کتنی حسین ہیں ان کی آنکھیں! »

جیما نے فوراً اپنی جیب سے ایک سفید رومال نکالا اور اس سے اپنی ماں کا منہ ڈھک دیا — اور پھر ایک کونا پکڑ کر اسے سرکانے لگی — پہلے تو پیشانی نظر آئی، پھر بھویں، اس کے بعد فراؤ لینورے کی آنکھیں — اس نے ایک لمحہ انتظار کیا اور اپنی ماں سے آنکھ کھولنے کے لئے کہا — ماں نے آنکھیں کھول دیں — جیما کے منہ سے تعریفی چیخ نکل گئی (فراؤ لینورے کی آنکھیں واقعی بڑی حسین تھیں) اور پھر رومال کو چہرے کے نچلے حصوں پر سے سرکاتے

ہوئے جو اتنے ترشے ہوئے نہ تھے، دوبارہ اپنی ماں کو چومنا شروع کر دیا — فراؤ لینورے نے اپنے سر کو پیچھے جھٹکتے ہوئے اور جھوٹ موٹ اپنی بیٹی کو پرے دھکیلتے ہوئے، قہقہہ بلند کیا — جیما نے بن کر ماں سے کھینچ تان شروع کردی اور ساتھ ہی اسے چومتی بھی رہی —— فرانسیسی میٹھی چھری کے انداز سے نہیں بلکہ اطالوی دلربائی کے ساتھ جس میں ہمیشہ ایک اندرونی قوت کا احساس ہوتا ہے —

آخر فراؤ لینورے نے اعلان کیا کہ وہ تھک گئی ہے۔۔۔ جیما نے فوراً اسے صلاح دی کہ جہاں ہے وہیں کرسی پر پڑی پڑی سو جائے اور « روسی مہمان اور میں دونوں «avec le monsieur russe» چوہے کی طرح «comme des pitites souris» چپکے بیٹھے رہینگے — » جواب میں فراؤ لینورے مسکرائی اور اپنی آنکھیں بند کر لیں، ایک دو بار ٹھنڈی سانس لی اور اونگھتی ہوئی ہلکی نیند میں کھو گئی — جیما اس کے پہلو میں پڑی ہوئی کرسی پر تیزی سے گری اور بےحس و حرکت بیٹھی رہی — ہاں وہ بار بار ہونٹوں پر اپنی انگلی رکھتی اور دوسرے ہاتھ سے اپنی ماں کے سر کے نیچے رکھے ہوئے تکیئے کو سہارا دیتی اور منہ سے خبردار کے انداز میں «شی!» کی ہلکی سی آواز نکالتی اور اگر سانن ذرا بھی ہلنے کی جرات کرتا تو ترچھی نظر سے اس کی طرف دیکھتی — آخر میں اس پر بھی کچھ خواب سا طاری ہو گیا، وہ بھی بے حس و حرکت بیٹھا رہا جیسے اس پر جادو کر دیا گیا ہو — وہ اپنے سامنے کی تصویر کو دیکھنے میں محو تھا — نیم تاریک کمرہ، پرانی قسم کے ہرے گلاسوں میں پوری طرح کھلے ہوئے تازہ گلاب کے پھولوں سے روشن

روشن سا ہو رہا تھا — سوئی ہوئی عورت — بڑے انکسار سے بندھے ہوئے ہاتھ اور تھکا ہوا چہرہ جس سے نرم دلی ٹپک رہی تھی اور جو تکیئے کی برف جیسی سفیدی میں دھنسا ہوا تھا — پھر یہ دوشیزہ جس کا رویاں رویاں جاگ رہا تھا۔ ۔ ۔ وہ بھی نرم دل، عقل مند، پاکیزہ اور ساتھ ہی اتنی حسین تھی کہ الفاظ اس کی تعریف کرنے میں بے بس تھے، اس کی آنکھیں اتنی گہری، اتنی کالی تھیں جن میں سایہ سا تیر رہا تھا اور جو پھر بھی اتنی روشن تھیں... آخر یہ سب کیا تھا؟ ایک خواب؟ پریوں کی کہانی؟ اور آخر وہ یہاں کیسے موجود تھا؟

۱۱

باہر کے دروازے پر گھنٹی بجی — سمور کی ٹوپی پہنے اور سرخ جیکٹ چڑھائے ایک کسان لڑکا دوکان میں داخل ہوا — صبح سے ایک بھی گاہک نہیں پھٹکا تھا — «دیکھو کیسا چلتا ہے دھندا اپنا!» جب وہ ناشتہ کر رہے تھے تو فراؤ لینورے نے ایک ٹھنڈی سانس کے ساتھ سانن سے کہا تھا — وہ بے روک ٹوک سوئی رہی — جیما تکیئے کے نیچے سے ہاتھ نکالتے ہوئے ڈر رہی تھی — اس نے سانن کے کان میں کہا «جاؤ اور میری خاطر سے ذرا دوکان پر ایک نظر رکھو!»

سانن فوراً پنجوں پر چلتا ہوا دوکان کے اندر چلا گیا — لڑکے نے تین اؤنس لیموں چوس مانگا —

«میں اس سے کیا لوں؟» سانن نے دروازے میں سے سرگوشی کی آواز میں پوچھا —

«چھه کریوتزر» اس نے سرگوشی کے انداز میں جواب دیا—
سانن نے تین اؤنس لیمون چوس تولا، کاغذ کے لئے چاروں طرف نظریں دوڑائیں، کاغذ کا ایک دونا بنایا، اس میں لیمون چوس بھرا— پڑا کھل گیا، اس نے دوبارہ پڑے کو لپیٹا، پڑا پھر کھل گیا اور اخر اس نے کاؤنٹر پر سے پڑا بڑھایا اور گاھک سے پیسے لئے. . .
لڑکے نے حیرت سے اسے دیکھا— اس کی ٹوپی اس کے پیٹ پر کچلی پڑی تھی— پچھلے کمرے میں جیما اپنے منه پر ھاتھه رکھے ہوئے قہقہوں کو دبانے کی کوشش کر رھی تھی— ابھی پہلا گاھک گیا ھی تھا که دوسرا آن دھمکا اور اس کے بعد ایک اور. . «ظاھر ھے که میرا شگون اچھا ھے!» سانن نے سوچا— دوسرے گاھک نے ایک گلاس شربت مانگا اور اس کے بعد والے نے چھه اؤنس مٹھائی — سانن نے ان کی مانگ پوری کی، خوب جوش و خروش سے چمچے بجائے، پلیٹوں کو ادھر ادھر کھسکایا اور تیزی سے اپنی انگلیاں کبھی بکسوں میں ڈالیں اور کبھی مرتبانوں میں— حساب لگانے پر معلوم ھوا که اس نے شربت تو سستے داموں بیچ دیا تھا لیکن مٹھائی کی قیمت دو کریوتزر زیادہ لے لی تھی— جیما اپنی خوشی کو دبا نه سکی اور سانن کو بھی ایک ناقابل بیان مسرت کا، جذبات کے امڈ آنے کا احساس تھا— اسے لگا که اگر وہ دل‌ربا حسینه، کھلے ہوئے دروازے سے اپنی ھنستی ہوئی دوستانه آنکھوں سے جھانکتی ھو، کھڑکی کے سامنے شاہ بلوط کے گھنے پتوں سے دھوپ چھن رھی ھو اور پورے کمرے کو دوپھر کی سبزی مائل سنہری کرنوں اور پرچھائیوں سے بھر رھی ھو تو وہ ابد تک وھاں کاؤنٹر کے پیچھے یونہی کھڑا شربت اور مٹھائی بیچ سکتا ھے— اور اس کا دل ایک

کیف پرور آسودہ خاطری، من ترنگ، جوانی —— گنگناتی ہوئی جوانی کی پہلی متلاطم لہر سے سر شار ہو گیا۔

چوتھے گاہک نے ایک پیالی کافی مانگی۔ اب ضروری ہو گیا کہ پنتالیونے کو آواز دی جائے۔ (ایمیل اب تک هیر کلیوبر کے ہاں سے واپس نہیں آیا تھا) — سانن اندر گیا اور جیما کے پاس بیٹھ گیا — جیما کے دل کو اس سے زبردست تسکین ہوئی کہ اب تک اس کی ماں سو رہی تھی — «ممی کا درد سر نیند میں اچھا ہو جاتا ہے» وہ بولی — سانن نے اس کو —— کھسر پھسر کرتے ہوئے —— اپنے «کاروباری کارناموں» کے متعلق بتایا — اس نے پوری سنجیدگی سے، مٹھائی کی دوکان میں رکھی ہوئی چیزوں کی قیمتیں معلوم کیں۔ جیما نے اسی سنجیدگی کے ساتھ قیمتیں بتائیں اور ساتھ ہی دونوں نے دل ہی دل میں قہقہے بلند کئے جیسے دونوں کو اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ ایک دلچسپ مزاحیہ ڈرامہ کھیل رہے ہیں — اچانک سڑک پر کسی من چلے نے «دیر فرائی‌شوتز» کے ایک آلہا، «Durch die Felder, durch die Auen ...» * کی تان اڑائی — فریاد کناں تانیں خاموش ہوا میں گونج رہی تھیں، تھرتھرا رہی تھیں اور سیٹی سی بجا رہی تھیں — جیما چونک گئی . . . «بھئی یہ ممی کو جگائیگا!» سانن بھاگ کر سڑک پر گیا اور ساز بجانے والے کی ہتھیلی پر چند کریوتزر رکھے، اسے چپکا کیا اور آگے بڑھنے کے لئے کہا — جب سانن لوٹا تو جیما نے سر ہلا کر اس کا شکریہ ادا کیا اور ہونٹوں پر غم گین سی مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے، بالکل

---

* کھیتوں اور وادیوں کے اس پار۔

ہلکی ہلکی آواز میں ویبر کا وہ دلکش نغمہ گنگنانا شروع کیا جس میں
ماکس پہلی محبت کے سارے حیرت ناک اور شاندار جذبات کا اظہار
کرتا ھے - اس کے بعد اس نے سانن سے پوچھا کیا تم
«دیر فرائی شوتز» کو جانتے ھو اور ویبر کو پسند کرتے ھو- پھر وہ بولی
کہ گرچہ وہ خود اطالوی ھے اسے اس قسم کی موسیقی سب سے زیادہ
بھاتی ھے- ویبر سے ھٹ کر گفتگو شاعری اور رومانیت کی طرف پلٹ
گئی- پھر ھاف‌مین پر باتیں ھونے لگیں جو ان دنوں وسیع حلقے
میں پڑھا جاتا تھا-

اور فراؤ لینورے سوتی رھی- وہ ھلکے ھلکے خراٹے بھی لے
رھی تھی- دھوپ کی باریک کرنیں، جھلملی کو چیر کر اندر آ رھی
تھیں اور ان کی رفتار کا پتہ نہ چل رھا تھا مگر وہ برابر سرک رھی
تھیں، فرش اور فرنیچر پر سے گزرتی ھوئی یہ کرنیں جیما کے لباس
پر اور پھولوں کی پنکھڑیوں اور پتیوں پر تیرتی چلی گئیں-

۱۲

بات چیت سے پتہ چلا کہ جیما کو، ھاف‌مین کوئی خاص
پسند نہیں اور حقیقت میں وہ اسے ایک بور نظر آتا تھا- اس کی کہانیوں
کا پراسرار اور تخئیلی شمالی عنصر اس کے روشن روشن، شاداں شاداں
سے جنوبی مزاج کے لئے ایک اجنبی چیز تھا- «یہ محض جن پریوں
کی کہانیاں ھیں- یہ صرف بچوں کے لئے لکھی گئی تھیں!» اس نے
کہا اور اس کے لہجے میں ایک چبھن تھی - کچھہ
دھندلا دھندلا سا اس کو یہ احساس بھی تھا کہ ھاف‌مین کے یہاں شاعری
کی کمی ھے- لیکن ایک کہانی تھی جس نے اس کا دل موہ لیا تھا-

اس کا عنوان اسے یاد نہ تھا— لیکن، ذرا سوچئے، اس کو صرف اس کا آغاز پسند تھا —— انجام یا تو اس نے پڑھا نہیں تھا یا اس کے بارے میں بھول گئی تھی— یہ کہانی ایک نوجوان کے بارے میں تھی جو کسی مٹھائی کی دوکان میں ایک یونانی ماہ پارہ سے ملا— ہر جگہ، پراسرار اور جرائم پیشہ قسم کا ایک عجیب بڈھا سائے کی طرح اس کا پیچھا کر رہا تھا— پہلی ہی نظر میں نوجوان اس لڑکی کو دل دے بیٹھا— اس نے نوجوان کو ایسی التجا بھری نظروں سے دیکھا جیسے آزادی کی بھیک مانگ رہی ہو— ایک لمحے کو وہ وہاں سے باہر آیا اور پھر جب وہ مٹھائی کی دوکان میں لوٹا تو وہاں نہ تو لڑکی موجود تھی اور نہ وہ بڈھا— وہ اس کی تلاش میں مارا مارا پھرا، وہ ہمیشہ ان کو پکڑتے پکڑتے رہ جاتا، وہ ہمیشہ ان کے پیچھے بھاگتا رہا، لیکن اپنے سارے جتن کے باوجود وہ کبھی اور کہیں ان کو جا لینے میں کامیاب نہ ہوا— وہ حسین دوشیزہ ہمیشہ کے لئے کھو چکی تھی لیکن وہ اس کی التجا بھری نظر کو بھلا نہ پاتا تھا اور ہمیشہ اس خیال سے اس کے دل پر آرا سا چلتا رہتا تھا کہ شاید اس نے اپنی مٹھی میں آئی ہوئی مسرت خود ہی گنوا دی تھی—

ممکن ہے کہ ہاف‌مین کی کہانی کا انجام یوں نہ ہوا ہو— لیکن جیما کے حافظے میں یہ قصہ یونہی محفوظ تھا—

«میرا خیال ہے» اس نے کہا «اس قسم کی ملاقاتیں اور جدائیاں، جتنا ہم سمجھتے ہیں اس سے زیادہ ہوا کرتی ہیں—»

سانن خاموش ہو گیا— لیکن ایک دو منٹ کے بعد اس نے بات چیت کا رخ ہیر کلیوبر کی طرف موڑ دیا— یہ پہلی بار اس نے اس کا نام لیا تھا— اس لمحے تک اس نے اس کے بارے میں ذرا نہ سوچا تھا—

اب چپ ہونے کی باری جیما کی تھی — وہ سوچ میں ڈوبی ہوئی اپنی انگلی کو کھرچ رہی تھی اور نگاہیں بچا رہی تھی — پھر اس نے اپنے منگیتر کے گن گانا شروع کر دئے، اس نے اس پکنک کا ذکر کیا جو اگلے دن کے لئے طے تھا، پھر اس نے ایک تیز نگاہ سانن پر ڈالی اور خاموش ہو گئی —

سانن گفتگو کا کوئی موضوع تلاش کرنے کے لئے اپنے دماغ پر زور ڈالتا رہا —

ایمیل شور مچاتے ہوئے کمرے میں داخل ہوا اور اس نے فراؤ لینورے کو جگا دیا . . . اس کے وہاں آ جانے سے سانن کی جان میں جان آئی —

فراؤ لینورے اپنی کرسی سے اٹھی — پنتالیونے یہ بتانے کے لئے اندر آیا کہ کھانا تیار ہے — خاندان کا یہ دوست، جو کبھی اوپیرا کا مغنی بھی رہ چکا تھا اور اب ملازم تھا باورچی کے فرائیض بھی انجام دیا کرتا تھا —

۱۳

سانن، کھانے کے بعد بیٹھا رہا — جھلس ڈالنے والی گرمی اب تک اس کو جانے سے باز رکھنے کا بہانہ بنی ہوئی تھی اور جب گرمی کچھ کم ہوئی تو انہوں نے اس باغ میں ببول کے سائے میں بیٹھ کر کافی پینے کی دعوت دی — سانن نے دعوت قبول کر لی — اس کا دل خوشی سے جھوم رہا تھا — خاموش، یک رنگ اور زندگی کے ہموار اور پر سکون بہاؤ کی تہوں میں بڑی دل فریب مسرتیں چھپی رہتی ہیں اور وہ خوشی سے ان میں کھو کر رہ گیا —

اسے موجودہ لمحے سے کسی خاص چیز کی خواهش نه تھی، وہ مستقبل
سے بے نیاز تھا اور پچھلے دنوں سے غافل — جیما جیسی لڑکی کے
پاس هونا هی بڑی دولت تھی — وہ بہت جلد اس سے جدا هو جائیگا
اور شاید همیشه همیشه کو — لیکن، اوالینڈ* کے آلھا کی طرح جادو
کی کشتی زندگی کے پر سکون چشمے میں لے آئی هے تو. . . پھر، اے
مسافر، خوش هو اور اس کا لطف اٹھا! اس مگن مسافر کو هر چیز
سحر انگیز اور مسرت بخش معلوم هوئی — فراؤ لینورے نے اسے اپنے
اور پنتالیونے کے ساتھه «ترستے» کھیلنے کی دعوت دی، اس نے اس
کو تاش کا اطالوی کھیل سکھایا جو کوئی خاص پیچیدہ نه تھا —
اس نے اس سے کئی کریوتزر جیتے —— اور جی اس کا خوش هوا —
پنتالیونے نے، ایمیل کی درخواست پر، کتے تارتالیا کو دوڑایا، اور
تارتالیا نے ایک ڈنڈے پر سے چھلانگ لگائی، «بولا» (مطلب یه
که بھونکا)، چھینکا، دروازہ اپنی ناک سے بند کیا، ایک پھٹی پرانی
جوتی اپنے مالک کے پاس لایا، اور آخر میں اس نے اپنے سر پر، پرانی
قسم کی چونچ جیسی اونچی فوجی ٹوپی پهن کر، مارشل برنادوتے کا
پارٹ ادا کیا جس پر شہنشاہ نپولین، اس کی دغابازی کی وجه سے
خوب برس رها هے — هاں یه کہنے کی ضرورت نہیں که نپولین کا
پارٹ پنتالیونے نے ادا کیا اور اس نے یه رول بڑی خوبی سے ادا کیا —
اس نے اپنے هاتھه سینے پر رکھه لئے، پروں والی ٹوپی اپنی آنکھوں
پر جھکا لی اور بڑی سختی اور درشتی سے فرانسیسی زبان میں بولا،
مگر کیسی فرانسیسی، خدا پناہ! تارتالیا اپنے مالک کے قدموں میں
سمٹا سمٹایا بیٹھا رها — اس کی دم ٹانگوں کے بیچ دبی هوئی تھی —

* اولینڈ لوڈوگ (۱۷۸۷ء — ۱۸۶۲ء) جرمن رومانی شاعر —

وہ مجرم کی طرح آنکھیں جھپک رہا تھا اور سر پر ترچھی چپکی ہوئی فوجی ٹوپی کے نیچےنیچے ترچھی نظروں سے دیکھ رہا تھا — ہر بار جب نپولین کی آواز ذرا تیز ہوتی، برنادوتے اپنی پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہو جاتا — «Fuori, traditore!» * آخر نپولین چیخ اٹھا اور جذبات میں یہ بھول گیا کہ اسے اپنی فرانسیسی قومیت کو آخر تک برقرار رکھنا تھا اور برنادوتے بھاگ کر صوفے کے نیچے چھپ گیا اور پھر فوراً واپس نکلا اور خوش ہوکر بھونکنے لگا جیسے یہ بتانا چاہتا ہو کہ کھیل ختم ہوا — تماشائی جی بھرکے ہنسے — اور سب سے زیادہ سانن —

جیما کی ہنسی ختم ہونے کو نہ آتی تھی جس کے درمیان کبھی کبھی بہت ہی دلچسپ چیخ سی سنائی دیتی — ہائے اس کی ہنسی! صرف اس ہنسی کی خاطر سانن اس پر بوسوں کے پھول برسا سکتا تھا!

آخر رات آئی — اور اب رخصت ہونے کا وقت تھا — باربار الوداع کہنے کے بعد، جس کے دوران میں وہ ہر ایک سے دھراتا رہا «کل تک کے لئے!» (ایمیل اور اس نے تو ایک دوسرے کو پیار کیا) سانن واپس ہوٹل گیا — وہ گیا لیکن اپنے ساتھ اس لڑکی کا تصور، اس کا مکھڑا لے گیا، کبھی ہنستا ہوا، کبھی مغموم، کبھی خاموش اور کبھی کبھی تو بےنیاز بھی — لیکن ان سب چھبوں میں اتنا ہی دل ربا، اتنا ہی دل کش — کبھی کبھی تو اس کی آنکھیں پھیل جاتیں اور چمکنے لگتیں، دن کی طرح فرحاں فرحاں، کبھی کبھی

---

* غدار یہاں سے دور ہوجا!

پلکوں میں کچھ کچھ چھپی ہوئی، رات کی طرح گہری اور سیاہ — یہ تصور بار بار اس کی آنکھوں میں لہرا رہا تھا اور دوسرے تمام تصورات پر چھاتا چلا جا رہا تھا —— اور اس انداز میں ایک انوکھی شیرینی تھی —

اس نے ہیر کلیوبر کے بارے میں اور فرانکفرٹ میں رک جانے کے اسباب کے بارے میں ذرہ بھر نہ سوچا — مختصر یہ کہ اس نے ان سب باتوں کے بارے میں ایک لمحے کو بھی نہ سوچا جو پچھلے دن درد سر بن گئی تھیں —

١٤

لیکن اب وقت آ گیا ہے کہ خود سانن کے بارے میں باتیں ہو جائیں —

سب سے پہلے تو یہ کہ وہ انتہائی دل کش نوجوان تھا — لمبا تڑنگا، چھریرے بدن کا، دلکش اور قدرے دھندلا دھندلا ناک نقشہ، نیکی اور خوش دلی سے بھری ہوئی نیلی آنکھیں، سنہرے بال، سرخ و سپید دمکتا ہوا رنگ، اور سب سے اہم بات یہ کہ اس کے چہرے کی کیفیت سے سادگی اور بے نیازی چھلکتی تھی، اپنا پن اور صافگوئی، پہلی نظر میں تو اس کا چہرہ ذرا غبی بھی معلوم ہوتا تھا، ایک ایسی کیفیت، جس سے اگلے وقتوں میں، معزز اونچے گھرانوں کے بچوں کو فوراً پہچان لیا جاتا تھا، «ماں باپ کے یہ لاڈلے» ننھے ننھے بھولے بھالے صاحب بہادر قسم کے بچے، جو چھدرے جنگلوں سے گھرے ہوئے اسٹیپی کے درمیان بیکراں دیہاتی قصبوں میں پیدا ہوتے تھے اور پروان چڑھتے تھے — جھجکی جھجکی چال ڈھال، تتلایا

تتلایا لہجہ، اور اگر آپ ان کی طرف دیکھنے کی زحمت کریں تو ان کے ہونٹوں پر ایک بچکانہ مسکراہٹ کھیل جائے... اور آخر میں تر و تازگی اور صحت مندی —— اور سب سے زیادہ ہر چیز پر چھائی ہوئی نرمی —— اور لیجئے وہ رہا اپنا سانن — دوسرے، وہ احمق نہ تھا اور اس نے کچھہ علم حاصل کرلیا تھا — اس نے دیس دیس کے سیر و سفر کے باوجود اپنی تر و تازگی اور شگفتگی برقرار رکھی تھی — وہ اس کربناک تشویش و تردد سے نا آشنا تھا جن میں اس زمانے کے بعض بہترین نوجوان مبتلا تھے —

ہمارے ادیبوں نے «نئے مثالی کرداروں» کی ناکام کوشش کرنے کے بعد، حال میں ایسے لوگوں کی تصویرکشی شروع کر دی ھے جو ہر قیمت پر تر و تازہ اور شگفتہ رہنے پر تلے ہوئے ہیں اور پیٹرس‌برگ میں برآمد کی ہوئی فلنس‌برگ کی زندہ کستورا مچھلیوں کی طرح تازہ دم ہیں — سانن ان میں سے نہ تھا — جب ہم موازنہ ھی کر رہے ہیں تو ہمیں کہنا چاہئے کہ وہ ہماری کالی مٹی والے باغ میں اگے ہوئے، سیب کے نئے پیڑ کی طرح تھا جس کا قلم حال ھی میں لگایا گیا ہو یا پھر وہ پرانے زمانے کے کسی رئیس کا منہ زور گھوڑا جس کی عمر تین برس سے زیادہ نہ ہو —— ایک ایسا گھوڑا جس کی پرورش بڑی ٹھاٹ دار ہوئی ہو، پھڑکتا چمکتا سا، موٹے موٹے ٹخنے والا گھوڑا —— جس کے منہ میں ابھی‌ابھی لگام ڈالی گئی ہو — جو لوگ بعد کے زمانے میں سانن سے ملے، اس زمانے میں جب زندگی نے اس کو بری طرح بھنبھوڑ اور چیر پھاڑ کر چھوڑ دیا تھا، اور جب اس کے زمانہ شباب کا بھولپن غائب ہو چکا تھا، تو انہیں سانن میں ایک دوسرا آدمی نظر آیا —

———

دوسرے دن، ابھی سانن بستر ھی میں دراز تھا کہ ایمیل زرق برق لباس پہنے ھاتھہ میں بید کی چھڑی لئے، دندناتا ھوا اس کے کمرے میں داخل ھوا— اس کے بال تیل میں چپڑے ھوئے اور خوب بنے سنورے ھوئے تھے— اس نے اعلان کیا کہ ھیر کلیوبر ایک منٹ میں گاڑی میں وھاں پہنچ جائےگا اور یہ کہ آسمان کا رنگ بتا رھا ھے کہ موسم شاندار رھےگا، سب بالکل تیار ھیں— لیکن ممی نہیں جا رھی ھیں کیونکہ ان کے سر میں پھر درد ھو رھا ھے— اس نے باربار سانن کو یقین دلایا کہ ایک لمحہ بھی ضائع نہیں ھونا چاھئے، اسے بھاگم بھاگ تیار ھونے پر مجبور کیا— اور واقعی ابھی سانن منہ ھاتھہ ھی دھو رھا تھا کہ ھیر کلیوبر آن دھمکا— اس نے دروازے پر دستک دی، کمرے میں داخل ھوا، جھک کر سلام کیا اور کہا کہ جب تک سانن چاھے وہ اس کا انتظار کرنے کے لئے تیار ھے— وہ بیٹھہ گیا اور ھلکے سے ٹوپی گھٹنوں پر رکھہ لی— یہ لائق دوکاندار بڑی سج دھج سے نکلا تھا، بڑے ٹپ ٹاپ کے کپڑوں میں اور سر تا پا عطر میں ڈوبا ھو— اس کی ایک ایک جنبش کے ساتھہ خوشبوؤں کی لپٹیں سی آتیں— وہ ایک بڑی سی کھلی گاڑی میں آیا تھا جس کو لانڈو کے باوقار نام سے یاد کیا جاتا تھا— اس میں دو گھوڑے جتے ھوئے تھے جو اگر خوبصورت نہیں تو لمبے اور مضبوط ضرور تھے— کوئی پندرہ منٹ بعد، سانن، ھیر کلیوبر اور ایمیل، بڑے فاتحانہ ٹھاٹ سے اسی گاڑی میں بیٹھے ھوئے، مٹھائی کی دوکان کی برساتی میں آکر رکے— فراؤ لینورے نے اس تفریح میں حصہ لینے سے زوروں پر انکار کیا— جیما اپنی ماں کے پاس رکنا چاھتی تھی لیکن ماں نے واقعی اسے گھر سے نکال باھر کیا—

«مجھے کسی کی ضرورت نہیں» اس نے ان لوگوں کو یقین دلایا «میں سوؤں گی— میں تو پنتالیونے کو تمہارے ساتھ بھیج دیتی لیکن پھر دوکان میں کون رہے گا—»

«کیا ہم تارتالیا کو بھی اپنے ساتھ لے جائیں؟» ایمیل نے التجا کی—

«بے شک لے جاؤ—»

تارتالیا فوراً اچھل کر، خوش خوش، گاڑی کی اگلی جگہ پر چڑھ گیا اور وہاں بیٹھ کر اپنے ہونٹ چاٹنے لگا— صاف ظاہر تھا کہ وہ اس قسم کی سپاٹ اور بے رنگ سیر کا عادی تھا— جیما تنکے کی ایک بڑی سی ٹوپی پہنے ہوئے تھی جس کے کنارے بھورا فیتہ لگا ہوا تھا— ٹوپی کا اگلا چھجہ نیچے کو جھکا ہوا تھا اور سورج کی کرنوں سے پورے چہرے کا بچاؤ کئے ہوئے تھا— اس کا سایہ اس کے ہونٹوں تک پہنچ کر ختم ہو جاتا تھا جو گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح گلابی، اچھوتے اور نازک تھے— اس کے دانت بچے کے دانتوں کی طرح شرمائے شرمائے چمک رہے تھے— جیما پچھلی سیٹ پر سانن کے ساتھ بیٹھی تھی— هیر کلیوبر اور ایمیل مقابل والی سیٹ پر بیٹھے تھے— فراؤ لینورے کا سفید پیکر کھڑکی میں نظر آیا، جیما نے ہوا میں رومال ہلایا اور گھوڑے دوڑنے لگے—

۱۵

فرانک‌فرٹ سے کوئی آدھ گھنٹے کے فاصلے پر، سودن ایک چھوٹا سا شہر ہے— یہ شہر، تاؤنوس پہاڑیوں کے ڈھلانوں پر بڑی خوبصورتی سے بسا ہوا ہے— اور یہ جگہ روس میں اپنے معدنی

چشموں کے لئے مشہور ہے جو کمزور دل والے لوگوں کے لئے بہت مفید سمجھے جاتے ہیں ـ زیادہ تر فرانک‌فرٹ کے لوگ وہاں سیر و تفریح کے لئے جاتے ہیں، کیونکہ سودن میں ایک بہت ہی عمدہ پارک ہے، کئی ویرت‌شافت* ہیں جہاں لائم اور میپل کے لمبے لمبے پیڑوں کے سائے میں، بیئر اور کافی کے گھونٹ پئے جا سکتے ہیں ـ دریائے مائین کے دائیں کنارے پر فرانک‌فرٹ سے سودن کی طرف جو سڑک جاتی ہے اس کے دونوں کناروں پر پھلوں کے درختوں کی قطاریں دوڑتی چلی گئی ہیں ـ گاڑی شاندار ہموار سڑک پر، بغیر ہچکولے کھائے دوڑتی چلی جا رہی تھی اور سانن خاموش بیٹھا، کنکھیوں سے جیما اور اس کے منگیتر کے تعلقات کا جائیزہ لے رہا تھا ـ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ ان دونوں کو ساتھ دیکھ رہا تھا ـ وہ بالکل مطمئن اور خاموش تھی ـ گرچہ عام موقعوں کے مقابلے میں زیادہ لئے دئے اور گمبھیر نظر آ رہی تھی ـ اور کلیوبر ایک شفیق اتالیق نظر آ رہا تھا جس نے اپنے زیر نگرانی شاگردوں کو بے ضرر کھیل کود اور ہلکی پھلکی تفریح کی اجازت دے رکھی ہو ـ سانن کو اس کی نظر میں جیما کے لئے کوئی خاص دلچسپی اور توجہ نظر نہ آئی جس کو فرانسیسی میں «empressement» ** کہتے ہیں ـ یہ بات بہت صاف تھی کہ ہیر کلیوبر اس معاملے کو طے سمجھتا تھا اور اس لئے اس کو اس کی کوئی ضرورت نظر نہ آتی تھی کہ کوئی خاص جوش و خروش دکھائے اور متاثر نظر آئے ـ لیکن اس

---

* پر فضا اور خوشنما قدرتی مقام ـ

** گرم جوشی اور خاطر ـ

کی خاطر تواضع اور التفات نے ایک منٹ کو بھی اس کا ساتھہ نہ چھوڑا!
کھانے سے پہلے سودن کے آس پاس، جنگل سے بھری ہوئی ڈھلانوں اور وادیوں میں ٹہلتے ہوئے بھی اور اس وقت بھی جب کہ وہ قدرتی مناظر کے حسن و کشش کا لطف اٹھا رہا تھا — قدرتی مناظر کی طرف اس کا رویہ وھی مشفقانہ کرم فرمائی کا تھا جس میں کبھی کبھی افسرانہ کرختگی پیدا ہو جاتی تھی — مثال کے طور پر اس نے ایک چشمے کے بارے میں کہا کہ اس کے بہاؤ کا رخ وادی میں ضرورت سے زیادہ سیدھا ہو گیا ھے اور یہ کہ اسے کچھہ اور خوبصورت بل کھاتے ہوئے بہنا چاھئے تھا — اسے ایک چڑیا، فنچ کی ادا بھی ذرا نہ بھائی جس کی چہچہاھٹ میں اسے اکتاھٹ اور یک رنگی سی محسوس ہوئی — جیما کے چہرے سے کسی تھکن کا اظہار نہیں ہو رہا تھا اور ایسا لگتا تھا کہ دل ھی دل میں لطف اٹھا رہی ھے — لیکن وہ جس جیما کو جانتا تھا وہ جیما اب کہیں نظر نہ آ رہی تھی — ایسا نہ تھا کہ اس کے خد و خال سنولا گئے ہوں — اتنی چمکتی دمکتی اور روشن تو وہ اس سے پہلے کبھی نظر نہ آئی تھی — لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس نے خود کو سمیٹ کر اپنے اندر چھپا لیا ھے — اپنی چھتری کھولے، دستانے چڑھائے، وہ بڑی متانت سے چل رہی تھی، سبک خرامی کے ساتھہ جو ایک شائستہ اور تربیت یافتہ عورت کے شایان شان تھا —— وہ بہت کم بول رہی تھی — ایمیل پر بھی کچھہ بوجھہ سا معلوم ہوتا تھا اور ھاں سانن پر تو اور بھی زیادہ — اور دوسری باتوں کے علاوہ یہ بات بھی کچھہ کچھہ اس کی چپقلش کا باعث تھی کہ بات چیت جرمن زبان میں ہو رہی تھی — اکیلا تارتالیا مگن تھا — کوئی بھی چڑیا اس کے راستے میں آ جاتی

تو وہ پوری وحشت سے بھونکتا، اس پر جھپٹتا، گڑھوں، ٹوٹے ہوئے تنوں اور اکھڑے ہوئے درختوں پر سے چھلانگیں لگاتا ہوا اس کے پیچھے بھاگتا، سیدھا پانی میں کود جاتا، جلدی جلدی تیرتا، باہر آتا، اپنا بدن جھاڑتا، غراتا اور پھر دوسرے ہی لمحہ —— تیر کی طرح یہ جا وہ جا، اور اس کی زبان منہ سے نکل کر اس کے شانے پر لٹکنے لگتی — اپنے طور پر ہیر کلیوبر، اپنے مہمانوں کی دل چسپی اور تفریح کے لئے، جو کچھ بھی ضروری سمجھتا، کر رہا تھا — اس نے ان کو ایک سایہ‌دار شاہ بلوط کے نیچے بیٹھنے کی دعوت دی — اس نے اپنی بغلی جیب سے ایک چھوٹی سی کتاب نکالی «Knallerbsen —— oder du sollst und wirst lachen!» انتہائی قاتل قسم کے چٹپٹے مزیدار لطیفے اور چٹکلے (جن سے کتاب بھری پڑی تھی) زور زور سے پڑھ کر سنانے لگا — اس نے کوئی دس بارہ لطیفے سنائے مگر وہ بہت کم خوشی پیدا کر سکے — صرف سانن، محض اخلاقاً، دانت نکالنے کی کوشش کرتا رہا — اور خود ہیر کلیوبر، ہر لطیفے کے ختم پر، ایک مختصر سا، کاروباری اور ساتھ ہی مشفقانہ قہقہہ بلند کرتا — بارہ بجے کے قریب یہ قافلہ واپس سودن کی بہترین سرائے میں پہنچا —

کھانے کے لئے کہنے کا وقت آ گیا تھا —

ہیر کلیوبر نے تجویز پیش کی کہ کھانا «im Gartensalon» میں کھایا جائے — یہ موسم گرما کا ایک آرام گھر تھا جو چاروں طرف سے گھرا ہوا تھا — لیکن اس بات پر خلاف توقع جیما نے بغاوت کر دی — اس نے کہا کہ وہ تو صرف کھلی ہوا میں بیٹھ کر کھانا کھائے گی، سرائے کے سامنے والی کسی چھوٹی سی میز پر — اس نے کہا کہ ایک ہی قسم کے چہرے دیکھتے دیکھتے اکتا

چکی ھے اور اب کچھه نئے چہرے دیکھنا چاھتی ھے — بعض میزوں پر نووارد مہمانوں کی ٹولیاں پہلے ھی سے جم چکی تھیں —

جب ھیر کلیوبر ، «اپنی منگیتر کی خواھش» کے سامنے کمال محبت سے سر تسلیم خم کرتے ھوئے ھڈ ویٹر سے بات کرنے گیا تو جیما بالکل خاموش کھڑی رھی — اس کی آنکھیں جھکی ھوئی تھیں اور ھونٹ بھنچے ھوئے — اس نے محسوس کیا کہ سانن اسے ٹکٹکی باندھے سوالیہ نظروں سے دیکھه رھا ھے اور ایسا لگا کہ اس چیز سے اسے کوفت ھو رھی ھے — آخر کار ھیر کلیوبر واپس آ گیا اور بولا کہ آدھے گھنٹے میں کھانا تیار ھوگا اور پھر اس اثنا میں اسکٹل کھیلنے کی تجویز پیش کی — اور کہا کہ اس طرح بھوک بھی کھل جائے گی! وہ گیند پھینکنے میں یکتا تھا — گیند پھینکنے سے پہلے وہ بڑا ھیرو جیسا پوز اختیار کرتا، اپنے پٹھوں کی نمائش کرتا، بڑی صفائی سے اپنے بازو ھوا میں بلند کرتا اور خود کو ایک پیر پر تولتا — وہ اپنے طور پر ایک کھلاڑی تھا اور اس کے جسم کی بناوٹ شاندار تھی — اس کے ھاتھه کتنے سفید اور خوبصورت تھے — وہ اپنے ھاتھوں کو ھندوستانی ریشمی رومال سے پونچھه رھا تھا جس پر جھلمل گلٹ کی ابھری ابھری سی گہری گلکاری تھی —

کھانے کا وقت آ گیا اور یہ ٹولی اپنی میز پر آ بیٹھی —

١٦

ھر شخص بخوبی واقف ھے کہ جرمن کھانا کیا چیز ھوتا ھے — پانی سا شوربہ، اس میں گری دار پڈنگ اور دارچینی تیرتی ھوئی، کاگ کی طرح سخت جان ابلا ھوا گوشت اور اس پر چربی

کی تہیں چپکی ہوئی، چقندر کی پلپلی قاشیں، بالکل قیمہ بنی ہوئی ولائتی مولی، کبار اور سر کے میں پڑی ہوئی نیلی نیلی بام مچھلیاں، اور گوشت کے دور کے ساتھه جیلی اور پھر کھانے کا لاذمی جز «Mehlspeise»، ایک قسم کی پڈنگ جس میں کھٹی کھٹی لال رنگ کی چٹنی پڑی ہوتی ھے — لیکن بیئر اور شراب کا کیا کہنا! سودن کی سرائے کے نگہبان نے سی قسم کے کھانے سے اپنے گاھکوں کی خاطر تواضع کی — بہر حال کھانے کا دور خاصی اچھی طرح چل رہا تھا — یہ سچ ھے کہ وھاں کوئی خاص زندگی اور ھماھمی نظر نہ آتی تھی — اس وقت بھی کوئی خاص جوش و خروش پیدا نہیں ھوا جبکہ ھیر کلیوبر نے «اس چیز کے نام جام اٹھایا جسے ھم سب سے زیادہ چاھتے ھیں!» («Was wir lieben!») ھر چیز اتنی نفیس اور پروقار تھی — کھانے کے بعد کافی کا دور شروع ھوا — یہ پتلی، زنگ کے رنگ کی اصلی جرمن کافی تھی — ھیر کلیوبر نے، ایک سچے شریف آدمی کی طرح، سگار پینے کے لئے جیما کی اجازت چاھی — لیکن دفعتاً ایک غیر متوقع واقعہ رونما ھوا، ایک ایسا واقعہ جو رکیک نہیں تو ناخوشگوار ضرور تھا —

پاس کی ایک میز پر مائین کے فوجی دستے کے چند افسر بیٹھے تھے — ان کی دزدیدہ نگاھوں اور سرگوشیوں سے یہ صاف عیاں تھا کہ ان پر جیما کے حسن کا جادو چل گیا ھے — ان میں ایک جو غالباً فرانکفرٹ کا رھنے والا تھا، اسے برابر گھورتا رہا جیسے اس نے اسے پہلے بھی دیکھا ھو — اس کو ضرور معلوم ھوگا کہ وہ کون ھے — یکایک وہ ھاتھه میں جام لئے اپنی جگہ سے اٹھا —— (یہ فوجی صاحبزادے دیر سے جام پر جام چڑھا رھے تھے — ان کی میز پر بوتلوں

کی قطاریں آراستہ تھیں) —— اور اس میز کے قریب آیا جس پر جیما بیٹھی تھی — وہ حد درجہ گورے اور دمکتے ہوئے رنگ کا آدمی تھا — اس کے ناک نقشے میں بڑی کشش تھی — سچی بات تو یہ ہے کہ اس کے خد و خال میں غضب کا سحر تھا — لیکن انتہائی مےنوشی اور بدمستی کی وجہ سے اس کے نقوش بگڑ گئے تھے، اس کے گالوں کی ھڈیاں چٹختی ہوئی لگ رہی تھیں اور اس کی شعلہ فشاں آنکھیں بڑے گستاخانہ انداز سے گول گول ناچ رہی تھیں — شروع میں اس کے ہم مشربوں نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن جلد ھی انہوں نے اسے چھوڑ دیا —— حقیقت میں وہ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ اس کا نتیجہ کیا نکلتا ھے —

افسر کچھہ کچھہ ڈگمگاتے اور چکراتے ہوئے جیما کے مقابل آکر رک گیا اور چلایا — اس کی آواز میں زبردستی کا زور تھا، ایک ایسی آواز جو اس کی کوشش کے باوجود اس کی اندرونی کشمکش کی چغلی کھا رہی تھی «میں فرانکفرٹ کی بلکہ دنیا کی سب سے حسین شاپ گرل کا جام صحت پیتا ھوں!» (اس نے ایک سانس میں اپنا جام خالی کر دیا) «اور خود کو اس پھول سے سرفراز کرتا ھوں جو اس کی ملکوتی انگلیوں نے توڑا ھے!» اس نے جیما کی پلیٹ کے پاس رکھا ھوا ایک گلاب کا پھول اٹھایا — شروع میں تو جیما حیران ہوئی اور سہم سی گئی اور اس کا رنگ موت کی طرح زرد ھو گیا . . . اس کے بعد اس کے ڈر کی جگہ جلال نے لےلی اور پھر دفعتاً مارے غصے کے اس کا رنگ سر تا پا سرخ ھو گیا، اس کی آنکھیں مجرم پر جم گئیں — بیک وقت اس کی آنکھوں میں اندھیرا بھی چھا رہا تھا اور آگ بھی بھڑک رہی تھی — کبھی ان میں سے رات کی سیاھی

چھلکنے لگتی اور کبھی غیض و غضب کے دبائے نہ دبنے والے شعلے لپکنے لگتے — افسر ان نگاھوں سے کچھه کھسیا سا گیا، وہ منه ھی منه میں کچھه بڑبڑایا، جھکا اور اپنے دوستوں کے پاس لوٹ گیا — دوستوں نے اس کا خیرمقدم قہقہوں اور نقلی تالیوں سے کیا . . .

هیر کلیوبر یکایک اچھل کر کھڑا ہو گیا اور اپنی ٹوپی پہنتے ہوئے، بہت زوردار نہ سہی مگر باوقار شان سے بولا «انسانیت سوز، انسانیت سوز آزادی!» («Unerhört! Unerhörte Frechheit!») ساتھه ھی اس نے درشت آواز میں ویٹر کو بلایا اور فوراً ھی بل کا مطالبه کیا . . . اور اسی پر بس نه کی — اس نے گاڑی تیار کرنے کا حکم دیا اور بولا که شریف آدمی سرائے میں نہیں جا سکتے اس لئے که وھاں ان کی تذلیل اور توھین کا اندیشه رھتا ھے — ان الفاظ پر جیما نے، جو بے حس و حرکت بیٹھی تھی اور جس کے سینے میں ایک ھیجانی زیر و بم پیدا ھو رھا تھا ، اس کو ان ھی قہر بھری نظروں سے گھورنا شروع کر دیا، جن نظروں سے اس نے افسر کو گھورا تھا — ایمیل تو غصے میں تھرتھرا رھا تھا —

«اٹھو، میئن فراؤلین» ھیر کلیوبر نے کہا جس کی آواز میں اب تک سختی باقی تھی «تمھارے لئے یه مناسب نہیں که یہاں ٹھہرو — چلو ھم سرائے کے اندر چلیں — »

جیما خاموش اٹھی — اس نے اپنی کہنی اسے پیش کی، جیما نے اپنا ھاتھه اس کے بازو میں ڈال دیا اور وہ شاھانه قدم اٹھاتے ھوئے اسے سرائے کے اندر لے چلا اور وہ کھانے کی جگه سے جتنا دور ھوتا گیا اس کے قدم، اس کے پورے ھیولے کی طرح، زیادہ سے زیادہ شاھانه اور پرجلال بنتے گئے — بیچارا ایمیل ان کے پیچھے پیچھے دم چھلا بنا چلتا رھا —

لیکن اس وقت جب ہیر کلیوبر ویٹر کا حساب چکا رہا تھا جسے اس نے بطور سزا بخشش میں ایک پیسہ بھی نہ دیا، سانن تیز تیز قدموں سے اس میز کی طرف گیا جہاں افسر بیٹھے تھے اور جیما کی توہین کرنے والے کو مخاطب کیا (اس وقت وہ باری باری سے اپنے دوستوں کو گلاب کا پھول سونگھنے کے لئے پیش کر رہا تھا) اور بہت ہی مدھم آواز میں فرانسیسی میں بولا: «موسیو آپ نے ابھی ابھی جو کچھہ کیا ہے ایک ایمان دار آدمی کے شایان شان نہیں، یہ آپ کی وردی کے شایان شان نہیں، اور میں آپ سے یہ کہنے آیا ہوں کہ آپ ایک غیر مہذب اور ناشائستہ آدمی ہیں!» نوجوان اچھل کر کھڑا ہوگیا، لیکن اس کے ایک ساتھی نے جو ذرا بڑی عمر کا تھا اسے ہاتھہ کے اشارے سے روکا اور اسے بیٹھنے پر مجبور کیا — اس کے بعد اس نے سانن سے مخاطب ہوتے ہوئے فرانسیسی میں پوچھا «آپ کون ہیں؟ اس جوان خاتون کے رشتہ‌دار ہیں آپ، اس کے بھائی یا منگیتر؟»

«میں صرف اس کا ملاقاتی ہوں» سانن چلایا «میں ایک روسی ہوں — لیکن میں اس قسم کی گستاخی کا خاموش تماشائی نہیں بن سکتا — یہ رہا میرا کارڈ اور پتہ — موسیو افسر کو میں اسی پتے پر ملونگا —»

ان الفاظ کے ساتھہ سانن نے ایک کارڈ میز پر پھینک دیا اور ساتھہ ہی جیما کا گلاب چھین لیا جو ایک افسر نے اپنی پلیٹ میں گرا دیا تھا — نوجوان نے پھر اچھل کر کھڑے ہونے کی کوشش کی مگر اس کے ساتھی نے پھر اسے ان الفاظ کے ساتھہ روک لیا «خاموش ہو جاؤ دون‌ہوف!» (Dönhof, sei still) — پھر وہ خود اٹھا، اس نے

سختی سے تن کر سلامی دی، اور سانن سے بولا (اس کی آواز اور طرز عمل میں احترام کا ذرا بھی شائبہ نہ تھا) کہ اگلی صبح، ان کی رجمنٹ کا ایک افسر سانن کے کمرے میں اس سے ملنے کی عزت حاصل کرے گا — سانن نے سر کو ذرا سا خم دیا اور تیز تیز قدموں کے ساتھ اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ گیا —

هیر کلیوبر کچھ ایسا بن گیا جیسے اسے سانن کی غیر موجودگی اور افسروں سے اس کی بات چیت کا کچھ پتہ ہی نہ چلا ہو — وہ اس آدمی کی سست رفتاری پر برستے ہوئے جو گھوڑوں کو جوت رہا تھا، جلدی کرنے کو کہہ رہا تھا — جیما نے بھی سانن سے کچھ نہ کہا — اس کی طرف ایک نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا — لیکن اس کی جڑی ہوئی بھویں، اس کے پیلے پڑے ہوئے اور بھنچے ہوئے ہونٹ، اس کی خاموشی، اس کے اندرونی ہیجان کی غماز تھی — ایمیل ہی واحد فرد تھا جو سانن سے بات چیت کرنا، اس سے سوال کرنا چاہتا تھا — اس نے سانن کو افسروں کے پاس جاتے اور ان کی طرف کوئی سفید سی چیز بڑھاتے ہوئے دیکھا تھا... بیچارے لڑکے کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا، اس کے رخسار جل رہے تھے، وہ تو سانن کے گلے میں بازو حمائل کرنے کے لئے بیتاب تھا، وہ رونا چاہتا تھا یا پھر وہ اس پر تلا ہوا تھا کہ اسی آن وہ سانن کے ساتھ جائے اور ان بدمعاش افسروں کو بوٹی بوٹی کرکے رکھ دے — لیکن اس نے اپنی اس خواهش پر قابو پا لیا اور اس پر اکتفا کیا کہ اپنے نیک روسی دوست کی ایک ایک حرکت پر گہری نظر رکھے —

آخر کوچبان نے گھوڑوں کو جوتنے کا مرحلہ طے کیا اور

پوری ٹولی گاڑی میں جا بیٹھی — ایمیل تارتالیا کے بعد اچھل کر کوچبان کے پاس والی جگہ پر بیٹھ گیا — اسے وهاں زیادہ سکون محسوس ہوا جہاں وہ ہیر کلیوبر کو دیکھنے پر مجبور نہ تھا جس سے اب وہ اپنے دل کی گہرائی سے نفرت کرنے لگا تھا —

هیر کلیوبر راستے بھر بولتا رہا... اکیلا بولتا رہا — کسی نے اس کی تردید نہ کی — لیکن کسی نے اس کی تائید بھی نہیں کی — وہ اپنی لن ترانی کے دوران میں زیادہ تر یہ کہتا رہا کہ یہ اس غلطی کا نتیجہ ہے کہ جب اس نے موسم گرما کے بند آرام گھر میں کھانا کھانے کی تجویز رکھی تو اس پر کان نہ دھرا گیا — اگر اس کی بات مان لی جاتی تو یہ نا خوشگوار واقعہ رونما ہی نہ ہوتا — پھر اس نے اپنے انداز میں کچھ آزادانہ روشن خیالی کی چاشنی پیدا کرتے ہوئے اس طرز عمل پر کڑی نکتہ چینی کی کہ حکومت ان افسروں کے بہت ناز اٹھاتی ہے، ان کی ڈسپلن کا خیال نہیں کرتی اور یہ افسر سماج کے مہذب عناصر کے لئے مناسب عزت و احترام کا مظاہرہ نہیں کرتے (das bürgerliche Element in der Societät)! اور اس کی بنا پر بے اطمینانی کتنی بڑھتی جا رہی ہے اور اس بے اطمینانی سے کسی وقت بھی انقلاب کی جوالا پھوٹ سکتی ہے جس کی افسوسناک مثال فرانس میں ملتی ہے — (یہاں اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی جو بیک وقت ہمدردانہ بھی تھی اور سخت بھی) — بہر حال وہ یہ کہنے سے نہ چوکا کہ وہ خود اثر و رسوخ کا بڑا احترام کرتا ہے اور وہ کبھی بھی، ہرگز ہرگز، ایک انقلابی نہیں بن سکتا — ہاں وہ ایسے موقع پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کئے بغیر

نہیں رہ سکتا جب اس قسم کی بے راہ‌روی سے دو چار ہونا پڑے۔ یہاں پر اس نے اخلاق اور اخلاق سوزی اور عزت اور عزت نفس کے متعلق وہی باتیں دھرائیں جو عام طور پر کہی جاتی ہیں۔

اس پوری لن ترانی کے دوران میں، جیما کو جو کھانے سے پہلے چہل قدمی کے وقت بھی ہیر کلیوبر سے نالاں سی نظر آتی تھی (اور یہی وجہ تھی کہ وہ سانن سے دور دور اور اس کی موجودگی سے کچھہ پریشان سی تھی)—— اب صاف طور پر اپنے منگیتر پر شرم آ رہی تھی۔ سفر کے ختم ہوتے ہوتے تو اس کا دل واقعی بہت ہی دکھی ہو گیا اور گرچہ وہ پہلے کی طرح اب بھی مہر بہ لب تھی، ایک لمحہ ایسا آیا جب اس نے یکایک سانن پر ایک التجا بھری نظر ڈالی... جہاں تک سانن کا تعلق تھا، ہیر کلیوبر پر غصے سے زیادہ اسے جیما پر رحم آ رہا تھا۔ دل ہی دل میں اسے دن کے واقعات پر مبہم مبہم سی خوشی محسوس ہو رہی تھی—— حالانکہ اگلی صبح اسے چیلنج کی توقع تھی۔

آخر یہ partie de plaisir تکلیف دہ سیرو تفریح کا سفر ختم ہوا۔ سانن نے مٹھائی کی دوکان کے سامنے جیما کو اترنے میں سہارا دیتے ہوئے، چپکے سے اس کے ہاتھہ میں وہ گلاب کا پھول پکڑا دیا جو اس نے واپس لے لیا تھا۔ جیما کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے سانن کا ہاتھہ دبایا اور گلاب کا پھول چھپا لیا۔ وہ گھر کے اندر جانا نہ چاہتا تھا حالانکہ ابھی شام کا دھندلکا پھیلنا شروع ہوا تھا۔ جیما نے بھی اسے اندر آنے کی دعوت نہ دی۔ دوسرے پنتالیونے دروازے میں نمودار ہوا اور بولا کہ فراؤ لینورے سوئی ہوئی ہے۔ ایمیلیو شرماتے ہوئے سانن سے رخصت ہوا۔ ایسا لگتا

تھا کہ سانن نے اس کی آنکھوں میں چکاچوند سی مچا دی تھی —— وہ سانن کے طرز عمل پر اتنا حیران جو تھا! کلیوبر نے گاڑی میں سانن کو اس کے ہوٹل پہنچایا اور رسمی تکلف اور اخلاق کے ساتھہ اسے خدا حافظ کہا — یہاں تک کہ اس متوازن جرمن کو بھی، اپنی تمام‌تر خود اعتمادی کے باوجود، کچھہ عجیب سا محسوس ہو رہا تھا — واقعہ تو یہ ہے کہ ہر ایک دل میں یہ احساس تھا —

لیکن سانن نے جلد ازجلد کوفت کے اس احساس کو دل سے نکال دیا — اس کی جگہ ایک ایسے موڈ نے لے لی جو مبہم مگر خوش گوار —— بلکہ نشاط بخش تھا — وہ اپنے دماغ سے ہر خیال کو نکال کر، اپنے آپ پر نازاں، سیٹی بجاتے ہوئے خوش خوش کمرے میں ٹہل رہا تھا —

۱۷

اگلی صبح ، منہ ہاتھہ دھونے کے بعد، اپنے آپ سے بولا «میں دس بجے تک افسر کے آنے کا انتظار کروں گا — دیکھوں کیا کہتا ہے — اس کے بعد مجھے ڈھونڈنا اس کا کام ہوگا — » لیکن جرمن بہت سویرے اٹھتے ہیں — ابھی مشکل سے نو بجے تھے کہ ویٹر نے سانن کو اطلاع دی کہ سکنڈ لیفٹیننٹ (der Herr Seconde Lieutenant) فون رختر اس سے ملنے آیا ہے — سانن نے جلدی جلدی کوٹ پہنے ہوئے ویٹر سے کہا کہ افسر کو اندر بھیج دو — وہ اپنے مہمان کے چہرے پر نوجوانی کی تر و تازگی دیکھہ کر حیران رہ گیا — وہ ایک نو عمر لڑکا نظر آ رہا تھا — ہیر فون رختر نے اپنے صفا چٹ چہرے میں رکھہ رکھاؤ کی کیفیت پیدا کرنے کی کوشش

ضرور کی مگر اس میں اسے ذرا کامیابی نہیں ہوئی — وہ تو اپنی بوکھلاہٹ بھی نہ چھپا سکا اور کرسی پر بیٹھتے ہوئے وہ خود اپنی تلوار سے الجھا اور گرتے گرتے بچا — اس نے نہایت ھی بری فرانسیسی میں ھکلا ھکلا اور رک رک کر سانن کو اطلاع دی کہ اس کے دوست بارن فون دون ھوف نے اس کے سپرد یہ فرض کیا ھے کہ وہ ھیر فون زانن سے ان الفاظ کے لئے معافی مانگنے کا مطالبہ کرے جو اس نے پچھلے دن اس کی شان میں کہے تھے اور اگر وہ معافی مانگنے پر آمادہ نہ ھو تو بارن فون دون‌ھوف دوسری طرح تسلی کا مطالبہ کرتا ھے — سانن نے جواب دیا کہ معافی مانگنے کا تو اس کا کوئی ارادہ نہیں لیکن وہ اس کی تسلی کرنے کے لئے تیار ھے — ھیر فون رختر نے اس پر اسی طرح ھکلاتے ہوئے پوچھا کہ وہ اس سلسلے میں کس سے، کس وقت اور کس جگہ ضروری باتیں اور شرطیں طے کرسکتا ھے — سانن نے جواب دیا کہ وہ دو گھنٹے میں دوبارہ اس کے یہاں آجائے اور اس اثنا میں وہ اپنا گواہ تلاش کرنے کی کوشش کرے گا — («آخر میں کس کمبخت کو تلاش کروں گا؟» اس نے اپنے آپ سے پوچھا —) ھیر فون رختر اٹھ کھڑا ھوا اور اس سے رخصت ہونے لگا . . . لیکن دروازے پر پہنچ کر وہ رک گیا جیسے اس کو افسوس و رنج نے اچانک آدبوچا ھو — وہ سانن کی طرف مڑا اور بڑبڑاتی ہوئی آواز میں بولا کہ اس کا دوست، بارن فون دون‌ھوف اپنے آپ سے یہ اعتراف کرنے پر مجبور ھے کہ . . . کسی حد تک . . . کل کے واقعے کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ھے . . . اس لئے وہ ایک معمولی معذرت سے بھی مطمئن ہونے پر آمادہ ھے — «des exghizes léchères» — اس پر سانن نے جواب دیا کہ اس کا معافی مانگنے کا کوئی

اراده نہیں، خواہ وہ معافی معمولی ہو یا سخت، کیونکہ وہ کسی طرح بھی خود کو قصوروار تصور نہیں کرتا۔

«اس صورت میں» فون رختر نے اور زیادہ لال ہوتے ہوئے جواب دیا «دونوں طرف سے دوستانہ طور پر گولیاں چلنی چاھئیں ——
«des goups de bisdolet à l'amiaple!

«مجھے افسوس ھے کہ میں سمجھنے سے قاصر ہوں» سانن بولا «کیا ہم محض ہوائی گولی چلائیں؟»

«اوہ، نہیں یہ نہیں!» سکنڈ لفٹیننٹ نے بالکل پانی پانی ہوکر ہکلاتے ہوئے کہا «میں نے سوچا کہ چونکہ دونوں باعزت آدمی ھیں... لیکن میں آپ کے گواہ سے بات کروں گا۔» یہاں اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی اور چلا گیا۔

ادھر لفٹیننٹ باھر نکلا اور ادھر سانن کرسی میں دھنس گیا اور ٹکٹکی باندھ کر فرش کو گھورنے لگا۔ «آخر یہ سب کس لئے ہو رہا ھے؟ دفعتاً میری زندگی نے کون سا رخ اختیار کرلیا ھے؟ میرا پورا ماضی، میرا سارا مستقبل یکایک بالکل بے معنی لگ رہا ھے اور اب اس کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا کہ فرانکفرٹ میں مجھے ڈوئل لڑنا ھے۔» اسے اپنی وہ پگلی چچی یاد آئیں جو مستقل ان بولوں کی دھن پر ناچا کرتی تھیں:

یہاں آؤ!
میرے پیارے!
لفٹیننٹ پیارے!
تم میرے ننھے بانکے بن جاؤ!

اور قہقہے لگا کر اسی طرح گانے لگا جیسے بڑھیا گایا کرتی تھی:

لفٹیننٹ پیارے
تم میرے ننھے بانکے بن جاؤ!

«لیکن مجھے اس سلسلے میں کچھہ کرنا چاہئے، زیادہ وقت نہیں !» وہ زور سے بولا اور جو اچھلا تو سامنے پنتالیونے کھڑا تھا — اس کے ہاتھہ میں ایک پرچہ تھا —

«میں نے کئی بار دستک دی مگر تم نے جواب نہیں دیا — میں سمجھا تم باہر ہو» بڈھا بڑبڑایا اور اس کے ہاتھہ میں پرچہ تھما دیا — «یہ سینیورینا جیما نے دیا ہے —»

سانن نے میکانکی طور پر پرچہ لیا، اسے کھولا اور اس پر نظریں دوڑانے لگا — جیما نے لکھا تھا کہ ایک خاص واقعے کے متعلق جس سے سانن واقف ہے وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہو گئی ہے اور اس سے فوراً ملنا چاہتی ہے —

«سینیورینا بہت پریشان ہے» پنتالیونے نے کہنا شروع کیا جو خط کے مضمون سے واقف معلوم ہوتا تھا «اس نے مجھہ سے کہا کہ میں جاؤں اور دیکھوں کہ تم کیا کر رہے ہو اور اپنے ساتھہ لے آؤں —»

سانن نے اس بوڑھے اطالوی پر ایک نظر ڈالی —— اور سوچنے لگا — ایک خیال اچانک اس کے دماغ میں کوند گیا — شروع میں تو یہ خیال کچھہ بے ربط اور ناممکن سا لگا...

«لیکن پھر بھی... لیکن کیوں نہیں ؟» اس نے اپنے آپ سے پوچھا —

«موسیو پنتالیونے !» اس نے زور سے کہا —

بڈھا چونک گیا — اس نے اپنی ٹھوڑی اپنے گلو بند میں چھپا لی اور سانن کو غور سے دیکھنے لگا —

«تم جانتے ہو کل کیا ہوا ؟» سانن بولا —

پنتالیونے منہ ہی منہ ہونٹوں سیں کچھہ بڑبڑایا اور آگے لٹکتی ہوئی بال کی موٹی سی لٹ کو جھٹک کر پیچھے کر لیا —

«ھاں، میں جانتا ہوں —»

(ایمیل نے گھر پہنچتے ھی اس کو سارا ماجرا کہہ سنایا تھا—)

«اوہ تم جانتے ہو! پھر تو ٹھیک ھے — ایک افسر ابھی مجھہ سے ملنے آیا تھا — پاجی نے ڈوئل کے لئے للکارا ھے مجھے — میں نے اس کا چیلنج قبول کر لیا ھے — لیکن میرا کوئی گواہ نہیں — کیا تم میرے گواہ بنوگے ؟»

پنتالیونے بالکل چونک گیا — اس نے اپنی بھویں اوپر اٹھاتے ہوئے دیکھا یہاں تک کہ بھویں ھلتی ہوئی لٹوں میں غائب ھو گئیں —

«اور کیا تمہارا لڑنا واقعی ضروری ھے؟» آخر اطالوی میں اس کی زبان سے نکلا — وہ اس لمحے تک فرانسیسی بولتا رھا تھا —

« ھاں مجھے ضرور لڑنا چاھئے — کوئی اور راستہ اختیار کرنے کا مطلب یہ ھوگا کہ میں ھمیشہ ھمیشہ کے لئے رسوائی مول لے لوں — »

«ھوں — اور اگر میں تمہارا گواہ بننے سے انکار کر دوں تو... کیا تم کوئی اور تلاش کروگے؟»

«یقینی، میں کوئی اور ڈھونڈوں گا — »

پنتالیونے نے اپنی آنکھیں جھکا لیں — «لیکن، سینیور دے تسانینی مجھے یہ پوچھنے کی اجازت دیجئے کہ کیا آپ کا ڈوئل کسی خاص شخص کی عزت پر دھول نہیں ڈالے گا؟»

«میں نہیں سمجھتا کہ ایسا ھوگا — ھاں خیر ایسا ھو بھی سکتا ھے — لیکن کوئی اور چارہ ھی نہیں —»

«هوں» — پنتالیونے کا چہرہ اور بھی زیادہ گلو بند میں چھپ گیا۔
«اور اس ferroflucto Cluberio کے بارے میں کیا خیال ہے؟» اس نے اپنا منہ اٹھاتے ہوئے اچانک پوچھا۔

«وہ؟ کچھہ بھی نہیں!»

«Che!»* پنتالیونے نے حقارت سے اپنے شانے ہلائے۔
«بہر حال میں تمہارا شکریہ ادا کرنے کے لئے خود کو مجبور پاتا ہوں» اس نے ایک ذرا رکنے کے بعد تھرتھراتی ہوئی آواز میں کہا «کہ تم نے مجھے میری شرمناک حالت میں بھی ایک شریف آدمی کی حیثیت سے دیکھا — un galant' uomo! اس طرز عمل سے تم نے خود کو ایک سچا شریف آدمی galant'uomo ثابت کر دیا ہے — لیکن مجھے تمہاری تجویز پر غور کرنا چاہئے —»

«غور کرنے کا وقت کہاں ہے پیارے موسیو چی... چپا...»

«تولا...» بڈھے نے لقمہ دیا — «میں سوچنے کے لئے صرف ایک گھنٹے کی مہلت چاہتا ہوں — میرے محسنوں کی لڑکی کا معاملہ ہے — اور مجھے اس پر سوچنا چاہئے... میرا فرض ہے — تمہیں ایک گھنٹے میں میرا فیصلہ معلوم ہو جائیگا... پینتالیس منٹ میں —»

«اچھا! میں انتظار کروں گا —»

«اور اب... سینیورینا جیما کو کیا جواب دینا ہے مجھے؟»

سانن نے کاغذ کا ایک ورق اٹھایا اور اس پر لکھنا شروع کیا:
«میری پیاری دوست، پریشان نہ ہو، میں تین گھنٹے میں تمہارے پاس

---

* اطالوی زبان میں تحقیر اور ملامت کی آواز — جیسے — چھی — (مصنف —)

ہونگا اور تمہیں سب کچھ بتاؤں گا — تمہاری ہمدردی کے لئے دل سے شکریہ —» اس نے یہ پرچہ پنتالیونے کو دیا —

بڈھے نے بڑی احتیاط سے اس پرچے کو اپنی بغلی جیب میں رکھا اور دروازے کی طرف یہ دھراتا ہوا بڑھا «ایک گھنٹے میں !» لیکن یکایک وہ واپس مڑا، دوڑ کر سانن کے پاس آیا، اس کا ہاتھ پکڑا اور صدری سے لگایا اور بولا «نیک نوجوان! بڑا دل ہے! (Nobil giovanotto! Gran cuore!) ایک کمزور بوڑھے آدمی کو (a un vecchiotto) اپنا جرأت آزما ہاتھ دبانے کی اجازت دو! (la vostra valorosa destra!)» وہ اچھل کر ایک قدم پیچھے ہٹا، اپنے دونوں ہاتھ ہوا میں بلند کئے اور وہاں سے چل دیا —

سانن نے اس کے پیچھے پیچھے نظریں دوڑائیں . . . ایک اخبار اٹھایا اور اسے پڑھنے کے لئے بیٹھ گیا — لیکن اس کی آنکھیں سطروں پر بیکار دوڑتی رہیں، وہ ایک لفظ بھی نہیں سمجھ سکا . . .

۱۸

ایک گھنٹے کے بعد پھر ویٹر سانن کے پاس آیا اور ابکے اس نے اس کے ہاتھ میں ایک پرانا، میلا میلا سا دھبوں والا کارڈ دیا — اس پر لکھا تھا : «پنتالیونے چپاتولا، واریزے، عالی جاہ ڈیوک اف مودینہ کے درباری مغنی (cantante di camera) —» اور ویٹر کے پیچھے پیچھے خود پنتالیونے بھی آن پہنچا — اس نے سر سے پاؤں تک کپڑے بدل لئے تھے — اب وہ کالے لمبے کوٹ اور سفید ویسٹ کوٹ میں تھا جس پر نقلی سونے کی ایک زنجیر بڑی آب و تاب سے لٹک رہی تھی — چست کالی پتلون پر ایک بھاری مہر لٹک رہی

تھی — اس کے داھنے ھاتھہ میں ایک کالی ٹوپی تھی جو خرگوش کے روئیں سے تیار ھوئی تھی اور اس کے بائیں ھاتھہ میں سویڈ کے موٹے دستانے تھے — اس کا گلوبند معمول سے بھی زیادہ چوڑا اور اونچا تھا اور اس کی صدری میں «بلی کی آنکھہ» (oeil de chat) کے پتھر کا ایک پن لگا ھوا تھا — اس کے داھنے ھاتھہ کی بڑی انگلی میں ایک مہر لگی ھوئی انگوٹھی تھی جس میں دو ھاتھہ ایک شعلہ فشاں دل کو تھامے ھوئے تھے — بڈھے کے لباس سے بڑی تیز بو آرھی تھی —— کافور اور مشک کی ملی جلی بو — اس کی وضع قطع کی اضطراری گمبھیرتا بےنیاز سے بےنیاز آدمی کو متوجہ کئے بغیر نہ رہ سکتی تھی — سانن اس سے ملنے کے لئے کھڑا ھو گیا —

«میں تمہارا گواہ ھوں» کمر سے جھکتے ھوئے اور رقاصوں کی طرح جوتوں کے پنجوں کو ایک دوسرے سے دور رکھہ کر کھڑے ھوتے ھوئے پنتالیونے نے فرانسیسی میں اعلان کیا — «میں ھدایات کے لئے آیا ھوں — کیا تم خوفناک انجام تک لڑنا چاھتے ھو؟»

«خوفناک انجام تک کیوں موسیو چپاتولا؟ میں نے جو الفاظ کل کہے تھے ان کو واپس لینے کے لئے میں تیار نہیں ھوں لیکن میں خون کا پیاسا نہیں ھوں — ٹھہرو، میرے حریف کا گواہ ایک منٹ میں یہاں آتا ھوگا — میں دوسرے کمرے میں جاتا ھوں اور تم اور وہ ایک دوسرے سے بات کرکے شرائط طے کرو — یقین کرو، میں تمہاری خدمات کبھی نہیں بھولوں‌گا اور میں دل سے تمہارا شکرگزار ھوں —»

«عزت ھر چیز پر بھاری ھے!» پنتالیونے نے جواب دیا اور سانن کی درخواست کا انتظار کئے بغیر کرسی میں دھنس گیا — «اگر وہ

«ferroflucto spiccebubbio» اس نے اطالوی اور فرانسیسی الفاظ کا مالیدہ تیار کرتے ہوئے کہا «اگر وہ دوکاندار کلوبیریو یہ نہیں سمجھہ سکتا کہ اس کا فرض کیا ھے یا اگر وہ نامرد ھے — تو پھر تو اس کے حق میں اور بھی برا ھے! وہ ایک بےکار آدمی ھے — اور بس!.. جہاں تک ڈوئل کی شرائط کا تعلق ھے — میں تمہارا گواہ ھوں اور تمہارا مفاد میرے لئے مقدس ھے! جب میں پادوا میں رھتا تھا تو سفید گھوڑسواروں کا ایک رسالہ وھاں پڑاؤ ڈالے ھوئے تھا اور کئی افسروں سے میرا یارانہ ھو گیا تھا اور ان سے میری گاڑھی چھنتی تھی — ان کی لغت میں عزت کیا چیز ھے میں اس سے خوب واقف ھوں — میں نے اکثر ان سوالوں پر تمہارے شہزادے تاربوسکی سے باتچیت کی تھی... کیا وہ گواہ جلد ھی آئیگا؟»

«میرے خیال میں تو وہ منٹوں میں آیا چاھتا ھے... اوہ وہ رھا!» سانن کھڑکی سے باھر نظر دوڑاتے ھوئے بولا —

پنتالیونے اٹھا، اپنی گھڑی پر نظر ڈالی اور جلدی سے پتلون کے ایک پائنچے سے لٹکتے ھوئے فیتے کو اپنے جوتے کے اوپر والے حصے میں اندر کو گھسا لیا — نوجوان سکنڈ لفٹیننٹ اندر داخل ھوا — وہ اب تک سرخ تھا اور گھبرایا گھبرایا سا —

سانن نے گواھوں کو ایک دوسرے سے ملایا —

«M-r Richter, souslieutenant! M-r Zippatola, artiste!»*

سکنڈ لفٹیننٹ کو اس بڈھے کو دیکھہ کر کچھہ تعجب ھوا — اس وقت وہ کیا کہتا اگر کسی نے اس کے کان میں آھستہ سے

---

* رختر — افسر! چپاتولا — اداکار!

پھونک دیا ہوتا کہ وہ «فنکار» جس کا ابھی ابھی اس سے تعارف ہوا ہے کھانا پکانے کے فن میں بھی ماہر ہے؟ لیکن پنتالیونے نے کچھہ ایسا رویہ اختیار کیا جیسے ڈوئل کا انتظام وغیرہ کرانے میں حصہ لینا اس کا روز مرہ کا معاملہ ہے — بلا شبہہ اس کا تھیٹر والا ماضی اس کے آڑے آیا اور اس نے گواہ کا رول بالکل اس طرح ادا کیا جیسے یہ تھیٹر کا رول ہو — دونوں فریق ایک لمحے کو چپ رہے —

پنتالیونے نے پہلے مہرسکوت توڑی —

«تو ہم شروع کریں؟» اس نے اپنی سہر سے کھیلتے ہوئے پوچھا —

«بے شک» سکنڈ لفٹیننٹ نے جواب دیا — «لیکن . . . دونوں ڈوئل لڑنے والوں میں سے ایک کی موجودگی . . . »

«حضرات! میں ابھی ابھی آپ سے رخصت ہو جاؤں گا!» سانن نے کہا اور جھک کر رخصت ہوتے ہوئے اور دروازہ بند کرتے ہوئے اپنی خواب گاہ میں چلا گیا —

خود کو بستر پر گراتے ہوئے وہ جیما کے بارے میں سوچنے لگا . . . لیکن دونوں گواہوں کی بات چیت کی آواز بند دروازوں سے آ رہی تھی — بات چیت فرانسیسی میں ہو رہی تھی — دونوں فریق بڑی بےدردی سے اپنے اپنے ڈھنگ سے زبان کا خون کر رہے تھے — پنتالیونے نے پھر پادوا کے گھوڑسواروں کے رسالے اور شہزادے تاربوسکی کا ذکر چھیڑا اور سکنڈ لفٹیننٹ نے «exghizes léchères» اور «goups á l'amiaple» کا حوالہ دیا — لیکن بڈھا کسی exghizes کا ذکر سننے کو تیار نہ تھا! بڈھے نے اچانک اپنے فریق کو ایک نوجوان اور معصوم لڑکی کے بارے میں بتانا شروع کر دیا جس کی

ایک چھنگلی دنیا بھر کے سارے افسروں سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔۔۔
(oune zeune damigella innoucenta, qu'a ella sola dans soun péti doa vale
piu que foutt le zouffissié del mondo!) یہ سن کر سانن بالکل چکرا
گیا — بڈھا پورے جلال سے باربار دھرانے لگا «یہ شرمناک ہے!
شرمناک ہے یہ!» (E ouna onta, ouna onta!) شروع میں تو سکنڈ
لفٹیننٹ نے اس کی کوئی پروا نہ کی لیکن جلد ھی اس کی آواز میں
تھرتھراھٹ پیدا ھو گئی اور اس نے کہا کہ میں یہاں اخلاقیات
پر لکچر سننے نہیں آیا ھوں۔۔۔

«میاں تمہاری عمر میں حق بات سننا ھمیشہ مفید رہتا ہے!»
پنتالیونے بولا —

تھوڑی تھوڑی دیر پر، معزز گواھوں کی بات چیت گرم ھو
جاتی — یہ بات چیت ایک گھنٹے سے زیادہ جاری رھی لیکن آخرکار
یہ شرطیں طے پائیں: «بارن فون دون ھوف اور موسیو دے سانن کا
سامنا اگلی صبح دس بجے ھناؤ کے آس پاس ایک چھوٹے سے جنگل میں
ھوگا اور دونوں بیس قدم کے فاصلے سے ایک دوسرے پر گولی
چلائیں گے — دونوں فریق اپنے گواھوں کا اشارہ پاکر دو بار گولی
چلائیں گے — پستول ایک ھی گھوڑے والے ھونگے اور ان کی نالیں
رائیفل کی نہیں ھونگی» — ھیر فون رختر رخصت ھوا اور پنتالیونے نے
بات چیت کے نتیجے سے آگاہ کرنے کے لئے بڑے طمطراق سے
خواب گاہ کا دروازہ کھولا اور بولا: «Bravo, Russo! Bravo giovanotto*
تم غازی ھو گے!»

---

* مرحبا، اے روسی! مرحبا!

چند منٹ بعد دونوں روسیلی کی دوکان کی طرف چل دئے — سانن نے پنتالیونے سے وعدہ لیا کہ وہ ڈوئل کے معاملے کو ایک زبردست راز بنا کر رکھیگا — جواب میں بڈھے نے صرف اپنی انگلی اٹھائی اور آنکھیں میچ کر جلدی جلدی بولا «Segredezza! (راز !)» ایسا لگا کہ اس کی عمر کم ہو گئی ہے — خود اس کے قدم بہت سبک رو ہو گئے تھے — ان غیر معمولی واقعات نے، خواہ وہ ناخوش گوار ہی سہی، اس کو اس بیتے زمانے میں پہنچا دیا جب وہ خود چیلنج قبول کرتا تھا اور دوسروں کو للکارتا تھا —— ہاں یہ ٹھیک ہے کہ یہ سب اسٹیج پر ہوتا تھا — جیسا کہ معلوم ہی ہے، مدھم آواز میں گانے والوں میں غضب کی اکڑفوں تو ہوتی ہی ہے —

۱۹

ایمیل دوڑتا ہوا سانن کے خیر مقدم کو آیا —— وہ ایک گھنٹے سے بھی زیادہ عرصے سے اس کے آنے کا انتظار کر رہا تھا —— اور اس نے جلدی جلدی اس کے کان میں کہا کہ اس کی ماں کو کل کے ناخوشگوار حادثے کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں اور اس کے کان میں اس کی ذرا بھی بھنک نہیں پڑنی چاہئے — اس نے یہ بھی کہا کہ اسے پھر دوکان میں بھیجا جا رہا ہے لیکن وہاں جانے کا اس کا بالکل ارادہ نہیں — وہ کہیں دبک رہے گا — چند لمحوں کے دوران اسے یہ سب کچھ بتانے اور سڑک پر بھاگنے سے پہلے اس نے خود کو سانن کے شانے پر دباتے ہوئے بڑے جذبات سے اس کو چوم لیا — سانن کی ملاقات دوکان میں جیما سے ہوئی — جیما اس سے کچھ کہنا چاہتی تھی پر کہہ نہ سکی — اس کے ہونٹ بہت ہلکے سے تھرتھرائے

اور اس کی آنکھیں مچ سی گئیں اور اس کی نظریں ایک طرف سے دوسری طرف بھٹکنے لگیں — اس نے جلدی جلدی اس کو دلاسا دیا اور ڈھارس بندھائی کہ معاملہ رفع دفع ہو گیا —

«کیا آج کوئی تم سے ملنے نہیں آیا تھا؟» اس نے پوچھا —

«ایک آدمی آیا تو تھا —— ہم نے اس معاملے پر بات‌چیت کی —— اور . . . ہم حد درجہ اطمینان بخش نتیجے پر پہنچے —»

جیما کاؤنٹر کے پیچھے چلی گئی —

«وہ میرا یقین نہیں کرتی» اس نے اپنے آپ سے کہا . . . بہرحال وہ پچھلے کمرے میں گیا اور وہاں اسے فراؤ لینورے نظر آئی —

اس کے سر کا درد بہتر تھا لیکن اس پر ایک افسردگی کا موڈ طاری تھا — وہ خلوص سے مسکرائی لیکن ساتھ ھی اس نے جتا دیا کہ اس کی صحبت آج ناخوشگوار ثابت ھوگی اس لئے کہ آج وہ اس کا دل بہلانے کے موڈ میں نہیں ھے — جب وہ اس کے پاس بیٹھا تو اس نے دیکھا کہ اس کے پپوٹے لال اور سوجے ھوئے ھیں —

«کیا ھوا ھے تمھیں فراؤ لینورے؟ تم آنسو تو نہیں بہاتی رھی ھو؟»

«ھش . . . » اس نے اس کمرے کی طرف اشارہ کرتے ھوئے کہا جس میں اس کی لڑکی تھی — «زور سے نہ بولو . . . زور سے نہیں —»

«لیکن تمھیں رونا آیا کس بات پر؟»

«آہ موسیو سانن، میں خود نہیں جانتی —»

«کیا کسی نے تمھارے دل کو ٹھیس لگائی ھے؟»

«اوہ نہیں! . . نہ جانے کیوں یکایک دل بھر آیا — مجھے گیوان بتستا یاد آئے . . . میری اپنی جوانی کا زمانہ یاد آیا . . . اورسب کچھ

کتنی جلدی بیت گیا — میں بڑھیا ہونے کو آئی — میرے دوست —
اور میں اس خیال کو اپنا نہیں سکتی اور بس — میں تو ہمیشہ کی
طرح ھی محسوس کرتی ہوں... لیکن بڑھاپا — سر پر منڈلا رہا ھے،
سر پر!» فراؤ لینورے کی آنکھیں بھر آئیں — «میں دیکھه رہی ہوں
تم مجھے حیران نظروں سے دیکھه رہے ہو... لیکن تم بھی، میرے
دوست، بوڑھے ہوگے اور جب جانوگے یه کتنا کڑوا گھونٹ ھے!»

سانن نے اس کی دل جوئی کی کوشش کی، اس کو اپنے بچوں کی
یاد دلائی جن کی جوانی میں وہ اپنی جوانی پا سکتی ھے، اس نے اس
کا مذاق اڑانے کی کوشش بھی کی، اور کہا که وہ اپنی تعریف سننا
چاہتی ھے... لیکن اس نے اس کو روکا — اس کے لہجے میں ہنسی
مذاق کا ذرا شائبه نه تھا — اور اس نے زندگی میں پہلی بار محسوس
کیا که اس قسم کے دکھه پر جو بڑھاپے کے احساس سے پیدا ہو،
پھایا نہیں رکھا جا سکتا اور اس سے دھیان نہیں بٹایا جا سکتا ھے —
صرف ایک راسته ھے اور وہ یه که اس غم کے خود بخود دور ہونے
کا انتظار کیا جائے — اس نے ترستے کھیلنے کی صلاح دی اور اس سے
بہتر کوئی اور بات اسے سوجھی ھی نہیں — اس نے شوق سے یه بات
مان لی اور ایسا لگا که اس پر خوشی کا رنگ آ گیا ھے —

سانن کھانے تک اور پھر کھانے کے بعد بھی اس کے ساتھه تاش
کھیلتا رہا — پنتالیونے نے بھی کھیل میں حصه لیا — اس کی آگےوالی
لٹ، اس سے پہلے اتنا زیادہ نہیں لٹکی تھی — اس سے پہلے اس کی
ٹھوڑی کبھی بھی اس بری طرح اس کے گلوبند میں دفن نہیں ہوئی
تھی — اس کی حرکت میں اتنا وقار اور اتنا رکھه رکھاؤ تھا اور اس
رکھه رکھاؤ میں ایسا تناؤ تھا که کوئی بھی یه سوچے بغیر نہیں

رہ سکتا تھا کہ آخر وہ کون سا راز ہے جس کو وہ اتنے جان جوکھوں سے اپنے کلیجے میں چھپا کر رکھہ رہا ہے۔

لیکن —— Segredezza, segredezza!

سارے دن، ہر ممکن طریقے سے اس نے کوشش کی کہ وہ سانن کے لئے زبردست احترام کا اظہار کرے۔ میز پر اس نے ایک پر عزم گمبھیرتا کے ساتھہ خواتین کو نظرانداز کرتے ہوئے، سب سے پہلے اس کی طرف کھانا بڑھایا۔ تاش کے کھیل کے دوران میں اس نے ساری رقم اس کے آگے رکھہ دی اور جب رنگ کا پتہ ہوتے ہوئے بھی وہ رنگ نہ چلا تو منہ سے ایک لفظ نہ نکالا اور بغیر کسی ربط کے یہ اعلان کر ڈالا کہ روسی دنیا بھر میں سب سے زیادہ وسیع القلب، بلند ہمت اور بات کے دھنی ہوتے ہیں۔

«گھاگ!» سانن نے دل میں کہا۔

اسے مادام روسیلی کی دماغی کیفیت پر اتنی زیادہ حیرت نہیں ہوئی جتنی کہ اپنی طرف اس کی لڑکی کے رویئے پر۔ وہ اس سے کترائی تو نہیں، بلکہ الٹا پورے وقت وہ اس کے پاس ہی بیٹھی رہی، اور جب وہ بولتا تو توجہ سے اس کی بات سنتی اور اس کو دیکھتی۔ لیکن وہ پوری ہٹ دھرمی کے ساتھہ اس سے بات چیت کرنے سے دامن بچاتی رہی۔ اور جب کبھی وہ اسے مخاطب کرتا وہ چپکے سے اٹھتی اور چند منٹ کے لئے کمرے سے باہر چلی جاتی۔ پھر وہ اندر آتی اور کہیں ایک طرف کونے میں بیٹھہ جاتی اور بالکل خاموش رہتی جیسے سوچ میں کھوئی ہوئی ہو—— اور جیسے دل ہی دل میں کسی بات پر حیران ہو رہی ہو۔ آخر فراؤ لینورے نے اس کے غیرمعمولی رویئے کو تاڑ لیا اور اس سے پوچھا کہ آخر ماجرا کیا ہے۔

«کچھہ نہیں» جیما نے جواب دیا — «تم جانتی ہو میں کبھی کبھی یونہی بن جاتی ہوں — »

«یہ بالکل ٹھیک ھے» اس کی ماں نے اتفاق کیا —

اس طرح ایک پورا دن بیت گیا، ایک ایسا دن، جس میں نہ تو بڑی ہماھمی تھی اور جو نہ بہت بےجان تھا، ایسا دن جو نہ تو بہت ھی طرب ناک تھا اور نہ بہت بجھا بجھا — اگر جیما کا رویہ ذرا مختلف ھوتا تو سانن دل کھول کر بیباکی دکھانے کی اندرونی اکساھٹ پر قابو پانے میں نا کام رھتا —— یا ایک ایسی جدائی کے لمحے میں جو ھمیشہ ھمیشہ کی جدائی کا لمحہ بن سکتا تھا، شاید وہ غم و الم کے جذبات میں ڈوب کر رہ جاتا — لیکن چونکہ اسے جیما سے بات کرنے کا موقع نہیں ملا اس لئے کافی سے پہلے پندرہ منٹ کا وقفہ اس نے پیانو کو چھیڑ کر ننھے ننھے سر جگانے میں بتایا —

ایمیل دیر سے واپس آیا اور جلدی ھی وھاں سے ٹل گیا تاکہ ھیر کلیوبر کے بارے میں پوچھہ گچھہ کی نوبت نہ آئے — سانن کے رخصت ھونے کا لمحہ آیا —

اس نے جیما کو خدا حافظ کہنا شروع کیا — کسی وجہ سے اسے اس وقت پشکن کی نظم «یوگینی اونیگن» میں لینسکی اور اولگا کے بچھڑنے کا منظر یاد آگیا — اس نے جیما کا ھاتھہ مضبوطی سے دبایا اور اس کے چہرے کو دیکھنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی انگلیوں کو چھڑاتے ھوئے ایک طرف مڑ گئی —

۲۰

جب وہ برساتی میں پہنچا تو سارے ستارے جگمگ جگمگ کر رھے تھے — اف کتنے ستارے، سمندر کا سمندر —— بڑے، چھوٹے، پیلے، لال، نیلے اور سفید! وہ سب کے سب جگمگا اور جھلملا رھے تھے،

آنکھیں جھپکا رہے تھے — چاند نہ تھا لیکن چاند کے بنا بھی پرچھائیوں سے بےنیاز شام کے باریک دھندلکے میں ہر چیز صاف نظر آ رہی تھی — سانن ٹہلتا ہوا سڑک کے نکڑ تک گیا — اس وقت سیدھے اپنے کمرے میں جانے کا اس کا کوئی ارادہ نہ تھا — اس کے من میں صرف ایک خواہش تھی کہ ذرا گھومے گھامے اور صاف ستھری ہوا کا لطف اٹھائے — وہ پلٹا اور ابھی مشکل سے وہ اس مکان کے پاس ہی پہنچا تھا جس میں روسیلی کی دوکان تھی، کہ اچانک دھڑ سے اس کی ایک کھڑکی سڑک کی طرف کھلی اور اس کے خالی سیاہ چوکھٹے میں (کمرے میں روشنی نہ تھی) ایک عورت کا پیکر ابھرا اور اس نے اپنا نام پکارتے ہوئے سنا :

«Monsieur Dimitri!»*

وہ لپک کر کھڑکی کے پاس پہنچا... یہ تو جیما تھی !

وہ کھڑکی پر ٹیک لگائے ہوئے تھی اور اس کا دھڑ باہر جھکا ہوا تھا —

«Monsieur Dimitri» اس نے احتیاط کے ساتھ کہنا شروع کیا «میں پورے دن چاہتی رہی کہ تمہیں ایک چیز دوں.. لیکن میں طے نہ کر سکی کہ دوں یا نہ دوں — لیکن تمہیں اچانک دیکھ کر مجھے ایسا لگا کہ جو ہونی ہے سو ہو کر رہے گی...»

جیما اس لفظ پر پہنچ کر بےاختیار رک گئی — وہ آگے نہ کہہ سکی — اور اس وقت ایک انوکھی بات ہوئی —

زبردست سناٹے میں، جب آسمان بادلوں سے بالکل خالی تھا، یکایک ہوا کا ایک زوردار جھونکا اٹھا — یہ جھونکا اتنا زوردار تھا

---

* موسیو دمتری !

کہ پوری زمین تھرتھراتی ہوئی محسوس ہوئی، ستارے لرزنے اور جھلملانے لگے اور خود ہوا چکرانے لگی— یہ جھونکا ٹھنڈا نہیں، گرم تھا، بلکہ اس میں امس تھی— ہوا کے جھونکوں نے درختوں کو جھنجھوڑا، مکانوں کی چھتوں اور دیواروں کو پیٹا، سڑک پر اودھم مچائی، سانن کے سر سے ہیٹ اڑا لے گئی اور جیما کی گھونگھریالی لٹوں کو بکھیر کر رکھ دیا— سانن کا سر کھڑکی کے نچلے حصے کے برابر تھا اور وہ بے اختیار اس سے اور قریب اور قریب ہوتا گیا اور جیما نے اس کے شانوں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے دبوچا اور اپنا سینہ اس کے سر پر دبایا— ہوا کی قیامت‌خیز چیخ پکار کوئی ایک منٹ جاری رہی اور پھر پر پھڑپھڑا کر پرواز کر جانے والے پرندوں کی طرح یہ آندھی نڈھال ہوکر سو سی گئی... اور پھر زبردست سناٹا چھا گیا—

اپنا سر اٹھاتے ہوئے، سانن نے اس چہرے کو دیکھا جو اتنا پیارا تھا، اتنا سہما سہما، اتنا ہیجان سے بھرا ہوا— اس نے بڑی بڑی آنکھوں میں دیکھا، ایسی شاندار آنکھیں جن کو دیکھ کر دل لرز جائے— اس کی آنکھوں نے ایک ایسا حسن دیکھا کہ اس کا دل ایک لمحے کو دھڑکنا بھول گیا— اس کے بالوں کی ایک ریشمیں لٹ کو جو اس کے سینے پر جھول رہی تھی، اپنے ہونٹوں سے چھوتے ہوئے، اس نے صرف اتنا کہا «اف جیما!»

«یہ کیا تھا؟ بجلی؟» اس نے پوچھا، اس کی نگاہیں فضائے بسیط میں تیرتی چلی گئیں لیکن اس کی بانہیں اب تک اس کے شانے پر تھیں—

«جیما!» سانن نے دھرایا—

اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کمرے میں پلٹ کر دیکھا اور تب اس نے تیزی سے اپنے گریبان سے گلاب کا ایک مرجھایا ہوا پھول نکالا اور سانن کی طرف پھینک دیا۔

«میں تمھیں یہ پھول دینا چاہتی تھی۔۔۔»

اس نے گلاب کے اس پھول کو پہچان لیا جو اس نے پچھلے دن افسروں سے چھینا تھا۔

لیکن کھڑکی کے پٹ بند ہو گئے اور اب کھڑکی کے اندھیرے شیشے کے پیچھے کچھہ نظر نہ آ رہا تھا، کچھہ بھی نہیں، سفید رنگ کی ہلکی سی جھلک بھی نہیں۔۔۔

سانن اپنی ہیٹ کے بغیر ہوٹل لوٹا ۔۔۔ اسے پتہ بھی نہ چلا کہ وہ اپنی ہیٹ کھو آیا تھا۔

۲۱

پوپھٹتے پھٹتے اسے نیند آئی۔ بھلا اس میں تعجب کی بات کیا تھی کہ گرم ہوا کے چکراتے ہوئے جھونکے کے زیر اثر اس نے اسی آن محسوس کیا —— (یہ نہیں کہ جیما ایک حسین لڑکی ھے، یہ نہیں کہ اسے وہ انتہائی دل ربا معلوم ہوئی، یہ اسے پہلے ھی سے معلوم تھا) —— اور کچھہ ہو نہ ہو، وہ اس کی محبت میں گرفتار ھے۔ عشق نے اسے ہوا کے طوفانی جھونکے کی طرح ناگہاں آلیا تھا۔ اور لو وہ نامعقول ڈوئل سامنے ھے! اسے انتہائی مایوس کن وسوسے ستانے لگے۔ اگر وہ مارا نہ بھی گیا تو —— بھلا اس لڑکی سے محبت کا نتیجہ کیا نکلے گا جو ایک دوسرے آدمی کی منگیتر ہو؟ اور اگر وہ «دوسرا» زیادہ خطرناک حریف نہ ثابت ہوا اور جیما بھی اس سے محبت

کرنے لگے یا شاید ابھی ھی اس سے محبت کرتی ہو۔ ۔ ۔ کیا خیال ھے اس کے بارے میں؟ واہ کیا سوال ھے! —— ایسی حسینہ . . .

وہ کمرے میں ٹہلتا رہا— پھر میز پر بیٹھا، کاغذ کا ایک ٹکڑا لیا، اس پر چند سطریں گھسیٹیں، —— اور فوراً ھی سب کچھہ کاٹ چھانٹ کر رکھہ دیا . . . اس نے جیما کے بارے میں سوچا، وہ کھڑکی کے اندھیرے چوکھٹے سے جھانکتا ھوا اس کا حسین پیکر، ستاروں کی مدھم مدھم روشنی میں گرم ھوا کے جھونکوں سے الجھے اور بکھرے ھوئے بال — اسے اس کے مرمریں ھاتھہ یاد آئے، یونانی دیوی کی بانہوں جیسی بانہیں، اور اسے پھر اپنے شانوں پر ان بانہوں کا بوجھہ محسوس ھوا . . . پھر اس نے گلاب کا وہ پھول اٹھایا جو اس نے کھڑکی سے پھینک کر دیا تھا اور اسے لگا کہ اس پھول کی مرجھائی ھوئی پنکھڑیوں سے پھوٹتی ھوئی خوشبو گلاب کے عام پھولوں سے زیادہ کومل ھے —

«اور اگر میں مر جاؤں یا زخمی ھوکر اپاھج ھو جاؤں تو؟»

وہ بستر پر نہ لیٹا بلکہ سارے کپڑے پہنے ھوئے صوفے ھی پر سو گیا —

کسی نے اس کے شانوں کو تھپتھپایا . . .

اس نے آنکھہ کھولی تو سامنے پنتالیونے نظر آیا —

«اوہ یہ تو اس طرح سوتا ھے جیسے سکندر اعظم بابیلون کی لڑائی سے پہلے سویا تھا —» بڈھا بولا —

«کیوں. کیا وقت ھے؟» سانن نے پوچھا —

«سات بجنے میں پندرہ منٹ ھیں — یہاں سے ھناؤ تک دو گھنٹے کا راستہ ھے اور ھمیں وھاں پہلے پہنچنا چاھئے — روسی

ہمیشہ اپنے حریفوں سے آگے رہتے ہیں — میں نے فرانکفرٹ کی سب سے اچھی گاڑی کرائے پر لی ہے!»

سانن نے منہ ہاتھہ دھونا شروع کیا —

«اور پستول کہاں ہیں؟»

«وہ ferroflucto Tedesco پستول لائے گا — وہی ڈاکٹر بھی لائے گا —»

پنتالیونے پچھلے دن کی طرح جوش و خروش اور ہمت دکھانے کی کوشش کر رہا تھا — لیکن جب گاڑی میں سوار ہوا اور سانن کے پہلو میں بیٹھا، جب کوچ‌بان نے چابک کڑکایا اور گھوڑے سرپٹ دوڑنے لگے تو پادوا کے گھوڑسواروں کے اس دوست کا رنگ یکایک بدل گیا — وہ کچھہ گھبرایا گھبرایا اور بدحواس سا نظر آنے لگا — ایسا لگا، اس کے اندر کوئی چیز ٹوٹ پھوٹ کر رہ گئی ہو جیسے جیسے دیوار کی طرح سلسلا کر بیٹھہ گئی ہو —

«خدا کی پناہ، ہم کر کیا رہے ہیں —— *santissima Madonna!»

وہ اپنے بالوں کو جڑ سے پکڑتے ہوئے زور سے چلایا «میں کیا کر رہا ہوں، خرانٹ احمق اور سڑی جو ٹھہرا میں frenetico؟»

سانن نے حیرت کے ساتھہ قہقہہ بلند کیا اور پنتالیونے کی کمر میں اپنا ہاتھہ ڈال دیا اور اسے فرانسیسی کہاوت سنائی : «Le vin est tiré —— il faut le boire» (وعدہ تو ہر قیمت پر وفا کرنا ہوگا!)

«ہاں ہاں» بڈھے نے جواب دیا «ہاں میں اور تم اس زہر کے پیالے کا ایک ایک قطرہ پیئیں گے —— لیکن میں ہوں پاگل کا پاگل! ہر چیز اتنی اچھی بھلی تھی، اتنی پر سکون —— اور لو اچانک یہ —— ٹھائیں، ٹھائیں، ٹھائیں!»

---

* کنواری مریم!

«جس طرح ارکسٹرا چھڑتا ہے — ٹٹا ٹٹا ٹا» سانن نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا — «لیکن اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں — »

«میں جانتا ہوں، میرا قصور نہیں — میں امید تو یہی کرتا ہوں — لیکن ہے یہ دیوانگی — *Diavolo! Diavolo!» پنتالیونے نے اپنی لٹ کو پیچھے جھٹکتے ہوئے اور ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے دہرایا —

گاڑی چلتی رہی، دوڑتی رہی —

صبح شاندار تھی — فرانک فرٹ کی سڑکیں، جن پر ابھی ابھی زندگی کے اثار پیدا ہونا شروع ہوئے تھے، صاف ستھری چمک رہی تھیں — کھڑکیاں پنیوں کی طرح جھلملا رہی تھیں، اور جب وہ چنگی کے پھاٹک کے پاس پہنچے تو ان کے کانوں میں نیلے مگر اب تک زردی مائل آسمان میں پرواز کرتے ہوئے چکاوکوں کے گانے کی آواز آنے لگی — دفعتاً ایک موڑ پر، سفیدے کے لمبے پیڑ کے پیچھے سے ایک مانوس ہیولا ابھرا اور اس نے ان کی طرف چند قدم اٹھائے — سانن نے دوبارہ دیکھا... میرے خدا! ایمیل!

«کیا! کیا وہ اس کے بارے میں جانتا ہے؟» سانن نے پنتالیونے کی طرف مڑتے ہوئے پوچھا —

«میں نے تم سے کہا تھا کہ میں پاگل ہوں» بدنصیب اطالوی منمناتی ہوئی آواز میں بولا — اس کی آواز انتہائی نا امیدی کی چیخ بنتے بنتے رہ گئی — «اس نالائق لڑکے نے رات بھر مجھے چین لینے نہ دیا اور آخر آج صبح مجھے اگلنا ہی پڑا — »

---

* شیطان، شیطان!

«یہ ہے تمہارا segredezza!» سانن نے اپنے آپ سے کہا۔

گاڑی اس جگہ پہنچی جہاں ایمیل کھڑا تھا ــ سانن نے گاڑی روکنے کا حکم دیا اور «اس نالائق لڑکے» کو قریب بلایا ــ ایمیل جھجکتے ہوئے قدموں کے ساتھہ پاس آیا ــ وہ زرد ہو رہا تھا، ویسا ہی زرد جیسا کہ وہ دل کے حملے کے روز نظر آ رہا تھا ــ وہ مشکل سے خود کو سنبھال پا رہا تھا ــ

«تم یہاں کیا کر رہے ہو؟» سانن نے سختی سے پوچھا ــ «تم اس وقت گھر پر کیوں نہیں ہو؟»

«مجھے اپنے ساتھہ لے چلو!» ایمیل نے کانپتی ہوئی آواز میں ہاتھہ جوڑتے ہوئے التجا کی ــ اس کے دانت بج رہے تھے جیسے بخار میں جھلس رہا ہو ــ «میں تمہارے راستے میں نہیں آؤں گا! مجھے اپنے ساتھہ لے چلو، بس مجھے اپنے ساتھہ لے چلو!»

«اگر تمہارے دل میں میرے لئے ذرہ برابر بھی محبت یا عزت ہے تو» سانن نے کہا «تم اسی آن گھر یا ہیر کلیوبر کی دوکان چلے جاؤ، کسی سے ایک لفظ نہ کہو اور میری واپسی کا انتظار کرو!»

«تمہاری واپسی!» ایمیل نے رندھی ہوئی آواز میں کراہتے ہوئے کہا «اور اگر تم . . .»

«ایمیل!» سانن نے کوچبان کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا «تم جی کڑا کرو! گھر جاؤ ایمیل، میں تم سے التجا کرتا ہوں! میرے دوست تم میری بات مان جاؤ ــ تم یہ کہتے نہیں تھکتے کہ تم مجھے چاہتے ہو ــ اچھا تو پھر گھر جاؤ ــ میری خاطر!»

اس نے اپنا ھاتھہ بڑھایا — ایمیل لپک کر آگے بڑھا، سبکیاں بھرتے ہوئے اس نے سانن کے ھاتھہ کو ہونٹوں سے لگایا اور سڑک سے ہٹ کر کھیتوں میں دوڑتا ہوا سیدھا سرپٹ فرانک‌فرٹ کی طرف بھاگا —

«ایک اور نیک بخت!» پنتالیونے بڑبڑایا لیکن سانن نے اس کو آزردگی بھری نظروں سے دیکھا اور بڈھا سمٹ سمٹا کر ایک کونے میں کھسک گیا — وہ جانتا تھا کہ وھی قصوروار ھے — اس کی حیرانی ھر لمحہ بڑھتی رھی — کیا یہ واقعہ ھے کہ وہ گواہ کا رول ادا کر رہا ھے، وہ جس نے گاڑی کا حکم دیا تھا اور سارا معاملہ طے کیا تھا اور جو تڑکے چھہ بجے اپنے گھر سے چل پڑا تھا؟ اور سب پر طرہ یہ کہ اس کے دکھتے ہوئے پیروں میں ٹیس سی اٹھہ رھی تھی —

سانن نے سوچا کہ اس میں کچھہ جان پیدا کرنی چاھئے اور اس نے تیر بہدف لہجے اور ایسے مناسب الفاظ میں بولنا شروع کیا جو اس میں جان پیدا کر سکیں —

«عزت ماب، سینیور چپاتولا آپ کے وہ ولولے کہاں ہوا ہو گئے؟» اس نے کہا «وہ جواں مردی کہاں ہوا ہو گئی —
«il antico valor?

سینیور چپاتولا نے خود کو سنبھالا اور تیور چڑھا لئے —
Non e ancora spento» — وہ گہری آواز میں چلایا «Il antico valor?»
(ابھی کچھہ چنگاریاں باقی ھیں!) «il antico valor!

اس نے پھر خود کو سنبھالتے ہوئے اپنی زندگی کا، اوپیرا کا،

اونچے سروں میں گانے والے فنکار گارسیا کا ذکر چھیڑ دیا اور هناؤ پہنچنے تک وہ ایک دوسرا آدمی تھا — اگر آپ سوچنے پر آئیں تو —— دنیا میں لفظ سے زیادہ بلوان اور بے بس —— اور کوئی چیز نہیں!

۲۲

وہ چھوٹا سا جنگل جہاں یہ لڑائی ہونے والی تھی هناؤ سے کوئی پاؤ میل کی دوری پر تھا — جیسا کہ پنتالیونے نے اعلان کیا تھا سانن اور پنتالیونے پہلے وہاں پہنچے — انھوں نے کوچبان سے جنگل کے باہر انتظار کرنے کے لئے کہا اور جنگل کی کافی گھنی جھاڑیوں میں گھس گئے — انہیں ایک گھنٹے کے قریب انتظار کرنا پڑا —

سانن کو انتظار کی گھڑی کاٹنے میں کوئی خاص اکتاہٹ یا پریشانی نہیں ہوئی — وہ پتلی سی ڈگر پر ٹہلتا رہا، چڑیوں کی چہچہاہٹ سنتا رہا اور نگاہوں نگاہوں میں اڑتی ہوئی لمبی لمبی تتلیوں کا تعاقب کرتا رہا اور اس قسم کی صورت حال میں پھنسے ہوئے زیادہ تر روسیوں کی طرح ہر قسم کے سوچ بچار سے بچنے کی کوشش کرتا رہا — صرف ایک بار، جب اس کا سامنا لائم کے ایک پیڑ سے ہوا تو سوچے بنا نہ رہ سکا — غالباً یہ پیڑ پچھلی رات کی طوفانی ہوا میں اکھڑ کر گر پڑا تھا — وہ مرتا ہوا دکھائی دے رہا تھا — اس کے پتے مرجھانے اور سکڑنے لگے تھے — «کیا ہے یہ؟ شگون؟» یہ خیال اس کے دماغ میں کوند گیا — لیکن دوسرے ہی لمحے وہ سیٹیاں بجا رہا تھا اور لائم کے گرے ہوئے پیڑ کے تنے کے اوپر سے چھلانگیں لگا رہا تھا اور پگڈنڈی پر ٹہل رہا تھا —

البتہ پنتالیونے مستقل بڑبڑاتا، جرمنوں کو کوستا، کھانستا اور اپنے گھٹنے اور پیٹھہ کھجلاتا رہا — واقعہ تو یہ ہے کہ مارے گھبراہٹ کے اسے جماهیاں بھی آئیں اور جماهیوں نے اس کے چھوٹے سے چھوارے کی طرح سوکھے ہوئے چہرے کو مضحکہ خیز بنا دیا — سانن نے جو اسے دیکھا تو اس کے منہ سے قہقہہ نکلتے نکلتے رہ گیا —

آخر کار، نرم نرم سڑک پر دوڑتے ہوئے پہیوں کی آواز ان کے کانوں میں پہنچی — «آ رہے ہیں وہ!» پنتالیونے نے کہا — وہ تن کر مستعدی سے کھڑا ہو گیا — لیکن اس کے بدن میں لمحاتی گھبراہٹ کی کپکپی سی دوڑ گئی جس کو چھپانے کے لئے اس نے جلدی سے «اررر!» کی آواز نکالی اور بولا کہ صبح کافی ٹھنڈی ہے — گھاس اور درختوں کے پتے شبنم میں نہائے ہوئے تھے لیکن ایک امسی ہوئی گرمی جنگل کا دل چیرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی —

جلد ہی درختوں کے سائے میں دو افسر نظر آئے — ان کے ہمراہ چھوٹے قد کا گول مٹول سا، ایک آدمی اور تھا — اس کے چربی بھرے ٹھس چہرے پر اونگھنے کی کیفیت طاری تھی — یہ تھا رجمنٹل سرجن — اس کے ہاتھہ میں پانی سے بھری ہوئی مٹی کی ایک صراحی تھی اور جراحی کے اوزار اور پٹیوں سے بھرا ہوا تھیلا اس کے کندھے سے لٹک رہا تھا تا کہ یہ چیزیں ضرورت پڑنے پر کام آئیں — جیسا کہ ظاہر تھا وہ اس قسم کی مہموں کا عادی تھا —— جو اس کی آمدنی کا ایک ذریعہ تھیں —— ہر ڈوئل سے اس کو آٹھہ چروو نتسی ملتے تھے، دونوں فریق سے چار چار — ہیر فون رختر کے پاس پستولوں کا تھیلا تھا — ہیر فون دون ہوف کے ہاتھہ میں ایک شکاری ہنٹر تھا —— بلا شبہہ وہ اسے اپنی وضعداری کا کمال سمجھہ رہا تھا —

«پنتالیونے» سانن نے بڈھے کے کان میں کہا — «اگر . . . میں مارا گیا —— کچھہ بھی ہو سکتا ھے —— تم جانتے ہو —— تو میری بغلی جیب سے کاغذ کا ایک پرچہ نکال لینا — اس میں ایک پھول لپٹا ہوا ھے — یہ پھول سینیورینا جیما کو دے دینا — سنی تم نے میری بات؟ تو تم وعدہ کرتے ہونا؟»

بڈھے نے اسے اداس نظروں سے دیکھا اور سر ھلاکر حامی بھری —— لیکن خدا ھی بہتر جانتا ھے کہ سانن کی بات اس کی سمجھہ میں آئی بھی یا نہیں —

حریفوں اور گواھوں نے جھک جھک کر ایک دوسرے کو سلام کیا — واحد شخص، جس کے کان پر جوں بھی نہ رینگی، ڈاکٹر تھا — وہ گھاس پر بیٹھہ گیا اور جماھیاں لینے لگا جیسے کہہ رہا ہو «مجھے اس قسم کی خوش اخلاقی اور تکلف دکھانے کی کیا پڑی ھے —» هیر فون رختر نے هیر «تشبادولا» کو جگہ کا انتخاب کرنے کی دعوت دی — هیر «تشبادولا» نے اپنی جذبات سے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا (اس کے دل کے اندر کی دیوار پھر سلسلا کر بیٹھہ گئی —) «جناب من جو بہتر سمجھیں کریں — میں صرف دیکھونگا. . .»

اور هیر فون رختر نے مہم شروع کر دی — اس نے خود جنگل کے بیچوں بیچ ایک چھوٹا سا خوش نما میدان ڈھونڈ نکالا جو پھولوں سے بھرا ہوا تھا — اس نے قدم سے فاصلہ ناپا، دونوں سرے پر جلدی جلدی نوک دار چھڑی سے نشان بنایا، تھیلے سے پستول نکالے، اور ان کو بھرنے کے لئے زمین پر دوزانو بیٹھہ گیا — مختصر یہ کہ وہ بہت کچھہ خدمات انجام دیتا رہا اور ایک سفید رومال سے برابر اپنے چہرے سے پسینہ پونچھتا رہا — پنتالیونے جو ہر جگہ سائے

کی طرح اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا، ایک ایسا آدمی نظر آرہا تھا جسے ٹھنڈنے دبوچ رکھا ہو— ان تمام ابتدائی کارروائیوں کے دوران میں دونوں حریف ایک دوسرے سے ذرا فاصلے پر کھڑے تھے اور اسکول کے لڑکوں کی طرح نظر آرہے تھے جنھیں کوئی سزا ملی ہو اور وہ اپنے استادوں کے خلاف پیچ و تاب کھارہے ہوں—

فیصلہ کن لمحہ آ ہی گیا...

ہر ایک نے اپنا پستول اپنے ھاتھہ میں لے لیا...

یہاں پہنچ کر، ھیر فون رختر نے پنتالیونے سے کہا کہ ڈوئل کرنے کے قانون کے مطابق اسے ھلاکت آفریں «ایک، دو، تین!» کہنے سے پہلے حریفوں سے خطاب کرتے ہوئے صلح صفائی کی تلقین کرنی چاھئے— گرچہ اس قسم کی تلقین کا کبھی کوئی نتیجہ نہیں نکلتا اور یہ محض رسمی چیز تھی، اس طرح ھیر «تشبادولا» اپنے کندھوں سے ذمہ داریوں کا کچھہ بوجھہ ھٹا دینا چاھتا تھا— اس قسم کی رجزیہ تقریر کا فرض ادا کرنا تو نام نہاد «غیر جانب دار قسم کے گواھوں» (unparteiischer Zeuge) کا کام ھوتا ھے لیکن چونکہ یہاں پر کوئی ایسا آدمی موجود نہ تھا اس لئے فون رختر نے اپنی خوشی سے یہ حق اپنے بوڑھے رفیق کار کے سپرد کردیا— پنتالیونے ، جو افسر کو اپنی نگاھوں سے دور رکھنے کی خاطر پہلے ھی سے ایک جھاڑی کی اوٹ میں جا بیٹھا تھا، ھیر فون رختر کی تقریر کا ایک لفظ بھی نہ سمجھہ سکا اور خاص طور پر اس وجہ سے بھی کہ افسر ناک سے بول رہا تھا— لیکن دوسرے ھی لمحہ

وہ اٹھا، لپک کر آگے بڑھا اور اپنے سینے کو مٹھیوں سے ٹھونکتا ہوا، اپنی پھنسی پھنسی سی آواز سے، ایک عجیب قسم کی مضحکہ خیز گڈمڈ سی زبان میں بولنا شروع کر دیا: «A la la la... Che bestialitá! Deux zeun'ommes comme ça qué si battono —— perchè? Che diavolo? Andate a casa!»*

«میں صلح صفائی قبول نہیں کرونگا» سانن نے جلدی سے کہا —

«اور نہ میں» اس کے حریف نے اس کے بعد دہرایا —

«اب پکارو —— ایک، دو، تین!» فون رختر نے بوکھلائے ہوئے پنتالیونے سے کہا —

پنتالیونے جلدی سے پھر جھاڑی کے پیچھے چلا گیا اور وہاں سے اپنے اکڑتے ہوئے ہاتھہ پاؤں کے ساتھہ، آنکھیں میچ کر اپنا سر ایک طرف پھیرتے ہوئے زوروں سے چلایا «Una... due... e tre!.»

سانن نے پہلے گولی چلائی اور نشانہ چوک گیا — اس کی گولی ایک درخت کے تنے میں لگی اور اس سے ایک زوردار گونج پیدا ہوئی — بارن فون دون‌ہوف نے اس کے بعد فوراً ہی جان بوجھہ کر شانے سے ذرا پرے نشانہ باندھا اور خالی ہوا میں گولی چلا دی —

اس کے بعد ایک تنی ہوئی خاموشی چھائی رہی —— کوئی بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلا — پنتالیونے ہلکے سے کراہا —

«کیا تمہاری خواہش ہے کہ اب ہم آگے چلیں؟» دون‌ہوف نے پوچھا —

---

* کیا بربریت ہے! ایسے دو نوجوان لڑتے لڑتے کٹ مریں! اور کس لئے؟ کیا پاگل‌پن ہے! گھر جاؤ!

«تم نے ہوائی گولی کیوں چلائی؟» سانن نے پوچھا ۔

«اس سے تمہیں مطلب؟»

«کیا تمہارا ارادہ اگلی بار بھی ہوائی چلانے کا ہے؟» سانن نے پوچھا ۔

«شاید ۔ میں نہیں جانتا ۔»

«حضرات، حضرات!» فون رختر نے کہنا شروع کیا ۔ «ڈوئل لڑنے والوں کو ایک دوسرے سے نہیں بولنا چاہئے ۔ یہ بالکل غلط ہے ۔»

«میں گولی چلانے کا اپنا حق چھوڑتا ہوں ۔» سانن نے کہا اور اپنا پستول زمین پر پھینک دیا ۔

«اور میں بھی ڈوئل جاری رکھنا نہیں چاہتا!» فون دون‌ہوف بھی اپنا پستول زمین پر پھینکتے ہوئے چلایا ۔ «اور اس کے علاوہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ۔۔۔ اس دن میں غلطی پر تھا ۔»

وہ ایک لمحے کو تذبذب کے عالم میں کھڑا رہا اور پھر مشکوک انداز میں اپنا ہاتھ سانن کی طرف بڑھایا ۔ سانن تیزی سے اس کی طرف بڑھا اور اس سے ہاتھ ملایا ۔ دونوں نوجوانوں نے مسکراتے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھا ۔ دونوں کے رخسار تمتمائے ہوئے سرخ سرخ دھک رہے تھے ۔

«Bravi! bravi!» پنتالیونے دیوانوں کی طرح چلایا ۔ اور تالیاں بجاتے ہوئے جھاڑیوں سے کبوتر کی طرح نکل آیا ۔ ڈاکٹر، جو ذرا ہٹ کر ایک گرے ہوئے درخت کے تنے پر بیٹھا تھا فوراً ہی اٹھا، صراحی کا پانی بہایا اور سست سست قدم اٹھاتے ہوئے جنگل کے کنارے کی طرف چلنے لگا ۔

«لاج رہ گئی — اور ڈوئل ختم ہوا!» فون رختر نے اعلان کیا۔

«Fuori!» پنتالیونے ایک بار پھر چلایا اور اس کا ذہن ماضی کی طرف مڑ گیا۔

افسروں کو جھک جھک کر خدا حافظ کہنے کے بعد اور گاڑی میں بیٹھنے کے بعد، سانن کو اپنے پورے وجود میں ایک سنسنی کی لہر دوڑتی ہوئی معلوم ہوئی۔ یہ سنسنی ٹھیک ٹھیک راحت کی سنسنی تو نہیں تھی لیکن یہ ایک ایسے آرام کا احساس ضرور تھا جو آدمی اپریشن کے بعد محسوس کرتا ھے۔ لیکن ساتھہ ھی اس میں ایک اور احساس جاگ اٹھا، ایک ایسا احساس جو شرمند گی کے احساس سے ملتا جلتا تھا۔ ابھی ابھی اس نے جس مقابلے میں حصہ لیا تھا وہ اس کو بالکل فضول نظر آیا — ایک قسم کے عام سرکاری فرض کی ادائیگی ایک طالبعلم افسر والا معاملہ۔ اس کو وہ ٹھس ڈاکٹر یاد آیا، اسے اس کی مسکراھٹ یاد آئی اور سانن اور بارن فون دون ہوف کو قریب قریب ایک دوسرے کے ھاتھہ میں ھاتھہ ڈالے جنگل سے نکلتے دیکھہ کر اس نے جس طرح اپنی ناک سکیڑی تھی، وہ منظر یاد آیا — اور وہ منظر جب بعد میں پنتالیونے نے ڈاکٹر کو ضابطے لے کے مطابق چار چروونتسی ادا کئے۔ . . آخ! ان سب چیزوں میں کوئی ناخوشگوار بات ضرور تھی!

ھاں، سانن نے خود کو کچھہ شرمندہ اور قصوروار ضرور محسوس کیا — لیکن وہ آخر کر بھی کیا سکتا تھا؟ وہ اس نوجوان گستاخ

افسر کو اس کی گستاخی کا مزا چکھائے بنا چھوڑ کیسے سکتا تھا — وہ ھیر کلیوبر کے نقش قدم پر تو نہیں چل سکتا تھا — وہ تو جیما کی حفاظت کے لئے سینہ سپر آگے بڑھا تھا... بالکل ٹھیک! پھر بھی اس کی روح میں ایک بے چینی تھی اور وہ خود کو نادم اور گنہگار سا محسوس کر رہا تھا —

جہاں تک پنتالیونے کا تعلق ھے وہ تو غازی بنا ھوا تھا — یکایک اس میں غرور پیدا ھو گیا تھا جیسے ایک فاتح جنرل جو ابھی ابھی میدان کارزار سر کرکے لوٹ رہا ھو — اس کا چہرہ دلی طمانیت سے جتنا دمک رہا تھا اس سے زیادہ دمکنے کی اس میں گنجائش نہ تھی — ڈوئل کے دوران میں سانن کے رویے نے اس کو جوش و خروش سے بھر دیا تھا — اس نے سانن کو ایک ھیرو کا خطاب دیا اور اس پر نہ تو ڈانٹ کا اثر ھوا اور نہ التجاؤں کا — اس نے اس کی تشبیہ مرمر یا تانبے کے مجسمے اور «ڈون جوان» میں کمانڈر کے مجسمے سے دی — اپنے بارے میں اس نے اعتراف کیا کہ اس کے دل میں کچھ ھول سا پیدا ھو گیا تھا — «لیکن میں ایک فنکار ھوں، سمجھے، میرا مزاج ھی ھیجانی ٹھہرا اور تم تو برف زاروں اور آھن پیکر پہاڑوں کے بیٹے ھو — »

سانن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر جوش میں بھرے ھوئے اس اداکار کو کس طرح رام کرے —

سڑک پر، قریب قریب ٹھیک اسی جگہ جہاں دو گھنٹے پہلے ایمیل ملا تھا، ایک درخت کے پیچھے سے خوشی کی چیخیں مارتا ھوا وہ دوبارہ اچھل کر سامنے آ گیا اور اپنی ٹوپی ھلاتا ھوا

اور ھوا میں اچھلتا ھوا سرپٹ گاڑی کی طرف بھاگا اور پہیوں کے نیچے آتے آتے رھا اور گھوڑوں کے رکنے کا انتظار کئے بغیر گاڑی کے پھاٹک میں لٹک گیا اور سانن پر گر پڑا —

«تم زندہ ھو! تم زخمی تو نہیں ھوئے!» اس نے کہا — «مجھے معاف کرنا — میں نے تمھاری بات نہیں مانی — میں فرانک فرٹ واپس نہیں گیا —— میں جاھی نہ سکا! میں یہاں تمھارا انتظار کرتا رھا... مجھے سارا ماجرا سناؤ — کیا تم نے... اس کو مار ڈالا؟»

سانن کو اسے خاموش کرنے اور بیٹھنے پر مجبور کرنے میں کافی مشکل کا سامنا کرنا پڑا —

پنتالیونے نے دون کی لیتے ھوئے بڑے طمطراق سے اور ڈوئل کی تفصیلات کا نمایاں طور پر لطف اٹھاتے ھوئے، سارا قصہ کہہ سنایا اور ظاھر ھے کہ وہ پھر پیتل کے مجسمے اور کمانڈر کے مجسمے کے ذکر سے باز نہ رہ سکا — واقعہ تو یہ ھے کہ وہ اٹھا اور دونوں پیر چیر کر کھڑا ھو گیا تاکہ توازن قائم رھے اور سینے پر ھاتھ باندھتے ھوئے کندھوں پر سے ایک افسردہ کن نظر سانن پر ڈالی گویا کمانڈر سانن کی نمائندگی کر رھا ھو — ایمیل بالکل بھونچکا ھوکر قصہ سنتا رھا، کبھی کبھی اس کے منہ سے آہ واہ نکل جاتی یا وہ تیزی سے اپنے ھیرو کو چومنے کے لئے اٹھ کھڑا ھوتا —

گاڑی کے پہیئے فرانک‌فرٹ کی سڑکوں پر گھڑگھڑانے لگے اور آخر گاڑی سانن کے ھوٹل کے سامنے رک گئی —

وہ دوسری منزل پر جانے والے زینے پر چڑھہ رہا تھا اور اس کے دو ساتھی اس کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے کہ ایک عورت جس کا چہرہ نقاب سے ڈھکا ہوا تھا، گلیارے کے اندھیرے سے تیزی سے نکلی — وہ ایک لمحے کو سانن کے سامنے رکی، ذرا سی ڈگمگائی، زور سے سانس لی اور بے تحاشا زینے پر سے اترتی ہوئی سڑک پر چلی گئی اور غائب ہوگئی — ویٹر بالکل حیران رہ گیا — اس نے بتایا کہ یہ عوزت کوئی ایک گھنٹے سے اس پردیسی مہمان کے لوٹنے کا انتظار کر رہی تھی — یہ چھلاوا ایک ھی لمحے کے لئے نظروں کے سامنے ابھرا لیکن سانن نے جیما کو پہچان لیا تھا — اس نے اس کی بھوری نقاب کی موٹی ریشم کے نیچے اس کی آنکھیں دیکھہ لی تھیں —

«تو کیا فراؤلین جیما کو معلوم تھا؟ . .» اس نے دکھی آواز میں پوچھا — وہ ایمیل اور پنتالیونے کو مخاطب کرتے ہوئے جرمن میں بولا جو بالکل اس کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے —

ایمیل کے چہرے پر رنگ آ گیا اور اس سے گھبراھٹ ظاھر ہونے لگی —

«مجھے اسے یہ سب کچھہ بتانا پڑا» وہ ھکلا کر بولا «اس نے بھانپ لیا تھا —— اور میں . . . لیکن اب اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا — » اس نے اچانک دمکتے ہوئے کہا — «اور یہ سب اتنی اچھی طرح ختم ہوا اور اس نے دیکھہ لیا کہ تم زندہ اور سلامت ہو!»

سانن نے اس کی طرف پیٹھہ پھیر لی —

«کیسا سہا بکوؤں کا جوڑا ھے یہ!» اس نے کوفت کے ساتھہ کہا اور اپنے کمرے میں چلا گیا اور کرسی پر بیٹھہ گیا —

«مجھه سے خفا نه ھونا» ایمیل نے التجا کرتے ھوئے کہا –

«بہت اچھا، میں خفا نہیں ھونگا – » (سانن واقعی خفا نه تھا — اس لئے که آخرکار وہ یه تو نه چاہ سکتا تھا که جیما کو اس معاملے کے بارے میں کچھه معلوم ھی نه ھو –) «اچھا، اب ھم بہت گلے مل چکے – اب جاؤ – میں تخلیه چاھتا ھوں – میں سوؤنگا – میں تھک گیا ھوں – »

«بہترین خیال ھے!» پنتالیونے بولا – «تمھیں آرام کی ضرورت ھے – نیک دل سینیور، تم نے جان جوکھوں میں ڈال کر یه حق حاصل کیا ھے – چلو ایمیلیو! دبے پاؤں، دبے پاؤں! شی شی شی!»

سانن نے سونے کا بہانه صرف اس لئے کیا تھا که وہ ان دوستوں سے چھٹکارا حاصل کرنا چاھتا تھا – لیکن تنہائی ھوتے ھی اسے اپنے جوڑ جوڑ میں درد اور تھکن کا احساس ھوا – پچھلی رات شاید ھی اس کی آنکھه لگی ھوگی اور اب بستر پر گرتے ھی، اسے خواب خرگوش نے آلیا –

۲۳

وہ کئی گھنٹے بے خبر سوتا رہا – پھر اس نے خواب دیکھا که وہ پھر ڈوئل لڑ رہا ھے – ابکے اس کا حریف ھیر کلیوبر ھے اور یولکا کے درخت پر ایک طوطا بیٹھا ھے – یه طوطا پنتالیونے ھے – وہ بار بار رٹ لگائے جا رہا ھے اور اس کی چونچ بج رہی ھے «ایک — دو — تین!»

اور پھر «ایک — دو — تین» اسے بہت صاف سنائی دی، اتنی صاف که خواب اس کا متحمل نہیں ھو سکتا – اس نے اپنی

آنکھیں کھولیں اور تکیئے سے سر اٹھایا... کوئی دروازے پر دستک دے رہا تھا —

«اندر آ جاؤ!» سانن چلایا —

ویٹر آیا اور بولا کہ ایک عورت اس سے بات کرنے کے لئے بیقرار ہے —

«جیما!» اس کے دماغ میں کوند گیا — لیکن یہ عورت جیما کی ماں نکلی —— فراؤ لینورے —

جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوئی، وہ ایک کرسی میں دھنس گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی —

«پیاری، اچھی سی مادام روسیلی، بات کیا ہے؟» سانن نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اور اس کو نرمی اور محبت سے چھوتے ہوئے کہا — «کیا ہوا؟ میں التجا کرتا ہوں، سنبھالو خود کو —»

«اوہ، Herr Dimitri، میں بہت... بہت دکھی ہوں!»

«تم دکھی ہو؟»

«اوہ بہت! کون سوچ سکتا تھا کہ ایسا ہو جائیگا؟ یکایک ناگہاں بجلی کی طرح...»

وہ زور زور سے سانس لے رہی تھی —

«لیکن بات کیا ہے؟ بتاؤ تو! پانی پیوگی؟»

«نہیں شکریہ —» فراؤ لینورے نے رومال سے آنکھیں خشک کیں اور زیادہ پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا — «میں سب جانتی ہوں! سب!»

«کیا مطلب ہے تمہارا —— سب؟»

«آج جو کچھه هوا هے — اور اس کی وجه —— میں یه بھی جانتی هوں — تم نے ایک بڑے دل والے آدمی کی طرح اپنا فرض ادا کیا — لیکن صورت حال کتنی بری هے! میں بیکار هی —— سودن کی سیر کے خلاف نہیں تھی —— بے وجه نہیں!» (فراؤ لینورے نے سیر والے دن یه نہیں کہا تھا لیکن اب اس کو پکا یقین تھا که اس نے «سب کچھه» پہلے هی بھانپ لیا تھا —) «اور اب اس وقت تمہارے پاس، ایک باعزت آدمی اور دوست سمجھه کر آئی هوں — گرچه میں تمہیں صرف پانچ دن سے جانتی هوں. . . لیکن تم جانتے هو، میں ایک بیوه هوں! اکیلی هوں. . . میری بیٹی. . .»

فراؤ لینورے کی آواز آنسوؤں سے گھٹی هوئی تھی — سانن کی کچھه سمجھه میں نہیں آ رها تھا — «تمہاری بیٹی؟» اس نے دهرایا —

«میری بیٹی جیما» آنسوؤں میں شرابور رومال کے پیچھے سے فراؤ لینورے کی کراهتی هوئی آواز آئی —— «اس نے مجھه سے آج کہا که وه هیر کلیوبر سے شادی نہیں کریگی — اس نے مجھه سے کہا که میں هیر کلیوبر کو یه بتا دوں!»

سانن ذرا چونک گیا —— اسے اس کی توقع نہیں تھی —

«میں ذلت کے بارے میں کچھه نہیں کہتی» فراؤ لینورے نے اپنی بات جاری رکھی «حالانکه کاهیکو کسی نے سنا هوگا که ایک لڑکی نے اپنے منگیتر کو یوں ٹھکرا دیا؟ لیکن یه تو هماری تباهی هوگی، Herr Dimitri !» فراؤ لینورے نے جلدی جلدی رومال کو دبا کر گیند بنائی جیسے وه اپنا سارا غم اس میں دبا دینے پر تلی هوئی هو — «هیر دمتری اب هم اپنی دوکان کی آمدنی پر گزارا نہیں

کر سکتے — اور ھیر کلیوبر بہت دولت مند ھے اور وہ زیادہ سے زیادہ دولت مند بنتا جائیگا — اور اسے ٹھکرایا کیوں جائے؟ صرف اس لئے کہ وہ اپنی منگیتر کی حفاظت میں کھڑا نہیں ہوا؟ ھاں کوئی اچھی بات تو نہیں —— لیکن، بہرحال وہ فوجی آدمی تو ھے نہیں، اس نے یونیورسٹی میں تعلیم نہیں پائی ھے اور اس کے جیسا ایک معزز تاجر کسی گمنام ادنی افسر کی احمقانہ بات کو نفرت سے نظر انداز کر سکتا ھے — اور پھر کیا یہ اتنا بڑا جرم تھا؟»

«معاف کرنا، فراؤ لینورے —— مجھے ایسا لگتا ھے کہ تم مجھہ پر الزام دھر رھی ھو...»

«میں تم پر کسی بات کا الزام نہیں دھرتی — تم بالکل مختلف ھو —— تمام روسیوں کی طرح تم ایک فوجی آدمی ھو...»

«معاف کرنا — میں فوجی آدمی نہیں ھوں...»

«تم پردیسی ھو، مہمان ھو، میں تمہاری احسان مند ھوں» سانن کی بات سنی ان سنی کرتے ھوئے فراؤ لینورے نے اپنی باتوں کا سلسلہ جاری رکھا — اس نے زور زور سے بھاری بھاری سانس لی، ھاتھہ سے اشارے کئے، اپنا رومال کھول کر برابر کیا اور اپنی ناک صاف کی — وہ جس طرح اپنے رنج و غم کا اظہار کر رھی تھی، اس سے صاف ظاھر تھا کہ وہ شمالی آسمان کے نیچے نہیں پیدا ھوئی تھی —

«اور اگر وہ اپنے گاھکوں سے لڑتا پھرے تو ھیر کلیوبر کاؤنٹر کے پیچھے کھڑا ھوکر اپنا دھندا کیسے چلائے؟ ایسا کبھی کاھیکو سنا ھوگا! اور اب میں یہ کہوں اس سے کہ تم کو ٹھکرا دیا گیا ھے — اور ھم گزارہ کس پر کریں؟ پہلے ھم ھی اکیلے انجل کیک

اور پستے والا نوگات بنایا کرتے تھے، اور ھمارے گاھک بہتیرے تھے – لیکن اب تو ھر شخص انجل کیک بنا لیتا ھے – اور ذرا سوچو —— اس کے علاوہ تمھارے ڈوئل کے بارے میں شہر بھر میں عجیب عجیب چہ میگوئیاں ھونگی —— اس قسم کی چیز کو چھپایا نہیں جا سکتا – اور پھر یکایک منگنی توڑ دی جائے! یہ تو بڑی بدنامی کی بات ھے، بدنامی ھے بدنامی ! جیما بڑی اچھی لڑکی ھے، وہ مجھے بہت چاھتی ھے، لیکن وہ ایک ضدی رپبلکن ھے اور عام لوگوں کی رائے کو نفرت سے دیکھتی ھے – تم ھی اسے سمجھا بجھا سکتے ھو!»

سانن کو اور بھی حیرت ھوئی –

«میں، فراؤ لینورے؟»

«ھاں، تم صرف تم! میں اسی لئے تمھارے پاس آئی ھوں —— اس کے علاوہ مجھے اور کوئی راستہ نظر نہ آیا – تم اتنے دوراندیش ھو، اتنے اچھے ھو – تم اس کے آڑے آئے – وہ تمھارا کہنا مانیگی – وہ ضرور تمھاری باتوں پر یقین کریگی ! تم نے اس کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دی – تم اسے قائل کر سکتے ھو —— میں کہہ کہہ کر ھار گئی —— تم خود کو اور ھم سب کو تباہ کردوگی – تم نے میرے بیٹے کو بچایا ھے – اب میری بیٹی کو بچاؤ! تمھیں پاک پروردگار نے بھیجا ھے یہاں . . . میں تمھارے قدموں پرگرکر تمھاری منت کرنے کو تیار ھوں . . . »

اور فراؤ لینورے اپنی کرسی سے کچھہ اس طرح اٹھی جیسے وہ سانن کے قدموں پر گرنا چاھتی ھو . . . سانن نے اس کو روکا –

«فراؤ لینورے ! خدا کےلئے ! تم کیا کر رھی ھو؟»

اس نے زور سے اس کے ھاتھوں کو تھامتے ھوئے کہا «تو تم وعدہ کرتے ھو؟»

«ذرا سوچو تو فراؤ لینورے — میں کیوں کر؟ . .»

«وعدہ کرتے ہونا؟ کیا تم چاہتے ہو کہ میں اسی آن تمہارے قدموں پر گرکر دم توڑ دوں؟»

سانن کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے، اس سے پہلے اس نے اطالوی مزاج کو یوں کھل کھیلتے نہ دیکھا تھا —

«جو چاہوگی میں کرونگا!» وہ بولا «میں فراؤلین جیما سے بات کرونگا. . .»

فراؤ لینورے خوشی سے چیخ اٹھی —

«لیکن میں واقعی جانتا نہیں اس کا نتیجہ کیا نکلیگا. . .»

«اوہ انکار نہ کرو، انکار نہ کرو!» فراؤ لینورے نے التجا کی — «تم نے وعدہ کیا ہے — اس کا نتیجہ اچھا ہی نکلیگا، مجھے یقین ہے — بہرحال اس سے زیادہ میں کچھہ کر بھی نہیں سکتی — وہ میری بات پر کان نہیں دھریگی!»

«کیا اس نے تم سے سیدھے سیدھے یہ کہا ہے کہ وہ ہیر کلیوبر سے بیاہ نہیں کریگی؟» سانن نے ذرا رکتے ہوئے کہا —

«وہ دوٹوک انکار کرتی ہے — وہ ٹھیک اپنے باپ کی طرح ہے، گیوان بتستا کی طرح — بالکل دماغ چلا ہوا ہے اس کا!»

«جیما کا دماغ چلا ہوا ہے! جیما کا؟» سانن نے آہستہ سے دھرایا —

«لیکن وہ ایک فرشتہ بھی ہے — وہ تمہارا کہنا مانیگی — کیا تم آؤگے — جلدی آؤگے؟ جلدی؟ میرے پیارے روسی دوست!» فراؤ لینورے جذبات سے بھری ہوئی کرسی سے اٹھی اور اسی طرح جذبات کے ساتھہ اس کے گلے میں ہاتھہ ڈال دئے اور سانن کا سر

چوم لیا — «ایک ماں کی دعائیں قبول کرو —— اور ذرا ایک گلاس پانی دو مجھے !»

سانن مادام روسیلی کے لئے ایک گلاس پانی لایا — اس نے اپنی عزت کی قسم کھائی کہ وہ فوراً ھی اس کے گھر آئیگا — وہ اس کو زینے کے نیچے جا کر سڑک تک چھوڑنے گیا، واپس اپنے کمرے میں آیا اور وھاں حواس باختہ کھڑا کھڑا یونہی گھورتا رہا —

«معلوم ھوتا ھے کہ اب حالات کسی انتقامی جذبے کے تحت کروٹ لینے لگے ھیں!» اس نے دل میں کہا «اور اتنی تیز رفتاری سے کہ میرا سر چکرانے لگا ھے —» اس نے اپنے دل میں جھانک کر دیکھنے کی بھی کوشش نہیں کی — یہ تو معلوم ھوتا کہ دل پر کیا بیت رھی ھے — اسے صرف اتنا معلوم تھا کہ ھر چیز گڈمڈ ھو رھی ھے — «کیسا دن ھے، کیسا دن !» اس کے ھونٹوں سے بےارادہ یہ الفاظ پھوٹے — «کیا وہ ایک بگڑے دل لڑکی ھے؟ وہ؟ خود اس کی ماں نے یہی کہا —— اور مجھے اس کو مشورہ دینا ھے —— اس کو صلاح دینی ھے! اور کیا خوب صلاح ؟ !»

سانن کا سر واقعی چکرا رھا تھا اور تمام احساسات، تاثرات، اور ان کہے خیالات کے طوفان میں سب سے بلند، سب پر چھایا ھوا جیما کا تصور تھا —— وہ تصور جو اس گرم اور بجلی بھری رات میں، اس کے دماغ پر امٹ طور پر نقش ھو گیا تھا —— وہ چہرہ جو اندھیری کھڑکی سے جگمگاتے ستاروں کی مدھم مدھم روشنی میں جھانک رھا تھا —

سانن جھجکتے قدموں سے مادام روسیلی کے گھر کے قریب پہنچا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا ۔ وہ دل کو صاف پسلیوں سے ٹکراتے ہوئے محسوس کر رہا تھا — وہ تو اس کی آواز بھی سن سکتا تھا — آخر جیما سے کیا کہے؟ اس سے کس طرح بات کرے؟ وہ دوکان کی طرف سے نہیں بلکہ پچھواڑے والے دروازے سے اس گھر میں داخل ہوا — باہر کی طرف والے چھوٹے سے کمرے میں اس کی ملاقات فراؤ لینورے سے ہوئی — وہ اسے دیکھتے ہی بہ‌یک وقت کھل بھی اٹھی اور ڈر بھی گئی —

«میں تمہارا انتظار ہی کر رہی تھی» اس نے باری باری سے اپنے دونوں ھاتھوں سے اس کا ھاتھه دباتے ہوئے سرگوشی کی آواز میں کہا — «جاؤ باغ میں، جاؤ — وہ وھیں ھے — یاد رھے —— میں تم پر بھروسه کرتی ھوں !»

سانن باغ کے اندر گیا —

جیما راستے کے کنارے ایک بنچ پر بیٹھی تھی — وہ ایک بڑی سی ٹوکری سے خوب پکی پکی چیریاں چن رہی تھی اور ان کو ایک پلیٹ میں سجا رہی تھی — سورج بہت نیچے آگیا تھا — کوئی سات بجے شام کا وقت ہوگا —— سورج کی جو کرنیں مادام روسیلی کے چھوٹے سے باغ پر کھیل اور دوڑ رہی تھیں ان کا رنگ سنہرا کم، ارغوانی زیادہ تھا — باربار پتے سرگوشی کرتے تھے، اتنا دھیرے دھیرے کہ کچھه سنائی نہ دے اور شام کے بڑھتے ہوئے اندھیرے میں منزل سے بھٹک جانے والی شہد کی مکھیاں ایک پھول سے دوسرے

پھول پر اڑکر جا رہی تھیں اور اٹوٹ نغمہ بکھیر رہی تھیں اور ایک اکیلی فاختہ ایک ہی انداز سے بےتکان کوکے چلی جا رہی تھی —

جیما کے سر پر وہی بڑی سی ہیٹ تھی جو اس نے سودن جاتے ہوئے پہن رکھی تھی — اس نے اس کے جھکے ہوئے چھجے کے نیچے نیچے سانن کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور ایک بار پھر ٹوکری پر جھک گئی —

سانن جیما کے پاس آیا اور غیر ارادی طور پر اس کا ہر نیا قدم پچھلے قدم سے چھوٹا ہوتا جا رہا تھا —— اور . . . اور اور اس وقت اس کی سمجھہ میں یہ پوچھنے کے سوا اور کوئی خیال نہ آیا کہ وہ چیریاں کیوں چن رہی ہے؟

جیما نے اس کا جواب دینے میں کچھہ وقت لیا —

«وہ —— جو سب سے پکی ہوئی ہیں —— » آخر اس کے منہ سے نکلا «جیم کے کام آئینگی اور یہ میٹھے سموسوں کے لئے ہیں — جانتے ہو ہم میٹھے سموسے بیچتے ہیں — »

ان الفاظ کے ساتھہ جیما اور بھی زیادہ جھک گئی اور اس کا دایاں ھاتھہ جس میں ایک جڑواں چیری تھی، پلیٹ اور ٹوکری کے درمیان ہوا میں معلق ہو گئی —

« کیا میں تمہارے پاس بیٹھہ سکتا ہوں؟»

«بیٹھہ سکتے ہو» جیما نے بنچ پر ذرا سا پہلو بدلا — سانن اس کے پاس بیٹھہ گیا — «کس طرح شروع کروں؟» اس نے خود سے پوچھا — لیکن جیما نے اس کو سہارا دیا —

«تم آج ایک ڈوئل لڑے؟» اس نے اپنا خوبصورت چہرہ بالکل اسکی طرف پھیرتے ہوئے جو گھبراھٹ سے گلابی ہو رہا تھا، بڑے

چاؤ سے پوچھا — اور اس کی آنکھوں میں ممنونیت کے کیسے بےپناہ جذبات چمک رہے تھے! «تم کتنے مطمئن ہو! مجھے ایسا لگتا ھے کہ تمہارے لئے خطرہ کوئی چیز نہیں —»

«اوہ چھوڑو بھی! میرے لئے کوئی خطرہ نہ تھا — چلو سارا قصہ نبٹ گیا اور ہلدی لگی نہ پھٹکری —»

جیما نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی انگلی ہلائی — جو ایک اور اطالوی انداز تھا — «نہیں نہیں! یہ نہ کہو! تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتے! پنتالیونے نے مجھے سب کچھ بتا دیا ھے!»

«اور تم نے اس پر یقین کر لیا — کیا اس نے میرا مقابلہ کمانڈر کے مجسمے سے کیا؟»

«اس کا انداز گفتگو مضحکہ خیز ہو سکتا ھے لیکن اس کے احساسات میں یا جو کچھ آج تم نے کیا ھے اس میں کوئی مضحکہ خیز بات نہیں — اور یہ سب میری خاطر... میرے لئے... میں اسے کبھی نہیں بھولونگی —»

«میں تمھیں یقین دلاتا ہوں فراؤلین جیما...»

«میں اسے کبھی نہیں بھولونگی» اس نے پوری قطعیت سے دھرایا اور ایک بار پھر اسے غور سے دیکھا اور منہ پھیر لیا —

اب اس نے اس کے چہرے کا ایک رخ دیکھا، اس کے نازک اور دل کش خد و خال دیکھے اور دل ھی دل میں بولا کہ اس نے کبھی ایسا حسن کاھیکو دیکھا ہوگا اور نہ کبھی اس نے وہ سب کچھ محسوس کیا تھا جو اس وقت محسوس کر رھا تھا — اس کی روح میں شعلے بھڑک رہے تھے —

«اور میرا وعدہ!» اس کے ذہن میں یہ خیال کوند گیا —

«فراؤلین جیما. . .» اس نے ایک لمحے کی جھجک کے بعد پھر شروع کیا ــ

«ھاں؟»

وہ اس کی طرف نہیں مڑی بلکه پکی ھوئی چیریاں چنتی رھی ــ وہ اپنی انگلیوں کی پوروں سے ان کی ڈنٹھل کو بڑی احتیاط سے پکڑتی اور بڑی توجه سے ان کی پتیوں کو اٹھاتی . . . لیکن اس ایک لفظ «ھاں» میں کتنا رازونیاز، کتنی محبت بھری ھوئی تھی !

«کیا تمھاری ماں نے ــــ کچھه نہیں کہا ؟»

«کس چیز کے بارے میں؟»

«میرے بارے میں؟»

جیما نے یکایک وہ چیریاں جو ابھی اٹھائی تھیں واپس ٹوکری میں پھینک دیں ــ

«کیا وہ تم سے کچھه کہه سن رھی تھیں؟» جیما کی باری آئی تو اس نے پوچھا ــ

«ھاں ــ»

«کیا کہا انہوں نے تم سے ؟ »

«انہوں نے مجھے بتایا که تم نے یکایک. . . اپنا پہلا اراده بدل دیا ھے ــ»

جیما نے پھر اپنا سر جھکا لیا ــ ایسا لگا که وہ اپنی ھیٹ کے چھجوں کے نیچے غائب ھوتی چلی جا رھی ھے ــ صرف اس کی گردن نظر آ رھی تھی جو کسی بڑے سے پھول کی ڈنٹھل کی طرح نازک اور کومل تھی ــ

«کیسا اراده؟»

«تمہارا ارادہ . . . اپنے مستقبل کے بارے میں . . .»

«تمہارا مطلب ھے . . . تم ھیر کلیوبر کا ذکر کر رھے ھو؟»

«ھاں —»

«ممی نے تمہیں بتایا کہ میں ھیر کلیوبر کی بیوی بننا نہیں چاھتی؟»

«ھاں —»

جیما بنچ پر ذرا کھسک گئی — ٹوکری چکرائی اور گر گئی . . . چند چیریاں راستے پر لڑھکتی چلی گئیں — ایک لمحہ بیتا، پھر دوسرا . . .

«آخر انہوں نے یہ سب تم سے کیوں کہا؟» جیما کی آواز آئی —

اب بھی سانن کو جیما کی گردن کے سوا اور کچھہ نظر نہ آ رھا تھا — اس کے سینے کا زیر و بم تیز ھو گیا تھا —

«کیوں کہا مجھہ سے؟ تمہاری ماں نے کہا کہ چونکہ میں اور تم اتنی جلدی دوست بن گئے ھیں، اور تم کو مجھہ پر کچھہ بھروسہ ھے اس لئے میں تمہیں کوئی اچھا مشورہ دے سکونگا ——اور تم میری بات مانو گی —»

جیما کے ھاتھہ خاموشی سے اس کی گود میں گر گئے . . . اور اس کے لباس کی شکنوں سے کھیلنے لگے —

«تم مجھے کیا مشورہ دیتے ھو monsieur Dimitri؟» اس نے ذرا رک کر پوچھا —

سانن نے دیکھا کہ جیما کے ھاتھہ اس کی گود میں تھر تھرا رھے ھیں — وہ اس تھرتھراھٹ کو چھپانے کے لئے کپڑے کی شکنوں سے کھیل

رهی تھی — اس نے بڑی نرمی سے اپنا ھاتھہ ان زرد تھرتھراتے ہوئے ھاتھوں پر رکھہ دیا —

«جیما» اس نے کہا «تم میری طرف کیوں نہیں دیکھتیں؟»

یکایک اس نے اپنی ھیٹ پیچھے گرا دی اور آنکھیں اس پر گاڑ دیں، پہلے کی طرح، اتنی ھی پر اعتماد اور احسان مند آنکھیں — وہ اس کے بولنے کا انتظار کر رھی تھی —— لیکن اس کے چہرے کو دیکھہ کر وہ بہ‌یک وقت کچھہ بوکھلا بھی گیا اور اس کی آنکھوں میں چکا چوند سی بھی مچ گئی — شام کے سورج کی گرم کرنیں اس کے شاداب چہرے کو دمکا رھی تھیں اور اس چہرے سے جذبات کا جو نور چھن رھا تھا وہ خود دھوپ سے زیادہ روشن اور تابناک تھا —

«میں تمہارا مشورہ قبول کرونگی monsieur Dimitri» اس نے بہت ھلکی، بہت ھلکی مسکراھٹ کے ساتھہ اپنی بھوؤں کو بہت ذرا سا اوپر اٹھاتے ہوئے کہا «لیکن میرے لئے تمہارا کیا مشورہ ھے؟»

«مشورہ؟» سانن نے دھرایا «دیکھو، تمہاری ممی کا خیال ھے کہ ھیر کلیوبر کو صرف اس لئے ٹھکرا دینا کہ اس دن اس نے کوئی خاص بہادری کا مظاھرہ نہیں کیا . . .»

«صرف اس لئے؟» جیما جھکتے ہوئے اور ٹوکری کو اٹھا کر اپنے پاس رکھتے ہوئے بڑبڑائی —

« . . . اور یہ کہ . . . عام نقطۂ نظر سے —— اس کو اس وجہ سے ٹھکرانا معقول بات نہ ھوگی — اور تمہارے لئے یہ مناسب ھوگا کہ اس قسم کا قدم اٹھانے سے پہلے ذرا تول لو کہ اس کے نتائج کیا ھونگے — اور آخر میں یہ کہ تمہارے گھر کی صورت حال خاندان کے ھر فرد پر کچھہ فرض عائد کرتی ھے —»

«یه سب ممی کا خیال ہے» جیما نے بیچ میں کہا «یہ ان کے الفاظ ھیں — مجھے یہ سب معلوم ہے — لیکن تمہاری کیا رائے ہے؟»

«میری رائے؟» سانن خاموش ھو گیا — اسے لگا کہ گلے میں کوئی چیز پھنس رہی ہے اور سانس لینا بھی دوبھر ہے — «میں بھی سمجھتا ھوں. . .» اس نے کوشش کرتے ہوئے کہا —

جیما نے خود کو سمیٹا — «تم بھی ؟ تم؟»

«ھاں. . . میرا مطلب ہے. . .» سانن کچھہ نہ کہہ سکا — واقعی اس کے منہ سے ایک لفظ نہ نکل سکا —

«اچھا» جیما بولی — «اگر تم، میرے دوست کی حیثیت سے مجھے اپنا فیصلہ بدلنے کا مشورہ دیتے ہو — یعنی مجھے اپنا پہلا فیصلہ نہ بدلنے کا مشورہ دیتے ہو تو — پھر میں اس پر سوچونگی — » بےخیالی میں اس نے پلیٹ سے چیریوں کو اٹھا اٹھا کر ٹوکری میں رکھنا شروع کر دیا. . . «ممی سمجھتی ھیں کہ میں وھی کرونگی جو تم کہوگے. . . بہت اچھا — شاید میں واقعی ایسا ھی کروں. . .»

«لیکن، فراؤلین جیما، پہلے وہ وجوہ جاننا چاھتا ھوں جو تمہیں مجبور کر رھی ھیں کہ. . .»

«جو تم کہوگے میں وھی کرونگی» جیما بولی اور اس کی بھویں جڑ گئیں، اس کے گال زرد ھو گئے اور وہ نچلا لب چبانے لگی۔ «تم نے میرے لئے اتنا کچھہ کیا ہے کہ تمہاری مرضی پوری کرنے پر مجبور ھوں — مجھے تمہاری خواھش پوری ھی کرنی پڑیگی — میں ممی سے کہہ دونگی. . . میں اس پر سوچونگی — اوہ ،وہ تو خود ھی ادھر آ رھی ھیں — »

واقعی فراؤ لینورے گھر کے اس دروازے پر دکھائی دی جو باغ میں کھلتا تھا — اس کے صبر کا پیمانہ چھلک رہا تھا — اب وہ خاموش نہیں بیٹھہ سکتی تھی — اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ سانن کب کا اپنی بات ختم کر چکا ہوگا حالانکہ بات چیت شروع ہوئے ابھی پندرہ منٹ ھی ہوئے تھے —

«نہیں، نہیں، نہیں، خدا کے لئے ابھی ان سے کچھہ مت کہنا، کچھہ بھی نہیں!» سانن نے جلدی جلدی التجا کی، جیسے کسی خوف نے آدبوچا ہو — «ٹھہرو... میں تم سے کہونگا، میں تم کو لکھونگا... اور اس وقت تک کوئی فیصلہ نہ کرو... انتظار کرو!»

اس نے جیما کا ہاتھہ دبایا اور بنچ سے اٹھہ کھڑا ہوا، فراؤ لینورے حیران و پریشان سی کھڑی تھی — اس کے پاس سے وہ اپنی ہیٹ اٹھاتا ہوا اور منہ ھی منہ میں کچھہ کہتا ہوا گزر گیا —— اور غائب ہو گیا —

فراؤ لینورے اپنی بیٹی کے پاس گئی —

«خدا کے لئے بتاؤ جیما...»

جیما یکایک اٹھی اور اپنی ماں سے لپٹ گئی — «پیاری ممی، کیا تم کچھہ اور انتظار کر سکتی ہو، بس ذرا سا اور؟ کل تک؟ انتظار کروگی نا؟ اور کل تک کوئی بات منہ سے نہ نکالو —— اوہ!»

یکایک وہ خود اپنے چمکتے ہوئے آنسوؤں میں شرابور ہو گئی اور لگتا تھا کہ وہ خود ان آنسوؤں پر حیران ھے — فراؤ لینورے کو سب سے زیادہ اس بات پر تعجب تھا کہ جیما کے چہرے پر ذرا بھی اداسی نہ تھی، بلکہ اس سے توخوشی پھوٹ رہی تھی —

«کیا ہوا ھے تم کو؟» اس نے پوچھا — «تم کبھی روتیں نہیں —— اور یکایک...»

«یہ کچھہ بھی نہیں ممی، کچھہ بھی نہیں — بس ذرا سا رک جاؤ! ہم دونوں کو انتظار کرنا چاہئے — کل تک مجھہ سے کچھہ نہ پوچھو —— اور آؤ ہم سورج چھپنے سے پہلے پہلے چیریاں چن لیں —»

«لیکن تم سمجھہ بوجھہ سے کام لوگی نا؟»

«اوہ میں بہت ہی معقول لڑکی ہوں!» جیما نے معنی خیز انداز سے سر ہلایا — وہ چیریوں کو اپنے نمتماتے ہوئے سرخ چہرے کے برابر اٹھا کر چھوٹے چھوٹے گچھے بنانے لگی — اس نے اپنے آنسو نہ پونچھے — آنسو اس کے رخساروں پر خشک ہو گئے —

۲۵

سانن قریب قریب دوڑتا ہوا اپنے ہوٹل لوٹا — اس کو لگ رہا تھا بلکہ اس کو یقین تھا کہ صرف وہیں، جب وہ یک و تنہا ہوگا، وہ جان سکیگا کہ اس کے اندر کیا کچھہ ہو رہا ہے — اور ہوا بھی یہی —— اس نے ابھی مشکل سے کمرے میں پہنچ کر میز پر اپنی دونوں کہنیاں ٹکاتے ہوئے اپنا چہرہ ہتیلیوں پر رکھا ہی تھا کہ وہ اداس اور کھوکھلے لہجے میں چیخ اٹھا «میں اس سے محبت کرتا ہوں — میں اس کا دیوانہ ہو رہا ہوں!» اس کے اندر ہر چیز دھک رہی تھی —— اس انگارے کی طرح جس پر سے راکھہ کی تہہ کو ہوا کا جھونکا اڑا لے گیا ہو — ایک چھوٹا سا لمحہ گزرا . . . اور اب اس کی سمجھہ میں نہ آ رہا تھا کہ یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ اس کے پہلو میں بیٹھا، اس سے باتیں کرتا رہا ہو اور محسوس نہ کر سکا ہو کہ وہ اس کو پوجتا ہے، اس کے لباس کے ایک ایک ترپن پر فدا ہے اور (نوجوانوں کے الفاظ میں) «اس کے قدموں میں

گر کر جان دے سکتا ھے »— باغ والی اس ملاقات نے سب کچھه صاف کر دیا— وہ جب اس کے بارے میں سوچتا تو اس کا تصور ستاروں کی روشنی میں بکھرے بالوں کا تصور نہ ھوتا —— اب وہ اسے صرف بنچ پر بیٹھی نظر آتی، جب اس نے یکایک اپنی ٹوپی پیچھے جھٹک دی تھی اور اس کو ایسی اعتماد بھری نظروں سے دیکھا تھا —— اور پھر محبت کا اضطرار، محبت کی پیاس، اس کی رگ رگ میں سرائیت کر گئی— اسے وہ گلاب کا پھول یاد آیا جس کو دو دن سے وہ اپنی جیب میں لئے پھر رھا تھا— اس نے پھول نکالا اور اپنے ھونٹوں کو اتنے زور سے اس پر دبایا کہ خود درد سے تڑپ اٹھا— اب وہ ذرا نہ سوچتا، اب وہ دل ھی دل میں بحث نہ کرتا، غور و فکر نہ کرتا، اور نہ مستقبل کا تصور کرتا— اس نے خود کو ماضی سے کاٹ کر الگ کر لیا تھا اور آگے کی طرف جست لگاتا ھوا بڑھه رھا تھا— اس نے ان زنجیروں کو توڑ دیا تھا جنھوں نے اسے تنہائی اور کنوارپن کی زندگی کے ساحل سے جکڑ رکھا تھا— وہ بے تحاشا پر انبساط، متلاطم اور منہ زور دھاروں میں کود پڑا —— اسے ذرا پروا نہ تھی— نہ وہ خود سے پوچھه رھا تھا کہ یہ منہ زور موجیں اسے کہاں بہائے لئے جا رھی ھیں— کہیں اس کی نازک کشتی کسی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش نہ ھو جائے— یہ اولینڈ کے آلھا کی جذبات پرور لہریں نہیں تھیں جس نے حال میں اس کے دل پر پھایا رکھا تھا . . . یہ روکے نہ رکنے والی منہ زور موجیں تھیں— یہ لہریں دوڑتی رھیں اور ان کے ساتھه ساتھه وہ بہتا رھا—

اس نے کاغذ کا ایک ورق لیا اور—— بغیر کسی دھبے کے اور بغیر قلم روکے یہ سطریں ایک ھی سانس میں لکھه ڈالیں :

«پیاری جیما !

« تم جانتی ہو کہ میں نے تمہیں کیا مشورہ دینے کا بیڑا اٹھایا تھا— تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری ماں کیا چاہتی ہیں اور انہوں نے مجھ سے کیا کرنے کو کہا تھا—— لیکن تم جو نہیں جانتیں اور جو تمہیں بتانے پر اب میں مجبور ہوں، یہ ہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں، دل کے ان تمام جذبات، گرمی اور جوش و خروش کے ساتھ تمہیں چاہتا ہوں— اس طرح پہلے میں نے کسی کو نہیں چاہا— یکایک یہ شعلہ میرے دل میں بھڑک اٹھا ہے لیکن یہ شعلہ اتنی شدت سے بھڑکا ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا— جب تمہاری اماں آئیں اور مجھ سے مدد چاہی تو اس وقت تک یہ شعلہ میرے اندر ہی اندر دھواں دے رہا تھا ورنہ ایک ایمان دار آدمی کی حیثیت سے میں وہ فرض ادا کرنے سے انکار کردیتا جو انہوں نے میرے سپرد کیا تھا... اس وقت میں جو اعتراف کر رہا ہوں وہ ایک ایماندار آدمی کا اعتراف ہے— یہ جاننا اچھا رہتا ہے کہ آدمی کا واسطہ کس سے ہے—— ہرگز کسی قسم کی غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے— دیکھو، میں تمہیں کسی قسم کا مشورہ نہیں دے سکتا... میں تم سے محبت کرتا ہوں، تم سے محبت کرتا ہوں، تم سے محبت کرتا ہوں—— اس کے سوا نہ میرے دماغ میں کچھ ہے اور نہ دل میں—

«د— سانن—»

خط تہہ کرکے اس پر مہر لگانے کے بعد، سانن نے پہلے تو سوچا کہ گھنٹی بجاکر ویٹر کو بلائے اور اس کے ہاتھ خط بھجوا دئے— «نہیں اس سے کام نہیں چلیگا— ایمیل سے لے جانے کے لئے کہا جائے؟ لیکن دوکان میں جانا اور دوسرے کارکنوں کے درمیان

اسے ڈھونڈنا کچھ اتنا ہی بے تکا ہوگا۔ اس کے علاوہ، رات ہو چکی ہے اور غالباً وہ دوکان سے جا چکا ہوگا۔» بہرحال اس طرح سوچتے ہوئے سانن نے اپنی ٹوپی سر پر رکھی اور باہر نکل گیا۔ وہ ایک نکڑ پر مڑا، اس کے بعد دوسرے پر اور جب اسے ایمیل نظر آیا تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ چمڑے کا ایک تھیلا اس کی بغل میں تھا اور ہاتھ میں کاغذ کا پیکٹ۔ یہ جیالا لڑکا تیز تیز قدموں سے گھر کی طرف جا رہا تھا۔

«واقعی یہ کہاوت سچی ہی معلوم ہوتی ہے کہ ہر عاشق کی قسمت کا اپنا ستارہ ہوتا ہے» سانن نے سوچا اور ایمیل کو پکارا۔

لڑکا مڑا اور فوراً اس کی طرف دوڑ پڑا۔

سانن نے اس کو اپنے جذبات کی نمائش کا موقع نہیں دیا۔ اس نے اس کو خط تھمایا اور سمجھایا کہ یہ کس کو دینا ہے اور کس طرح ... ایمیل نے غور سے سنا۔

«کوئی دیکھے نہیں؟» اس نے اپنے چہرے پر گمبھیرتا اور پراسرار کیفیت طاری کرتے ہوئے پوچھا «میں اور تم خوب سمجھتے ہیں کہ یہ کس چیز کے بارے میں ہے!»

«ہاں میرے دوست» سانن بولا۔ وہ کچھ بوکھلایا۔ لیکن اس نے ایمیل کے گال تھپتھپائے۔ «... اور اگر اس کا کوئی جواب دیا جائے گا تو تم میرے پاس لاؤ گے، ضرور لاؤ گے نا؟ میں پورے وقت اپنے کمرے ہی میں ہونگا۔»

«اس کی ذرا فکر نہ کرو!» ایمیل نے چہک کر جواب دیا اور رفوچکر ہوگیا۔ جاتے جاتے وہ مڑ مڑ کر دیکھ رہا تھا اور سر ہلا رہا تھا۔

سانن اپنے کمرے میں گیا اور موم بتی جلائے بغیر اس نے خود کو صوفے پر گرا دیا، اپنے دونوں ھاتھہ سر کے نیچے رکھہ لئے اور خود کو محبت کے ان احساسات کے حوالے کر دیا جن کا اعتراف اس نے ابھی ابھی کیا تھا — ان جذبات کی تشریح کی کوئی ضرورت نہیں — جس کسی نے محبت کی ھے وہ اس کی نرم‌رو شیرینی سے واقف ھے — اور جس نے اس احساس کا تجربہ نہیں کیا اسے یہ بتانا بیکار ھے --

دروازہ کھلا اور ایمیل کا سر اندر داخل ھوا —

«میں لے آیا» اس، نے سرگوشی میں کہا «یہ رھا —— جواب!»

وہ اپنے سر کے اوپر کاغذ کا ایک پرچہ اٹھائے ھوئے تھا —

سانن اپنے صوفے سے اچھلا — اس نے ایمیل کے ھاتھہ سے پرچہ جھپٹ لیا — اس کے جذبات اتنا بپھر چکے تھے کہ اب —— اس لڑکے کے سامنے بھی جو اس لڑکی کا بھائی تھا —— ان جذبات کو چھپانے کی تاب تھی اور نہ شائیستگی کا پاس — اگر اس کے بس میں ھوتا تو محض دکھانے کو ھی سہی وہ ضرور رکھہ رکھاؤ سے کام لیتا اور خود کو سنبھالتا —

وہ کھڑکی پر گیا اور اس نے ھوٹل کے سامنے سڑک کے لیمپ کی روشنی میں یہ سطریں پڑھیں:

«میں التجا کرتی ھوں، میں منت کرتی ھوں —— کل دن بھر تم ھمارے گھر نہ آنا، کہیں نظر نہ آنا — یہ میرے لئے ضروری ھے —— بالکل لازمی — بعد میں سب طے ھو جائیگا — میں جانتی ھوں تم مجھہ سے انکار نہیں کروگے کیونکہ...

«جیما —»

سانن نے یہ خط دوبارہ پڑھا —— اس کی لکھائی اس کو کتنی پیاری، کتنی زیادہ خوبصورت معلوم ہو رہی تھی! پھر، ایک لمحہ سوچنے کے بعد وہ ایمیل کی طرف مڑا اور زور سے اس کا نام لے کر پکارا — ایمیل، یہ دکھانے کے لئے کہ وہ ایک معاملہ فہم نوجوان ھے دیوار کی طرف منه کرکے کھڑا دیوار کرید رہا تھا — اپنا نام سن کر فوراً وہ دوڑتا ھوا اس کے پاس آیا —

«کہو تمہارے لئے میں کیا کر سکتا ھوں؟»

«سنو میرے دوست! کیا تم . . .»

«موسیو دمتری !» ایمیل نے التجا آمیز انداز میں اس کی بات کاٹی — «تم مجھے "تو" کیوں نہیں کہتے؟»

سانن نے قہقہہ بلند کیا — «اچھا، بہت اچھا! سنو میرے دوست! (ایمیل خوشی سے اچھل پڑا) کیا تم کسی سے یہ کہه سکتے ھو — تم سمجھه گئے میری مراد کس سے ھے —— کہ سب کچھه ویسا ھی ھوگا جیسا وہ چاھتی ھے — (ایمیل نے اپنے ھونٹ بھنچ لئے اور اپنا سر ھلایا) اور تم . . . تم کل کیا کر رہے ھو؟»

«میں؟ تم کیا چاھتے ھو، میں کیا کروں؟»

«اگر ممکن ھو تو کل صبح سویرے تم میرے پاس آؤ ھم فرانکفرٹ کے آس پاس ذرا سیر کرینگے — کہو کیسا رھیگا؟»

ایمیل پھر خوشی سے اچھل پڑا — «میں بھی یہی سوچتا ھوں! اس سے بہتر اور کیا ھو سکتا ھے؟ تمہارے ساتھه سیر کو جانا —— کیوں اس سے بڑا معجزہ اور کیا ھو سکتا ھے — بےشک میں ضرور آؤنگا!»

«اور مان لو وہ تمہیں نہ آنے دیں تو؟»

«ارے وہ آنے کیوں نہ دینگی!»

«سنو... نہ کہنا... تم جانتے ہو کس سے... کہ میں نے تمہیں دن بھر کو بلایا ہے—»

«میں کیوں کہتا بھلا؟ میں یونہی تمہارے ساتھہ چلونگا— اس میں رکھا ہی کیا ہے—»

ایمیل نے بڑے شوق سے سانن کو پیار کیا اور چل دیا—

سانن دیر تک کمرے میں ٹہلتا رہا اور بہت رات گئے سویا— اس نے پھر خود کو اپنے دل میں اٹھتی ہوئی میٹھی میٹھی کسک کے سپرد کر دیا، اس نے خود کو دل کے میٹھے میٹھے درد کے حوالے کر دیا— آنےوالی نئی زندگی کے تصور سے اسے مسرت بھی ہو رہی تھی اور ڈر بھی لگ رہا تھا— سانن اس خیال سے انتہائی خوش ہو رہا تھا کہ اس نے کل پورے دن کے لئے ایمیل کو اپنے پاس بلا لیا تھا— وہ اپنی بہن سے بہت ملتا تھا— «وہ مجھے اپنی بہن کی یاد دلائیگا» سانن نے اپنے آپ سے کہا—

لیکن ایک سوال اس کے دماغ پر سب سے زیادہ چھایا ہوا تھا— کل وہ جو کچھہ تھا اس کے مقابلے میں آج وہ بالکل دوسرا آدمی کیوں کر بن گیا تھا؟ اسے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ تو ہمیشہ سے جیما کی محبت میں گرفتار تھا —— اور ہمیشہ جیما سے اسے اتنی ہی محبت تھی جتنی کہ آج—

۲٦

اگلی صبح، آٹھہ بجے ایمیل تارتالیا کو ڈوری سے باندھے ہوئے، سانن کے کمرے کے سامنے آن دھمکا— اس کے ماں باپ جرمن ہوتے جب بھی وہ وقت کا اتنا پابند نہ ہو سکتا تھا— اس نے

گھر پر جھانسہ دیا تھا کہ وہ ناشتے سے پہلے سانن کے ساتھہ ٹہلنے جا رہا ہے اور وہاں سے وہ سیدھا دوکان کی راہ لیگا۔ سانن تو کپڑے بدل رہا تھا اور ایمیل کچھہ سہما سہما سا جیما کے بارے میں، ہیر کلیوبر سے اس کی لڑائی کے بارے میں قصے سنا رہا تھا۔ لیکن سانن نے سختی بھری خاموشی سے کام لیا۔ ایمیل نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ وہ خوب سمجھتا ہے کہ اس اہم مسئلے کا ذکر کیوں نہیں چھیڑا جا سکتا۔ اس نے یہ قصہ خود بخود ختم کر دیا اور اپنے چہرے پر ایک کھوئی کھوئی سی سخت کیفیت پیدا کر لی۔

یہ دوست، اپنی اپنی کافی کی پیالی خالی کرنے کے بعد پیدل ہی ہاؤزن کی طرف چل پڑے۔ یہ چھوٹا سا گاؤں، جو جنگلوں سے گھرا ہوا تھا، فرانکفرٹ سے بہت زیادہ دور نہیں تھا۔ تاؤنوس پہاڑوں کا پورا سلسلہ وہاں سے نظر آتا تھا۔ دن شاندار تھا۔ سورج چمک رہا تھا اور دھوپ میں انہیں چلچلا ہٹ نہیں محسوس ہو رہی تھی۔ ہوا ہری بھری پتیوں میں کھیلتی ہوئی سرسرا رہی تھی۔ دور آسمان کی بلندیوں میں موج در موج تیرتے ہوئے ہوئے بادلوں کے چھوٹے چھوٹے سائے خاموشی اور تیزی سے زمین پر پھسل رہے تھے۔ نوجوانوں نے جلدی ہی شہر کو پیچھے چھوڑ دیا اور تیز تیز اور خوش خوش ہموار اور صاف ستھری سڑک پر چلنے لگے۔ وہ ایک جنگل میں گئے جہاں وہ کچھہ دیر کے لئے چکر لگاتے رہے۔ پھر انہوں نے ایک دیہاتی سرائے میں خوب ڈٹ کر کھانا کھایا۔ اس کے بعد وہ ایک پہاڑ پر چڑھے، نظارے کا خوب لطف اٹھایا اور ڈھلان پر پتھر لڑھکائے اور ان کو

خرگوش کی طرح اچھلتے اور چھلانگ لگاتے دیکھه کر وہ بچوں کی طرح تالیاں بجا بجا کر خوش ھوتے رھے یہاں تک که نیچے سے کسی راہ گیر نے گونجتی گرجتی آواز میں ان کو کوسنا شروع کر دیا — وہ سوکھی ھوئی سرخی مائل زرد کائی سے ڈھکی ھوئی زمین کے ایک چھوٹے سے حصے پر لیٹ گئے — پھر وہ بیئر پینے کے لئے ایک دوسری سرائے میں گئے اور اس کے بعد انھوں نے دوڑ اور چھلانگ لگانے کا ایک دوسرا مقابله کیا — اچانک انھیں صدائے باز گشت سنائی دی اور پھر انھوں نے گیت گا گا کر اور طرح طرح کی آوازیں نکال کر صدائے باز گشت کا لطف اٹھایا — انھوں نے کشتی لڑی، درختوں کی شاخیں توڑیں اور اپنی ٹوپیوں کو فرن سے سجایا —— اور ناچے گائے بھی — تارنالیا نے اپنے بس بھر ان تمام مشغلوں میں حصه لیا — یه ٹھیک ھے که اس نے پتھر نھیں لڑھکائے، مگر وہ ان کے پیچھے دوڑا ضرور، جب یه نوجوان گاتے تو وہ غراتا، یہاں تک که اس نے بیئر سے اپنا گلا بھی ترکیا، حالانکه یه صاف ظاھر تھا که اسے بیئر ذرانه جچ رھی تھی — اس کو یه فن ایک طالبعلم نے سکھایا تھا جو کبھی اس کا مالک تھا — وہ ایمیل کا اتنا فرماں بردار نه تھا جتنا که اپنے مالک پنتالیونے کا اور جب ایمیل نے «بولنے» یا «چھینکنے» کا حکم صادر کیا تو وہ اپنی دم ھلا کر رہ گیا، اس کی زبان منه سے باھر نکل آئی اور اندر کی طرف مڑ گئی —

دونوں نوجوانوں کو بات کرنے کے لئے بہت کافی مساله ھاتھه آ گیا — سیر و تفریح کے شروع میں سانن نے بڑے اور زیادہ دانش مند ھونے کے ناتے «فاتوم» کے موضوع پر، قسمت اور آدمی

کے طبعی رجحان کی اھمیت اور نوعیت پر اور اس کے اجزائے ترکیبی پر روشنی ڈالی – لیکن جلد ھی گفتگو نے ذرا کم سنجیدہ رخ اختیار کر لیا – ایمیل نے اپنے دوست اور سرپرست سے روس کے بارے میں پوچھنا شروع کیا – اس نے پوچھا کہ وھاں ڈوئل کس طرح لڑا جاتا ھے، کیا وھاں کی عورتیں خوبصورت ھیں، اور کیا روسی پڑھنے میں بہت وقت لگیگا – اس نے پوچھا جب افسر نے اس کی طرف نشانہ باندھا تھا تو اس کو کیسا لگا تھا – اور سانن کی باری آئی تو اس نے اس سے اس کے ابا اور اماں کے بارے میں اور بحثیت مجموعی اس کے خاندان کے معاملات کے بارے میں پوچھا – اور اس کی پوری کوشش کی کہ زبان پر جیما کا نام نہ آئے، حالانکہ اس پورے وقت میں سوائے جیما کے اس کے دماغ میں اور کچھہ نہ تھا – سچی بات یہ ھے کہ وہ ٹھیک ٹھیک اس کے بارے میں نہیں بلکہ آنے والے دن کے بارے میں سوچ رھا تھا، اس پر اسرار دن کے بارے میں جو اس کے لئے ایسی بے بہا، بےنظیر، ایسی شاندار مسرت لانے والا تھا – اسے ایسا لگتا کہ اس کے ذھن کی نگاھوں کے سامنے باربار ایک باریک اور ھلکا سا پردہ ھلنے لگتا ھے —– اور اس حریری پردے کے اس پار —– ایک شاداب چہرہ نظر آتا، پرشباب اور خاموش ملکوتی چہرہ، اس کے ھونٹوں پر ھلکی ھلکی مسکراھٹ پھیلی ھوتی اور ایک بناوٹی درشتی ظاھر کرنے کے لئے پلکیں جھکی ھوتیں – یہ چہرہ جیما کا نہ تھا – یہ تو خود مسرت کا چہرہ تھا – آخر وہ گھڑی آ ھی گئی – پردہ سرک گیا، ھونٹ کھلے، پلکیں اٹھہ گئیں – اس قوت پاک نے اسے دیکھا -- اور اب سب کچھہ سورج کی تابناکی اور درخشانی میں، لازوال سرخوشی اور بےخودی میں کھوکر رہ گیا! جب وہ اس گھڑی

کے بارے میں سوچتا، اس دن کے بارے میں سوچتا تو اس کا دل اس خوشی کی تاب نہ لا کر، بڑھتی ہوئی امید اور جذبات کے ہیجان سے سرشار ہو کر، دھڑکنا بھول جاتا۔

یہ امیدیں، یہ تمنائیں کسی چیز میں رکاوٹ نہ تھیں۔ وہ اس کی تمام حرکات و سکنات کے ساتھ تھیں۔ وہ راہ میں حائل نہ تھیں۔ اور ان امیدوں اور تمناؤں نے ایمیل کے ساتھ ایک دوسری سرائے میں رات کے کھانے کا لطف اٹھانے سے باز نہ رکھا۔ باربار اس کے دماغ میں یہ خیال کوند جاتا۔۔۔ کاش لوگوں کو معلوم ہوتا! ان امیدوں اور تمناؤں نے کھانے کے بعد اسے ایمیل کے ساتھ مینڈک والا کھیل کھیلنے سے بھی باز نہ رکھا۔ یہ کھیل وسیع ہرے میدان میں کھیلا گیا اور ٹھیک اس وقت جب وہ تارتالیا کی غراہٹوں کی تال پر، جھکے ہوئے ایمیل کی پیٹھ پر سے چھلانگ لگانے کے لئے اطمینان سے پیر ہوا میں بلند کر رہا تھا اس کی نظر میدان کے کنارے دو افسروں پر پڑی۔ ان کو اس نے فوراً پہچان لیا۔ یہ تو وہی کل والے افسر تھے۔۔۔ ہیر فون دون ہوف اور اس کا گواہ ہیر فون رختر! ان کو دیکھتے ہی وہ کتنا بوکھلایا اور بدحواس ہوا، کوئی مت پوچھے۔ دونوں نے اپنی ایک ایک آنکھ پر ایک شیشے والی عینک لگا رکھی تھی۔ دونوں دانت نکالے ہوئے دیکھ رہے تھے... سانن کھڑا ہوا، جلدی سے مڑا، کوٹ اٹھایا جسے اتار رکھا تھا اور ایمیل کو اپنے ساتھ آنے کے لئے کہا۔ اس نے بھی اپنا کوٹ پہنا اور جلدی جلدی چل دیا۔

وہ فرانک فرٹ دیر سے پہنچا۔

کے طبعی رجحان کی اهمیت اور نوعیت پر اور اس کے اجزائے ترکیبی پر روشنی ڈالی — لیکن جلد هی گفتگو نے ذرا کم سنجیدہ رخ اختیار کر لیا — ایمیل نے اپنے دوست اور سرپرست سے روس کے بارے میں پوچھنا شروع کیا — اس نے پوچھا کہ وهاں ڈوئل کس طرح لڑا جاتا هے، کیا وهاں کی عورتیں خوبصورت هیں، اور کیا روسی پڑھنے میں بہت وقت لگیگا — اس نے پوچھا جب افسر نے اس کی طرف نشانه باندھا تھا تو اس کو کیسا لگا تھا — اور سانن کی باری آئی تو اس نے اس سے اس کے ابا اور اماں کے بارے میں اور بحثیت مجموعی اس کے خاندان کے معاملات کے بارے میں پوچھا — اور اس کی پوری کوشش کی که زبان پر جیما کا نام نه آئے، حالانکه اس پورے وقت میں سوائے جیما کے اس کے دماغ میں اور کچھه نه تھا — سچی بات یه هے که وہ ٹھیک ٹھیک اس کے بارے میں نہیں بلکه آنے والے دن کے بارے میں سوچ رها تھا، اس پر اسرار دن کے بارے میں جو اس کے لئے ایسی بےبہا، بےنظیر، ایسی شاندار مسرت لانے والا تھا — اسے ایسا لگتا که اس کے ذهن کی نگاهوں کے سامنے باربار ایک باریک اور هلکا سا پردہ هلنے لگتا هے —— اور اس حریری پردے کے اس پار —— ایک شاداب چہرہ نظر آتا، پرشباب اور خاموش ملکوتی چہرہ، اس کے هونٹوں پر هلکی هلکی مسکراهٹ پھیلی هوتی اور ایک بناوٹی درشتی ظاهر کرنے کے لئے پلکیں جھکی هوتیں — یه چہرہ جیما کا نه تھا — یه تو خود مسرت کا چہرہ تھا — آخر وہ گھڑی آ هی گئی — پردہ سرک گیا، هونٹ کھلے، پلکیں اٹھه گئیں — اس قوت پاک نے اسے دیکھا — اور اب سب کچھه سورج کی تابناکی اور درخشانی میں، لازوال سرخوشی اور بےخودی میں کھو کر رہ گیا! جب وہ اس گھڑی

کے بارے میں سوچتا، اس دن کے بارے میں سوچتا تو اس کا دل اس خوشی کی تاب نہ لاکر، بڑھتی ہوئی امید اور جذبات کے ہیجان سے سرشار ہوکر، دھڑکنا بھول جاتا۔

یہ امیدیں، یہ تمنائیں کسی چیز میں رکاوٹ نہ تھیں — وہ اس کی تمام حرکات وسکنات کے ساتھ تھیں — وہ راہ میں حائل نہ تھیں — اور ان امیدوں اور تمناؤں نے ایمیل کے ساتھ ایک دوسری سرائے میں رات کے کھانے کا لطف اٹھانے سے باز نہ رکھا — باربار اس کے دماغ میں یہ خیال کوند جاتا —— کاش لوگوں کو معلوم ہوتا ! ان امیدوں اور تمناؤں نے کھانے کے بعد اسے ایمیل کے ساتھ مینڈک والا کھیل کھیلنے سے بھی باز نہ رکھا — یہ کھیل وسیع ہرے میدان میں کھیلا گیا اور ٹھیک اس وقت جب وہ تارتالیا کی غراھٹوں کی تال پر، جھکے ہوئے ایمیل کی پیٹھ پر سے چھلانگ لگانے کے لئے اطمینان سے پیر ہوا میں بلند کر رہا تھا اس کی نظر میدان کے کنارے دو افسروں پر پڑی — ان کو اس نے فوراً پہچان لیا — یہ تو وہی کل والے افسر تھے —— ہیر فون دون‌ہوف اور اس کا گواہ ہیر فون رختر! ان کو دیکھتے ہی وہ کتنا بوکھلایا اور بدحواس ہوا، کوئی مت پوچھے — دونوں نے اپنی ایک ایک آنکھ پر ایک شیشے والی عینک لگا رکھی تھی — دونوں دانت نکالے ہوئے دیکھ رہے تھے۔۔۔ سانن کھڑا ہوا، جلدی سے مڑا، کوٹ اٹھایا جسے اتار رکھا تھا اور ایمیل کو اپنے ساتھ آنے کے لئے کہا — اس نے بھی اپنا کوٹ پہنا اور جلدی جلدی چل دیا —

وہ فرانک فرٹ دیر سے پہنچا —

«وہ مجھے برا بھلا کہینگی — لیکن مجھے پروا نہیں — اج کا دن بہت اچھا کٹا، بہت اچھا —» ایمیل نے سانن سے رخصت ہوتے ہوئے کہا —

جب سانن ہوٹل پہنچا تو اسے جیما کا خط ملا — اس نے اگلے دن ملاقات کا وقت مقرر کیا تھا — سات بجے صبح —— ان پارکوں میں سے ایک میں جن سے فرانک‌فرٹ گھرا ہوا ہے —

اس کا دل دھک سے رہ گیا! وہ خوش تھا کہ اس نے کس کس طرح جیما کی ایک ایک بات پوری کی تھی! اوہ، خدا، اس ناقابل یقین، انوکھی، بے پناہ اور ناگزیر صبح کی آغوش میں اس کے لئے کیا کیا ہے —— اور کیا کیا نہیں ہے!

اس نے جیما کے خط پر اپنی نگاہیں دوڑائیں — صفحے کے آخر میں اس کے دستخط میں، جیما کی خوبصورت «ج» نے اسے جیما کی خوبصورت انگلیوں کی اور اس کے هاتھه کی یاد دلائی... اسے یاد آیا که اس نے ان انگلیوں کو کبھی اپنے ہونٹوں سے نہیں چھوا تھا... «اطالوی عورتیں» اس نے سوچا «لوگوں کے کہنے کے برعکس، منکسر اور رکھه رکھاؤ والی ہیں — خاص طور پر جیما — وہ ایک ملکه ہے، ایک دیوی... مرمر کی طرح پاک اور اچھوتی...»

لیکن وقت آئیگا — وہ وقت زیادہ دور نہیں...

اس رات فرانک فرٹ میں ایک ہی مسرور آدمی تھا... وہ سویا، لیکن وہ شاعر کی زبان میں اپنے بارے میں یوں کہه سکتا تھا:

میں سو رہاھوں... مگر میرا پاسباں دل نہیں سوتا...

دل تو، گرمیوں کے سورج کی کرنوں میں نہائے ہوئے پھول پر بیٹھے پتنگے کے پر کی طرح کانپ رہا تھا —

سانن پانچ بجے سو کر اٹھا، چھ بجے تک کپڑے بدل کر تیار ہو گیا اور ساڑھے چھ بجتے بجتے وہ پارک میں ٹہل رہا تھا۔ یہ پارک گرمیوں کی آرام گاہ کے پاس تھا جس کا ذکر جیما نے کیا تھا۔

اب تک صبح پرسکوت، گرم اور سرمئی سی تھی۔ باربار ایسا لگتا کہ بارش ہوگی۔ لیکن ہتیلی پھیلا کر دیکھنے سے نمی کا احساس نہ ہوتا اور اگر کوئی اپنے کوٹ کی آستین کو خوب غور سے دیکھتا تو البتہ موتیوں جیسی ننھی ننھی بوندیں نظر آتیں۔ جلد ہی ان بوندوں کا پٹکنا بھی بند ہو گیا۔ کہنے کو یہ کہا جا سکتا تھا کہ اس سے پہلے کبھی بھی ہوا کے نام کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ آواز تیرتی نہ تھی بلکہ فضا میں معلق ہو جاتی تھی۔ دور سفیدی مائل ہلکی ہلکی دھند نظر آ رہی تھی اور ہوا میں میگنونیت اور کیکر کے پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو بسی ہوئی تھی۔

دوکانیں اب تک بند تھیں مگر سڑکوں پر اکا دکا راہگیر چلتے پھرتے نظر آنے لگے تھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر پر سڑک پر سے اکادکا گاڑی کے پہیوں کی گھڑ گھڑاہٹ سنائی دیتی تھی۔ پارک میں کوئی بھی ٹہلتا پھرتا نظر نہ آ رہا تھا۔ ایک مالی آہستہ آہستہ اپنے کھرپے سے راستے کی گھاس کھود رہا تھا اور ایک بوڑھی پھوس عورت کالے لباس میں راستے پر مٹکتی چلی جا رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ سانن کو ایک لمحے کو

بھی اس بڑھیا پر جیما گمان نہ ہو سکتا تھا اور پھر بھی اس کا دل بلیوں اچھل پڑا اور اس کی آنکھیں اس وقت تک اس کالے دھبے کا تعاقب کرتی رہیں جب تک کہ وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گیا۔

سات! گرجا گھر کے ٹاور نے سات بجائے۔

سانن کے قدم تھم گئے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ نہ آئے؟ اس کے رگ و پے میں ایک برفیلی سی سنسنی دوڑ گئی۔ ایک لمحے بعد پھر اس کی رگ و پے میں سنسنی دوڑ گئی۔ لیکن اب کے اس کی وجہ کچھہ اور تھی۔ سانن نے اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ اور عورت کے لباس کی سرسراہٹ سنی... وہ مڑا۔۔۔ یہ تو وہی تھی!

جیما پارک کے راستے پر اس کے پیچھے پیچھے چلتی رہی۔ وہ ایک سرمئی لباس اور کالی ٹوپی پہنے ہوئے تھی۔ اس نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا اور اپنا سر ایک طرف پھیر لیا۔ وہ اس کے برابر آ گئی اور تیز تیز قدموں سے آگے نکل گئی۔

«جیما!» اس نے اتنا دھیرے سے اس کا نام لیا کہ مشکل سے اس کی آواز سنی جا سکتی تھی۔

اس نے آہستہ سے اپنا سر ہلایا اور اسی طرح چلتی رہی۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ وہ کچھہ ھانپ سا رہا تھا اور اس کے پاؤں مشکل سے اس کا ساتھہ دے رہے تھے۔

جیما موسم گرما کی آرام گاہ کے پاس سے گزری، سیدھے ھاتھہ کو مڑی، ایک چھوٹے سے اتھلے فوارے کے پاس سے گزری جس میں ایک گوریا ٹھاٹ سے ڈبکیاں لگا لگا کر نہا رہی تھی۔ پھر وہ بنفشئی پھولوں کی لمبی لمبی جھاڑیوں کے جھنڈ کے پیچھے

گئی اور ایک بنچ پر بیٹھہ گئی — یہ ایک خوش نما گوشہ عافیت تھا — سانن اس کے پاس بیٹھہ گیا —

ایک منٹ گزر گیا اور دونوں میں سے کوئی بھی نہ بولا — اس نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا بھی نہیں اور وہ اس کا چہرہ تو نہیں ہاں اس کے ہاتھوں کو دیکھتا رہا جو چھتری کے اوپر ایک دوسرے پر رکھے ہوئے تھے — کہنے کو کیا تھا؟ کون سے الفاظ اس حقیقت سے زیادہ معنی خیز اور بھر پور ہو سکتے تھے کہ وہ دونوں ایک ساتھہ بیٹھے تھے، تنہا، اتنا سویرے اور ایک دوسرے سے اتنا قریب؟

«کیا تم . . . مجھہ سے خفا ہو؟» آخر سانن کے منہ سے نکلا —

وہ اس سے زیادہ احمقانہ اور کوئی بات شاید ہی کہہ سکتا تھا، اور اسے اس کا پورا احساس تھا . . . لیکن کم از کم مہر سکوت تو ٹوٹی —

«تم سے خفا؟» اس نے دہرایا — «کس لئے؟ نہیں —»

«اور کیا تم میرا یقین کرتی ہو؟» اس نے کہا —

«تمہارا مطلب ہے جو کچھہ تم نے اپنے خط میں لکھا ہے؟»

«ہاں —»

جیما نے اپنا سر جھکا لیا اور کچھہ نہ بولی — چھتری اس کے ہاتھہ سے پھسل گئی — لیکن اس کے زمین پر گرنے سے پہلے پہلے اس نے جھٹ سے اسے سنبھال لیا —

«اوہ میرا یقین کرو! میں نے جو کچھہ لکھا ہے اس پر یقین کرو!» سانن نے کہا — دفعتاً اس کی سراسیمگی دور ہو گئی اور

اس نے ذرا جذبات کی گرمی کے ساتھ کہا «اگر دنیا میں سچائی جیسی مقدس اور ناقابل تردید کوئی چیز موجود ہے تو — وہ یہ ہے جیسا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں، دل و جان سے تمہیں چاہتا ہوں!»

اس نے کنکھیوں سے سانن کو دیکھا اور پھر اس کے ہاتھ سے چھتری پھسل کر گرتے گرتے رہی۔

«میرا اعتبار کرو، مجھ پر یقین کرو!» اس نے اس کی طرف اپنے بازو بڑھاتے ہوئے التجا کی لیکن اسے چھونے کی جرأت نہ ہوئی۔ «میں تمہیں کس طرح قائل کروں؟»

اس نے پھر نگاہ اٹھا کر سانن کو دیکھا۔

«بتاؤ مجھے موسیو دمتری» اس نے کہا «اس دن جب تم مجھے سمجھانے بجھانے آئے تھے تو اس وقت تک نہ جانتے تھے... تم کو محسوس نہ ہوتا تھا...»

«مجھے محسوس ہوتا تھا» سانن نے اشتیاق کے ساتھ جواب دیا «لیکن مجھے معلوم نہ تھا۔ جس لمحے میری نظر تم پر پڑی اسی وقت سے میں تم سے محبت کر رہا ہوں لیکن فوراً ہی مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ تم میرے لئے کیا بن گئی ہو! اس کے علاوہ مجھے معلوم تھا کہ تمہاری منگنی ہو چکی ہے... جہاں تک تمہاری اماں کی درخواست کا تعلق ہے، پہلی بات تو یہ کہ میں کیوں کر انکار کر سکتا تھا؟ اور دوسرے یہ کہ میں نے یہ فرض کچھ اس طرح ادا کیا کہ تم خود بھانپ لو...»

بھاری بھاری قدموں کی چاپ سنائی دی۔ ایک بھاری بھرکم قسم کا بھلا مانس، موٹے کا ڈوریا تھیلا اپنے کندھے پر جمائے

بنفشئی پھولوں کے جھنڈ کے پیچھے سے نمودار ہوا — کوئی پردیسی تھا — ایک سیاح کی گستاخی بھری نظر سے اس نے اس جوڑے کی طرف دیکھا، زور سے کھانسا اور اپنی راہ لی —

«تمہاری اماں نے» جیسے ھی مسافر کے بھاری قدموں کی آھٹ ختم ھوئی سانن بولا «تمہاری اماں نے مجھه سے کہا کہ تمہارے انکار سے بڑی بدنامی ھوگی، (جیما کی پیشانی پر بل پڑ گئے) اور یہ کہ کسی حد تک اپنی حرکت کی وجہ سے اس ناخوشگوار بات کا ذمہ دار میں تھا — اور . . . نتیجے کے طور پر . . . کسی حد تک مجھه پر یہ ذمہ‌داری عائد ھوتی تھی کہ تمہیں اپنے منگیتر ھیر کلیوبر کو ٹھکرانے سے باز رکھوں . . .»

«موسیو دمتری» اپنے بالوں پر ھاتھه پھیرتے ھوئے جیما نے سانن سے کہا «براہ کرم ھیر کلیوبر کو میرے منگیتر کے نام سے نہ یاد کرو — میں کبھی بھی اس کی بیوی نہیں بنونگی — میں‌نے اس سے انکار کر دیا ھے —»

«اس سے انکار کر دیا؟ کب؟»

«کل —»

«اس کے رو برو؟»

«اس کے منہ پر — اپنے گھر میں — وہ ھم سے ملنے آیا تھا —»

«جیما! کیا اس کا مطلب یہ ھے کہ تم مجھه سے محبت کرتی ھو؟»

وہ اس کی طرف مڑی —

«کیا میں تم سے محبت نہ کرتی تو یہاں آتی؟» اس نے اپنے ھاتھوں کو بنچ پر گراتے ھوئے سرگوشی میں کہا —

سانن نے بنچ پر پڑے ہوئے بے بس ہاتھوں کو، جن کی ہتیلیاں اوپر کی طرف تھیں، اٹھایا اور ان کو اپنی آنکھوں سے لگایا، اپنے ہونٹوں سے چوما. . . اور اب وہ پردہ جو کل اس کی آنکھوں میں لہرا رہا تھا، ہٹ گیا — یہ تھی مسرت، یہ خود مسرت کا درخشاں مکھڑا تھا!

اس نے جیما کو دیکھنے کے لئے، نظر بھر کر اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے دیکھنے کے لئے، اپنا سر اٹھایا — جیما نے بھی اس کو نظر بھر کر دیکھا لیکن اس کی نگاہیں ذرا نیچی تھیں، جھکی جھکی پلکوں کے نیچے مسرت کے آنسو جھلک رہے تھے — اور اس کے چہرے پر صرف مسکراہٹ نہ تھی، یہ تو ایک قہقہہ تھا، نشاط اور ترنگ میں ڈوبا ہوا ایک ایسا قہقہہ جو سنائی نہ دے —

سانن نے اسے اپنے سینے سے لگانا چاہا لیکن وہ پیچھے کھسک گئی اور اپنا سر ہلایا اس کے چہرے پر اب تک وہی بے آواز قہقہہ تھا — جیسے اس کی مسرت بھری آنکھیں کہہ رہی ہوں: «ذرا ٹھہرو!»

«اوہ جیما!» سانن چلایا «کیا میں کبھی سوچ سکتا تھا کہ تو (جس وقت پہلی بار اس کے منہ سے لفظ «تو» نکلا تو اس کا دل ساز کے تار کی طرح لرز کر رہ گیا) مجھہ سے کبھی محبت کریگی؟»

«مجھے خود اس کی توقع نہیں تھی» جیما نے آہستہ سے کہا —

«کیا میں کبھی سوچ سکتا تھا» سانن بولتا رہا کہ «فرانکفرٹ میں، جہاں میں ایک دو گھنٹے ٹھہرنا چاہتا تھا، مجھے عمر بھر کی مسرت مل جائیگی؟»

«تمہاری عمر بھر کی مسرت؟ سچ، بالکل سچ؟» جیما نے پوچھا —

«میری زندگی بھر کی مسرت، ہمیشہ کے لئے!» سانن نے تازہ جوش کے ساتھ کہا۔

یکایک ان کی بنچ سے صرف دو قدم کے فاصلے پر مالی کے کھرپے کے چلنے کی آواز سنائی دی۔

«آؤ ہم گھر چلیں» جیما نے سرگوشی میں کہا «ساتھ --- چلو گے؟»

اگر اس وقت اس سے کہتی: «سمندر میں کود جاؤ--- کود و گے؟» تو ابھی مشکل سے وہ اپنی بات بھی پوری نہ کر پاتی کہ وہ سمندر کی گہرائیوں میں پہنچ چکا ہوتا۔

دونوں ایک ساتھ پارک سے باہر نکلے اور شہر سے کتراتے ہوئے اور خاموش مضافاتی سڑکوں سے گزرتے ہوئے، گھر کی طرف چل دئے۔

۲۸

سانن، جیما کے پہلو میں چل رہا تھا اور ہر چند قدم کے بعد وہ اس سے چند قدم پیچھے رہ جاتا تھا۔ ایک پل کو بھی اس نے اپنی نظریں اس پر سے نہیں ہٹائیں۔ وہ برابر مسکرائے جا رہا تھا۔ گرچہ وہ جلدی میں معلوم ہوتی تھی پھر بھی یکایک رک جاتی تھی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ دونوں، جن میں سے سانن تو جذبات سے زرد ہو رہا تھا اور جیما کا چہرہ گلابی، یوں آگے بڑھ رہے تھے جیسے خواب میں چل رہے ہوں۔ چند منٹ پہلے، --- ان دونوں کی رو وں کی سپردگی اتنی بے خود کرنے والی، اتنی نئی جو تھی، اتنی نئی کہ اس سے ڈرسا لگ رہا تھا۔ ان

کی زندگی اتنی اچانک بدل کر رہ گئی تھی کہ دونوں میں سے کوئی بھی اس کے جادو سے پوری طرح نہیں نکل سکا تھا — ان کو بس اتنا معلوم تھا کہ رات کے وقت اچانک ھوا کے طوفان نے ان کو آ دبوچا تھا اور ایک دوسرے کی آغوش میں اٹھا پھینکا تھا — چلتے چلتے سانن کو یہ بھی محسوس ھوا کہ جیسے وہ جیما کو ایک دوسری روشنی میں دیکھه رھا ھو — ایک ھی لمحے میں اس کو اس کی چال ڈھال میں، اس کے انداز خرام میں کچھه انوکھی باتیں نظر آگئیں —— یا خدا ان باتوں میں کتنا بےپناہ حسن، کتنی رعنائی، کتنا بانکپن تھا! اور جیما کو بھی لگ رھا تھا کہ وہ اسے ایک دوسری نظر سے دیکھه رھا ھے —

دونوں پہلی بار محبت میں گرفتار ھوئے تھے — ان کے اندر پہلی محبت کا سارا جادو جاگ رھا تھا — پہلی محبت ایک انقلاب کی طرح ھے — روزمرہ زندگی کی یک رنگی ایک آن میں درھم برھم ھوکر رہ جاتی ھے، جوانی مورچے پر آجاتی ھے اور مورچے پر شباب کے تابناک پرچم لہرانے لگتے ھیں اور —— جو بھی سامنے آئے اس کا خیرمقدم کرتے ھیں —— موت ھو یا زندگی —— وہ اس کا استقبال گرم جوشی سے کرتے ھیں —

«کون ھے وہ؟ کیا یہ ھمارا بڈھا ھو سکتا ھے؟» سانن نے اس آدمی کی طرف اشارہ کرتے ھوئے کہا جو منه ڈھانپ کر ان کے پاس سے اس طرح گزر گیا جیسے وہ ان کی نظروں سے بچ کر نکل جانا چاھتا ھو — مسرت کے تلاطم سے مجبور ھوکر اس کا جی چاھا کہ جیما سے محبت کی باتیں نہ کرے — محبت پر تو مہر لگ چکی تھی، وہ تو مقدس چیز تھی — اس کا جی چاھا کہ اور چیزوں کے بارے میں باتیں کرے —

«هاں یه پنتالیونے هے» جیما نے خوش خوش چهکتے هوئے کہا— «اس نے گهر سے میرا پیچها کیا هوگا— کل دن بهر وہ میرے پیچهے پیچهے سایه بنا رها... وہ بهانپ گیا هے—»

«وہ بهانپ گیا هے!» سانن نے خوش هوکر دهرایا— ایسی کون سی بات تهی جو جیما کہتی اور اس کا جی خوش نه هوتا؟

پهر اس نے جیما سے کہا که پچهلے دن کا سارا ماجرا سناؤ—

وہ فوراً جلدی جلدی، گڈمڈ سی کہانی کے تانے بانے بننے لگی— ساتهه هی مسکراتی بهی جاتی اور ٹهنڈی ٹهنڈی سانس بهی بهرتی جاتی اور آنکهوں میں سانن کو دل کا پیغام بهی دیتی جاتی— اس نے بتایا که پرسوں کی بات چیت کے بعد اس کی ماں کس طرح اس سے کوئی قطعی بات سننے کی کوشش کرتی رهی اور کس طرح اس نے فراؤ لینورے کو ایک دن کا وعدہ کرکے رام کیا، کس طرح اس نے اس تبدیلی پر اصرار کیا— یه کتنا کٹهن مرحله تها— کس طرح اچانک هیر کلیوبر نازل هوا تها، معمول سے بهی زیادہ سج دهج اور ٹیپ ٹاپ کے ساتهه، کس طرح اس نے روسی پردیسی کی ناقابل معافی چهچهوری حرکت پر اپنے غصے کا اظہار کیا تها— «اس کا مطلب تمہارے ڈوئل سے تها— یه اس کے لئے، هیر کلیوبر کے لئے کتنا توهین آمیز تها (یه هیر کلیوبر کے اپنے الفاظ تهے)— اس نے مطالبه کیا که تم کو گهر میں آنے کی اجازت نه دی جائے— 'کیونکه، اس نے کہا» یہاں جیما نے اس کی آواز اور انداز کی نقل اتاری «'یه میری بے عزتی هے، اس سے تو یه ظاهر هوا جیسے اگر میں ضروری اور مفید تصور کرتا تو اپنی منگیتر کی حفاظت کے لئے

کمر بستہ ھونے کو تیار نہ ھوتا — کل سارے فرانک فرٹ کو معلوم ھو جائیگا کہ ایک اجنبی میری منگیتر کے لئے ایک افسر سے ڈوئل لڑا — کاھیکو کبھی کسی نے ایسی بات سنی ھوگی! یہ میری عزت پر حملہ ھے!، اور ذرا سوچو ممی نے اس سے اتفاق کیا — لیکن میں نے اس سے اسی آن کہا تم کو اپنی عزت اور شخصیت کے بارے میں پریشان ھونے کی ضرورت نہیں، تم کو اپنی منگیتر کے بارے میں ایسی ویسی باتوں پر ذلت محسوس کرنے کی ضرورت نہیں — اس لئے کہ میں اب تمہاری منگیتر نہیں رھی اور کبھی بھی تمہاری بیوی نہیں بنونگی — میں یہ مانتی ھوں کہ اس سے اپنا رشتہ توڑنے سے پہلے میں تم سے بات کرنا چاھتی تھی — لیکن وہ آیا — اور میں ضبط نہ کرسکی — مارے ڈر کے اماں کی تو چیخ نکل گئی — لیکن میں دوسرے کمرے میں گئی اور میں نے اس کی انگوٹھی لاکر واپس کر دی —— تم نے شاید دیکھا نہیں دو دن پہلے ھی میں نے اس کی انگوٹھی اتار دی تھی — اس کو بہت رنج ھوا لیکن وہ اتنا بیکار اور خودفریب آدمی ھے کہ اس نے زیادہ نہیں کہا اور دم دباکر چلتا ھوگیا — بے شک مجھے اماں سے بہت کچھہ سننا پڑا، اور ان کا دکھہ دیکھہ کر مجھے دلی تکلیف ھوئی اور میں نے یہاں تک سوچا کہ شاید میں نے بڑی جلد بازی سے کام لیا ھے — لیکن تم جانو، مجھے تمہارا خط مل چکا تھا اور اس سے پہلے بھی میں جان گئی تھی...»

«کہ میں تم کو چاھتا ھوں» سانن نے جلدی سے بات پوری کی —

«ھاں... کہ تم مجھے چاھتے ھو—»

جیما مستقل بولتی رهی، بات کا اور چھور هاتھه سے جاتا رهتا، مگر وہ اپنی کہانی سناتی رهی — وہ مسکراتی، اپنی آواز نیچی کرتی یا جب کوئی پاس آتا یا پاس سے گزرتا تو وہ یکایک رک جاتی — سانن بے خود سنتا رہا، اس کی آواز سے لطف‌اندوز ہوتا رہا، ٹھیک اسی طرح جیسے پچھلے دن اس کی لکھائی پر اس کا دل نچھاور ہوا جا رہا تھا —

«ممی بہت بدحواس ہیں» جیما نے کہا — اس کے الفاظ لچھے دار انداز میں گڈمڈ گڈمڈ سے ادا ہوئے — «ان کے دماغ میں یہ بات آهی نہیں سکتی کہ میں هیر کلیوبر سے نفرت کرتی ہوں، ان کی سمجھه میں یہ بات آ هی نہیں سکتی تھی کہ میں اس سے منگنی پر اس لئے راضی ہوگئی کہ وہ مجھه سے برابر منت اور التجا کرتی رهی تھیں... ان کو شبہه هے کہ... میں تم سے، بلکه یقین هے کہ تم سے... محبت کرتی ہوں اور جس چیز سے سب سے زیادہ وہ بوکھلائی ہوئی ہیں یہ هے کہ آخر کل ان کے ذهن میں یہ بات کیوں نہ آئی اور انہوں نے تم سے درخواست کیوں کی کہ مجھے سمجھاؤ بجھاؤ — ایک عجیب درخواست، هے نا؟ اور اب وہ کہتی هیں تم بڑے کائیاں ہو اور کہتی هیں تم نے ان کے اعتماد کا غلط فائدہ اٹھایا اور مجھے خبردار کر رهی هیں کہ تم مجھے بھی دھوکا دوگے...»

«لیکن جیما» سانن چلایا «لیکن تم نے ان سے نہیں کہا کہ...»

«میں نے ان سے کچھه بھی نہیں کہا — تم سے بات چیت کرنے سے پہلے مجھے اس کا کیا حق تھا؟»

سانن نے اپنے هاتھه پھیلا دئے —

«مجھے امید ہے جیما کہ کم از کم اب تم ان کو سب کچھہ بتا دوگی اور مجھے ان کے پاس لے چلوگی۔۔۔ میں یہ ثابت کرنا چاھتا ہوں کہ میں دغاباز نہیں ہوں —»

اور سانن کے دل میں نیکی اور خلوص کے امڈتے ہوئے جذبات نے تلاطم پیدا کردیا —

جیما نے پھیلی پھیلی آنکھوں سے ٹکٹکی باندھہ کر اسے دیکھا — «کیا تم یہ کہنا چاھتے ہو کہ تم میرے ساتھہ اس وقت ممی کے پاس جانا چاھتے ہو؟ ممی کے پاس۔۔۔ جو یہ اعلان کر رہی ہیں کہ ہمارے درمیان کچھہ بھی نہیں —— یہ سب کچھہ بالکل ٹائیں ٹائیں فش ہوکر رہ جائیگا —» ایک لفظ تھا جو جیما زبان پر نہ لایا رہی تھی— ایسا لگتا تھا کہ یہ لفظ اس کے ہونٹوں کو جلائے دے رہا ہے لیکن سانن کو یہ جان کر خود یہ لفظ ادا کرنے میں اور بھی لطف آیا —

«تم سے شادی کرنا — تمہارا جیون ساتھی بننا —— اوہ میں اس سے بڑی مسرت کا تصور بھی نہیں کر سکتا!»

اب اس کی محبت، اس کی فراخ دلی اور عزائیم کی کوئی حد نہیں تھی —

جب اس نے یہ کہا تو جیما، جو ایک لمحے کو خاموش کھڑی ہو گئی تھی، پہلے سے بھی زیادہ تیز چلنے لگی۔۔۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ اس بے پناہ، اس غیرمتوقع مسرت سے بھاگ رہی ہے، جیسے یہ اس کے لئے ناقابل برداشت ہو —

لیکن یکایک اس کے گھٹنے کانپ گئے — چند قدم آگے اگلے نکڑ سے ایک نئی ہیٹ اور ایک نیا کوٹ ابھرا، اور بالکل تیر

کی طرح چلا — سامنے سے کتے کی طرح سمٹا سمٹایا ہیر کلیوبر چلا آ رہا تھا — پہلے جیما پر اور پھر سانن پر نظر پڑنے کے بعد ایسا معلوم ہوا کہ اندر ہی اندر اسے چھینک سی آ گئی ہو — جب بانکپن کے ساتھہ وہ ان کے پاس پہنچا تو اس کا پر کشش بدن پیچھے کی طرف تن گیا — ایک لمحے کو تو سانن بھونچکا رہ گیا — لیکن ہیر کلیوبر کے چہرے پر نظر پڑتے ہی، جس پر اس چہرے کا مالک، ایک نفرت انگیز حیرت بلکہ ترس کی کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کر رہا تھا —— ہاں اس گلابی اور گھٹیا چہرے کو دیکھہ کر دفعتاً سانن کے رگ و پے میں غصے کی لہر دوڑ گئی —— اور وہ آگے بڑھہ گیا —

جیما نے اس کا بازو پکڑ لیا اور پرعزم انداز سے اس کے بازو میں بازو ڈال کر اپنے سابقہ منگیتر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں — ہیر کلیوبر نے اپنی آنکھیں چھوٹی کر لیں اور ایسا لگا کہ وہ سمٹ کر خود اپنے اندر چھپ جانا چاہتا ہو — وہ ایک طرف کو ہٹ گیا اور دانت بھینچ کر بولا — «ہر الاپ کی تان اسی پر ٹوٹتی ہے!» (Das alte Ende vom Liede!) پھر وہ اسی طرح بانکپن اور لچک کے ساتھہ اپنے راستے پر چل دیا —

«کیا کہا اس بدمعاش نے؟» کلیوبر پر جھپٹنے کے لئے تیار سانن نے پوچھا — لیکن جیما نے اس کو پکڑ لیا اور مڑ کر، اسی طرح اس کے ہاتھہ میں ہاتھہ ڈالے وہ گھر کی طرف چلتی رہی —

دور سے روسیلی کی دوکان دکھائی دی — جیما پھر رک گئی — «Dimitri, monsieur Dimitri» اس نے کہا «ہم اب تک اندر نہیں گئے ہیں ،اب تک اماں سے نہیں ملے ہیں... اگر تم اب

بھی اس معاملے پر سوچنے کے لئے وقت چاہتے ہو، اگر... تم اب بھی آزاد ہو دمتری —»

جواب میں سانن نے صرف اس کا ہاتھ زور سے اپنے سینے پر دبایا اور اس کو اپنے ساتھ کھنچتا ہوا آگے چل دیا —

«ممی» سانن کے ساتھ فراؤ لینورے کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے جیما نے کہا «دیکھو میں اصلی منگیتر کو لے آئی تمہارے پاس!»

۲۹

اگر جیما اعلان کرتی کہ وہ اپنی ماں کے لئے ہیضہ یا موت لے کر آئی ہے تو وہ یہ خبر سن کر اس سے زیادہ غم زدہ نہ ہوتی — وہ فوراً کونے میں، دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئی — اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، اور دھاڑیں مار مار کر بین کرنے لگی، بالکل روسی کسان عورت کی طرح جو اپنے شوہر یا بیٹے کی لاش کے پاس بیٹھی بین کر رہی ہو — ایک لمحے کو جیما پر ایسا اثر ہوا کہ وہ اپنی ماں کے پاس جا بھی نہ سکی، وہ کمرے کے درمیان دم سادھے کھڑی رہی — جہاں تک سانن کا تعلق تھا وہ بالکل بے قابو ہو گیا — لگتا تھا اب رویا کہ تب رویا — ناقابل تسلی آہ وزاری اور رونے دھونے کا سلسلہ ایک گھنٹے تک جاری رہا، پورے ایک گھنٹے تک! پنتالیونے نے فیصلہ کیا کہ یہ بہتر ہوگا کہ دوکان کا سڑک والا دروازہ بند کر دیا جائے تاکہ کوئی اجنبی اندر نہ آئے —— خوش قسمتی سے ابھی سویرا تھا — بڈھا خود حیران تھا —— جیما اور سانن نے جس جلد بازی کا مظاہرہ کیا تھا وہ اسے ذرا نہ بھائی

تھی— ساتھه ھی دل میں وہ ان کے خلاف انگلی اٹھانے کی کوئی وجه نہیں محسوس کر رھا تھا— وہ کلیوبر سے اتنا بیزار تھا که ضرورت پڑنے پر، ان کے کام آنے کے لئے بھی کمر بسته تھا— ایمیل خود کو اپنے دوست اور بہن کا رازدار تصور کر رھا تھا اور اس کو اس پر فخر بھی محسوس ھو رھا تھا که سارا معامله اتنے حسن و خوبی سے نبٹ گیا— بس یه بات اس کی سمجھه سے باھر تھی که فراؤ لینورے اس پر اتنا زیادہ غم کیوں کھا رھی تھی— وہ فوراً اس نتیجے پر پہنچا که عورتوں کی کھوپڑی میں عقل ھوتی ھی نہیں سرے سے— سانن کا حال سب سے برا تھا— جب کبھی وہ فراؤ لینورے کے پاس آتا وہ دھاڑیں مارتے ھوئے اپنے ھاتھه کے اشارے سے اسے ھٹا دیتی اور دور کھڑے کھڑے کئی بار اس کا رونا اور منه بسورنا بھی اکارت گیا: «میں چاھتا ھوں که تم اپنی لڑکی کا ھاتھه میرے ھاتھه میں دے دو!» فراؤ لینورے کو سب سے زیادہ کوفت اپنے آپ سے ھو رھی تھی— آخر ایسی اندھی کیوں کر ھو گئی که اسے کچھه نظر ھی نه آیا؟ «اگر میرا گیوان بتستا زندہ ھوتا» اس نے آنسو بہاتے ھوئے کہا «تو یه سب کاھیکو ھوتا!» «خدا کے لئے بات کیا ھے؟» سانن نے اپنے آپ سے پوچھا— «لیکن یه سب محض بکواس ھے!» اسے جیما کی طرف دیکھنے کی ھمت نہیں ھو رھی تھی اور اسے بھی سانن کی طرف نظر اٹھانے کی جرأت نه ھو رھی تھی— اس نے، بڑے صبر سے، ماں کی دل جوئی پر اکتفا کیا— ماں نے اس کو بھی شروع میں پرے دھکیل دیا تھا...

آخرکار، رفته رفته، طوفان کا زور تھما— فراؤ لینورے نے رونا بند کر دیا اور جیما کو اجازت دی که وہ اسے کونے سے اٹھا کر،

جہاں وہ گٹھری بنی پڑی تھی، کھڑکی کے پاس کرسی پر لا بٹھائے۔ اس نے اسے ایک گلاس پانی دیا جس میں سنترے کا رس پڑا ہوا تھا۔ اس نے سانن کو اپنے پاس آنے کی اجازت تو نہیں دی مگر کمرے میں رہنے دیا (شروع میں وہ مطالبہ کرتی رہی تھی کہ وہ فوراً وہاں سے چلا جائے) ۔ اب وہ بولتا تو اس کی بات نہ کاٹتی ۔ سانن نے طوفان کے تھمنے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پوری لن ترانی سے کام لیا ۔ اس میں شبہہ ہے کہ وہ خود جیما کے سامنے بھی اتنے سچے یقین کے ساتھہ اپنے ارادوں اور جذبات کی داستان سنا سکتا تھا ۔ جذبات انتہائی صادق تھے اور ارادے انتہائی نیک اور پاک ––– «سیویلیا کے حجام» کے الماویوا کے ارادوں اور جذبات کی طرح! اس کے عزائم کے راستے میں جو دقتیں حائل تھیں ان کو نہ تو اس نے فراؤ لینورے سے چھپایا اور نہ اپنے آپ سے ۔ حقیقت تو یہ ھے کہ دقتیں بہت نمایاں تھیں ۔ یہ درست کہ وہ ایک پردیسی تھا اور حال ھی میں اس سے ان کی جان پہچان ہوئی تھی اور ان کو خود اس کے بارے میں اور اس کے ذریعہ آمدنی وغیرہ کے بارے میں کوئی بات ٹھیک ٹھیک معلوم نہ تھی ۔ لیکن وہ بہت سی شہادتیں پیش کرنے پر آمادہ تھا جن سے ثابت ہو کہ وہ ایک باعزت آدمی ھے کوئی بھکاری نہیں ۔ وہ اس قسم کی ناقابل تردید شہادتیں اپنے ہم وطنوں سے حاصل کر سکتا تھا ۔ اس کو امید تھی کہ جیما اس کے ساتھہ خوش رہیگی اور وہ اپنے گھر والوں سے اس کی جدائی کو اپنے لطف و محبت کی مٹھاس سے خوشگوار بنا لیگا ۔ جدائی، لفظ «جدائی» کا منہ پر آنا تھا کہ سارا بنا بنایا کھیل بگڑتا نظر آیا ۔ فراؤ لینورے سر سے پاؤں تک لرز گئی اور کرسی میں کسمسانے لگی ۔ سانن نے جلدی سے کہا

کہ یہ جدائی صرف عارضی ہوگی اور شاید ممکن ہے اس کی ضرورت بھی نہ پڑے —

سانن کی لن‌ترانی رائیگاں نہ گئی — فراؤ لینورے نے اس کو نظر اٹھاکر دیکھنا شروع کیا — اب تک ان نگاہوں میں دکھہ اور ملامت ضرور تھی مگر کم از کم پہلی سی بیزاری اور برھمی باقی نہ رہی تھی — پھر اس نے سانن کو پاس پھٹکنے اور آکر قریب بیٹھنے کی اجازت دی (جیما اس کے دوسرے پہلو میں بیٹھی تھی) — پھر اس نے سانن کو برا بھلا کہنا شروع کیا —— آنکھوں ھی آنکھوں میں نہیں بلکہ منہ سے — جس سے بجائے خود یہ ظاھر ھو گیا کہ اب اس کا دل ذرا نرم پڑ گیا تھا — اس نے شکوہ و شکائیت کا سلسلہ شروع کردیا لیکن اس کی شکائیت نرم اور ھلکی پڑتی گئی اور اب وہ شکائیت بھی کرتی جاتی اور پوچھہ گچھہ بھی —— کبھی اپنی بیٹی سے اور کبھی سانن سے — اس کے بعد اس کو اپنا ھاتھہ چھونے کی اجازت دی اور فوراً ھی اپنا ھاتھہ نہ کھینچا . . . پھر اس نے کچھہ اور آنسو بہائے —— لیکن اب یہ آنسو مختلف تھے . . . پھر وہ افسردگی کے ساتھہ مسکرائی اور اس پر افسوس ظاھر کیا کہ گیوان بتستا ان کے درمیان نہیں، لیکن ابکے پہلے کے مقابلے میں مطلب بالکل الٹ تھا . . . ایک لمحہ اور بیتا —— اور دونوں مجرم —— سانن اور جیما —— اس کے قدموں میں گھٹنے ٹیکے بیٹھے تھے اور وہ باری باری سے دونوں کے سر پر ھاتھہ پھیر رہی تھی — ایک لمحہ اور —— اور وہ دونوں اس سے لپٹ رہے تھے اور اسے بوسہ دے رہے تھے — ایمیل کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا — وہ دوڑتا ھوا کمرے میں

گھس آیا اور اس گھریلو ٹولی پر آن گرا اور محفل کو درھم برھم کرکے رکھه دیا۔

پنتالیونے نے کمرے میں جھانک کر دیکھا، مسکرایا اور ساتھه ھی تیوریاں بھی چڑھائیں اور سڑک والا دروازہ کھولنے کے لئے دوکان کے اندر چلا گیا۔

۳۰

فراؤ لینورے نے انتھائی غم و اندوہ سے نکل کر اداسی کا مرحلہ اور اداسی سے نکل کر خاموش بے نیازی کا مرحلہ کافی تیزی سے طے کیا۔ اور خاموش تسلیم و رضا کو اندرونی طمانیت کا روپ دھارن کرنے میں زیادہ دیر نہ لگی لیکن اس کو محض شائستگی کے خیال سے چھپایا گیا اور انتھائی ضبط و تحمل سے کام لیا گیا۔ فراؤ لینورے کو جان پہچان کے پہلے دن سے ھی سانن بھا گیا تھا۔ لیکن جب اس نے سانن کو اپنا داماد بنانے کے خیال کو اپنا لیا تو اس کو سانن میں کوئی بات نا پسندیدگی کی نظر نہ آئی۔ لیکن پھر بھی اس نے ضروری خیال کیا کہ کچھه دیر اور اپنے چہرے پر مجروح جذبات اور بیقراری کی کیفیت طاری رکھے۔ اور پھر پچھلے چند دن کے تمام واقعات اتنے عجیب تھے... ایک سے ایک بڑھه کر! ایک دنیادارعورت اور ماں ھونے کے ناتے فراؤ لینورے نے اپنا فرض تصور کیا کہ سانن سے ھر قسم کی پوچھه گچھه کرے۔ اور سانن جو صبح جیما سے ملاقات کے لئے نکلا تھا اور جس کے دماغ میں دور دور جیما سے شادی کا خیال نہ تھا، جس کے دماغ میں سرے سے کوئی خیال تھا ھی نہیں اور جو اپنے جذبے

کے طلسم سے کھنچا چلا جا رہا تھا ــــ اب بے دھڑک بلکہ کہنا چاھئے بڑے جوش و خروش سے، ہونے والے بر کا رول ادا کر رہا تھا ــ اور مستعدی سے تمام سوالوں کا جواب مفصل دے رہا تھا ــ اپنی تشفی کر لینے کے بعد کہ وہ واقعی طبقہ شرفا کا چشم و چراغ ھے اور اس پر تعجب کا اظہار کرنے کے بعد کہ وہ کوئی شہزادہ نہیں، فراؤ لینورے نے بڑی گمبھیر صورت بنالی اور پہلے ھی سے اس پر جتا دیا کہ وہ بڑی صاف گوئی سے کام لیگی ــ وہ ایک ماں کے مقدس فرض سے مجبور تھی ــ اس کے جواب میں سانن نے کہا کہ وہ اس سے اسی کی توقع کرتا ھے ــ اس نے التجا کی کہ وہ اس سے ذرا مروت نہ برتے ــ

فراؤ لینورے نے پھر کہا کہ ھیر کلیوبر (اس نے یہ نام ایک ٹھنڈی سانس کے ساتھہ ، اپنے ھونٹوں کو بھینچتے ھوئے اور ایک لمحے کو جھجکتے ھوئے لیا) جیما کے پہلے منگیتر ھیر کلیوبر کی آمدنی ابھی ھی آٹھہ ھزار گلڈن تھی اور یہ رقم ھر سال بڑھتی جائیگی اور ــــ اب وہ یہ جاننا چاھتی تھی کہ سانن کی آمدنی کیا ھے؟

«آٹھہ ھزار گلڈن» سانن نے ذرا کھینچتے ھوئے دھرایا ــ «ھمارے سکے میں اس کا مطلب ھے پندرہ ھزار روبل . . . میری آمدنی اس سے بہت کم ھے ــ تولا صوبے میں میری ایک چھوٹی سی جاگیر ھے ــ اگر اس کی دیکھہ بھال اچھی طرح ھو تو اس سے پانچ چھہ ھزار کی آمدنی ھو سکتی ھے، ضرور ھونی چاھئے . . . اور اگر میں کوئی سرکاری ملازمت کر لوں تو مجھے آسانی سے دو ھزار کی آمدنی ھوگی ــ»

"ملازمت روس میں!؟" فراؤ لینورے نے کہا ــ "اس کا مطلب یہ ھوا کہ مجھے جیما سے جدا ھونا پڑیگا!"

”مجھے سفارت خانے کی نوکری مل سکتی ھے“ سانن نے بیچ
میں لقمہ دیا ”میرے تعلقات کچھه رسوخ والے لوگوں سے ھیں...
اور اس کا مطلب ھوگا کہ میں ملک سے باھر رھوں — یا میں بتاؤں
ایک کام اور کر سکتا ھوں، اور یہ سب سے بھتر رھیگا —— کہ
میں اپنی جاگیر بیچ دوں اور اس سے جو روپیہ آئے اسے کسی
نفع بخش دھندے میں لگا دوں —— مثال کے طور پر، یہ روپیہ تمھاری
مٹھائی کی دوکان کو سنبھالنے اور بھتر بنانے میں لگایا جا سکتا ھے —“
سانن کو خود معلوم تھا کہ وہ حماقت کی باتیں کر رھا ھے لیکن
اس میں ایک عجیب بے پروائی اور من چلا پن پیدا ھو گیا تھا —
اس نے جیما کی طرف دیکھا جس نے کاروباری گفتگو کے شروع ھوتے
ھی کمرے میں ادھر ادھر ٹھلنا شروع کردیا تھا — وہ کبھی ٹھلتی
اور کبھی ٹھلتے ٹھلتے بیٹھه جاتی — اس نے جیما کی طرف دیکھا
اور اس کے سامنے کوئی رکاوٹ رکاوٹ نہ رھی — وہ سب کچھه
طے کر لینے کے تیار تھا، اسی لمحہ اور بھتر سے بھتر ڈھنگ سے ——
اس کو پریشانی سے بچانے کے لئے وہ سب کچھه کر سکتا تھا —

”ھیر کلیوبر کاروبار کو بڑھانے اور پھیلانے کے لئے بھی مجھے
تھوڑی سی رقم دینا چاھتا تھا“ ایک لمحے کو جھجکتے ھوئے فراؤ
لینورے نے کہا —

”ممی! خدا کے لئے، ممی!“ جیما اطالوی زبان میں چلائی —

”وقت سے یہ چیزیں طے ھو جانی چاھئیں، میری بیٹی!“ فراؤ
لینورے نے اسی زبان میں جواب دیا —

وہ پھر سانن کی طرف مڑی اور پوچھا کہ روس میں شادی کے
قانون کیا ھیں اور کہیں وھاں پروشیا کی طرح کیتھولک سے شادی

کے راستے میں رکاوٹ وغیرہ تو نہیں ؟ (اس زمانے میں، ۱۸۴۰ء تک لوگوں کو ملی جلی شادیوں کے سوال پر پروشیائی حکومت اور کیلن کے اسقف اعظم کا جھگڑا یاد تھا—) لیکن جب فراؤ لینورے کو معلوم ہوا کہ روسی طبقہ شرفا کے ایک فرد سے شادی کرنے کے بعد اس کی بیٹی کو نوابوں اور رئیسوں کے طبقوں میں قبول کرلیا جائیگا تو اس نے اطمینان کی سانس لی— "لیکن پہلے تم کو روس واپس جانا پڑیگا، ھے نا؟"

"کس لئے؟"

"کیوں؟ اپنے زار سے اجازت لینے کے لئے اور کیا؟"

سانن نے بتایا کہ یہ کوئی ضروری نہیں. . . لیکن شاید اسے شادی سے پہلے ایک مختصر مدت کے لئے روس جانا پڑے (جب اس نے یہ الفاظ ادا کئے تو اس کے دل میں ھوک سی اٹھی اور جیما جو اسے دیکھہ رہی تھی، اس کے دل کے درد کو تاڑ گئی اور اس کے چہرے پر رنگ آ گیا اور وہ اداس ھو گئی) — اس نے کہا کہ اپنے وطن میں قیام کا فائدہ اٹھاکر وہ اپنی جائداد بیچنے کی کوشش کریگا. . . بہرحال وہ ضروری روپیہ تو اپنے ساتھہ لائیگا ھی. . .

"میں سوچتی ھوں کتنا اچھا ھو اگر تم میرے کوٹ کے لئے استراخانی سمور بھی لے آؤ؟" فراؤ لینورے نے کہا— "لوگ کہتے ھیں کہ وھاں سمور بے حد خوبصورت اور بے حد سستا ھے—"

"بے شک، بڑی خوشی سے، میں جیما کے لئے بھی لاؤنگا!" سانن چلایا—

"اور میرے لئے مراقشی چمڑے کی ٹوپی جس پر زر کا کام ھو" کمرے میں جھانکتے ھوئے ، ایمیل نے بیچ سے نعرہ لگایا—

"اچھا اچھا، میں لاؤنگا۔ ۔ ۔ اور پنتالیونے کے لئے جوتیاں —"

"بہت ہو لیا" فراؤ لینورے بولی —"ہم اب سنجیدہ باتوں کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں — ایک اور بات" دنیادار عورت نے کہا— "تم کہتے ہو کہ تم اپنی جاگیر بیچ دوگے— کیا تمہیں اپنے کسانوں کو بھی نہیں بیچنا پڑیگا؟"

سانن کے دل پر ایک گھونسہ لگا— اسے یاد آیا کہ مادام روسیلی اور اس کی بیٹی سے کمیروں کے نظام پر بات چیت کرتے ہوئے، (جس پر اس کا دل، بقول خود، غصے سے بھر جاتا تھا) اس نے بار بار یقین دلایا تھا کہ کوئی طاقت بھی اس کو اپنے کسانوں کو بیچنے پر آمادہ نہیں کرسکتی کیونکہ وہ اس قسم کی لین دین کو اخلاق سوز تصور کرتا تھا—

"میں کسی ایسے شخص کے ہاتھ اپنی جاگیر بیچونگا جس کو میں کافی خوش حال سمجھتا ہوں" اس نے ذرا رک رک کر کہا "یا شاید ممکن ہے کہ کسان خود اپنی آزادی خرید لینا چاہیں —"

"یہ تو سب سے اچھا ہوگا" فراؤ لینورے نے اتفاق کیا — "آخر، زندہ انسانوں کو بیچنا واقعی۔ ۔ ۔"

«Barbari!»* پنتالیونے نے لقمہ دیا — وہ دروازے میں ایمیل کے پیچھے پیچھے نمودار ہوا اور اپنے جھنڈولے بالوں کو جھٹکتے ہوئے غائب ہو گیا —

"میں اسے پسند نہیں کرتا!" سانن نے اپنے آپ سے

---

* درندگی —

کہا اور جیما کی طرف دیکھا — ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس نے آخری الفاظ نہیں سنے — "خیر کوئی بات نہیں!" اس نے سوچا —

یہ کاروباری بات چیت کھانے کے وقت تک جاری رہی — کھانے کے ختم ہوتے ہوتے فراؤ لینورے بالکل رام ہو گئی — وہ اسے دمتری کہہ کر پکارتی، اسے محبت سے انگلی ہلا ہلا کر دھمکاتی اور کہتی کہ تم نے جو چرکا دیا ہے اس کا انتقام لونگی — اس نے اس کو اپنے خاندان کے متعلق سوال و جواب کے ذریعہ ایک مفصل وغط سننے پر مجبور کیا اس لئے کہ "یہ بڑا اہم تھا" اور اس بات پر اصرار کیا کہ روس میں شادی جس طرح انجام پاتی ہے اس کی ریت رسم کے بارے میں پورا پورا حال بتاؤ—— اور یہ سوچ سوچ کر وہ دم بخود ہو ہو گئی کہ جیما شادی کے وقت ایک سفید عبا پہنیگی اور اس کے سر پر ایک سنہرا تاج رکھا جائیگا —

"وہ اتنی حسین جو ہے، رانی ہے رانی" اس نے مادرانہ غرور کے ساتھ کہا "سچ تو یہ ہے کہ دنیا کی کوئی ملکہ بھی اس کی گرد کو نہیں پہنچتی!"

"دنیا میں کوئی دوسری جیما نہیں!" سانن چلایا —

"یہی وجہ ہے کہ اس کا نام جیما ہے!" (اطالوی زبان میں جیما ہیرے کو کہتے ہیں) —

جیما جھک کر اپنی ماں کو چومنے لگی . . . ایسا لگا کہ اب جا کر وہ آزادی سے سانس لے رہی ہے جیسے اس کے کندھوں سے ایک بھاری بوجھ ٹل گیا ہو —

اور سانن نے ایک بےخود کر دینے والی مسرت کا ریلا محسوس کیا، اس خیال پر اسے ایک طفلانہ مسرت کا احساس ہوا کہ وہ سپنے جو اس نے ان ہی کمروں میں بیٹھ کر دیکھے تھے اب حقیقت کا روپ دھارن کر رہے تھے، سچ مچ حقیقت بنتے جا رہے تھے — اس کا دل سرخوشی و سرمستی کے جذبات سے اس طرح لبالب تھا کہ اس کا جی چاہا کہ سیدھا دوکان میں چلا جائے — اس کا دل مچل رہا تھا کہ چند دن پہلے کی طرح وہ پھر کاؤنٹر کے پیچھے جا کر کھڑا ہو. . . "جانتے ہو مجھے ایسا کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے! میں اب سی خاندان کا چشم و چراغ ہوں!"

اور وہ واقعی کاؤنٹر کے پیچھے کھڑا ہو گیا اور گاھکوں کی مانگ پوری کرنے لگا، مطلب یہ کہ اس نے دو چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کے ھاتھ ایک پاؤنڈ مٹھائی بیچی یا یوں کہئے کہ ان کو پورے دو پاؤنڈ مٹھائیاں دیں اور ان سے پیسے لئے ایک پاؤنڈ کے —

کھانے کی میز پر وہ اپنی باضابطہ منگیتر جیما کے پہلو میں بیٹھا — فراؤ لینورے اب تک اپنے کاروباری سوالوں پر بات چیت کر رہی تھی — ایمیل جی کھول کر ھنستا اور سانن کے ساتھ روس جانے کے لئے اس کی ناک میں دم کرتا رہا — طے ھوا کہ سانن دو ھفتے میں روس روانہ ھوجائیگا — صرف پنتالیونے کے چہرے پر قدرے اداسی چھائی ھوئی تھی — اس پر فراؤ لینورے نے اس کی ٹانگ بھی لی:
"اور تم تھے اس کے گواہ!" پنتالیونے نے منہ بنایا —

اس پورے وقت میں جیما نے بہت کم بات چیت کی لیکن اس کا چہرہ اس سے پہلے اتنا دلآویز اور تابناک نظر نہ آیا تھا— کھانے کے بعد جیما نے سانن سے ایک لمحے کو باغ میں چلنے کے لئے کہا

اور اس بنچ کے پاس رکتے ہوئے جہاں دو دن پہلے وہ چیریاں چن رہی تھی بولی "مجھ سے خفا نہ ہونا دمتری، لیکن ایک بار پھر میں کہنا چاہتی ہوں کہ تم خود کو مجبور تصور نہ کرو. . ."

اس نے جیما کو جملہ پورا کرنے کا موقع نہ دیا۔

جیما نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"اور جو کچھ ممی نے کہا — تم جانتے ہو، وہ مذہب وغیرہ کے بارے میں — تو دیکھو! . ."

اس نے اپنی گردن میں لٹکتی ہوئی یاقوت کی صلیب کو پکڑا اور اتنے زور سے جھٹکا دیا کہ کڑی ٹوٹ گئی اور اس نے صلیب اس کے ہاتھ میں تھما دی۔

"اگر میں تمہاری ہوں تو تمہارا عقیدہ — میرا عقیدہ ہے!"

جب دونوں گھر کے اندر واپس آئے تو سانن کی آنکھیں نم تھیں۔

شام تک سب کچھ اپنے ڈھرے پر آ گیا۔ انہوں نے ترستے کا کھیل بھی کھیلا۔

۳۱

اگلی صبح سانن بہت تڑکے جاگ گیا۔ وہ انسانی انبساط کے نقطۂ عروج پر تھا۔ لیکن اس چیز نے اس کی نیند نہیں اڑائی۔ اس سوال نے اس اہم اور بنیادی سوال نے — کہ کس طرح جاگیر جلد از جلد اور فائدے کے ساتھ بیچی جائے، اس کے دل کا چین چھین لیا تھا اور نیند حرام کر دی تھی۔ اس کے دماغ میں طرح طرح کے منصوبے گڈمڈ ہو رہے تھے لیکن اب تک کوئی راہ نہیں سوجھی تھی۔ وہ تازہ ہوا کھانے اور دماغ کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے باہر نکل گیا۔ وہ ایک مکمل منصوبے کے ساتھ جیما کے سامنے پوری ثابت قدمی سے آنا چاہتا تھا۔

یہ آگے آگے کس کا ہیولا نظر آ رہا ہے — بھاری بھر کم، موٹے موٹے بدن ہاتھ کا، لیکن خوش پوش اور ہر قدم پر ذرا ڈولتا ہوا سا؟ آخر اس نے جھنڈولے موم جیسے نرم بالوں سے گھری ہوئی یہ گدی پہلے کہاں دیکھی تھی اور یہ سر جو لگتا تھا کہ کندھوں پر یونہی دھرا ہوا ہے، نرم اور موٹی پشت اور یہ گدگدے سے گول گول ہاتھ؟ کیا یہ ممکن ہے کہ یہ اس کا اسکول کا پرانا ساتھی پولوزوف ہو جو پچھلے پانچ برس سے اس کی نظروں سے اوجھل تھا؟ سانن نے اس کو جا لیا اور آگے بڑھنے کے بعد پلٹ کر دیکھا... چوڑا چوڑا سا زرد چہرہ، سور جیسی چھوٹی چھوٹی آنکھیں، سنہری پلکیں اور بھویں، چھوٹی سی چپٹی ناک، موٹے موٹے ہونٹ جو ایک دوسرے سے چپکے ہوئے معلوم ہوتے تھے، گول صاف شفاف دھلی ہوئی ٹھوڑی —— اور اس کے چہرے کی پوری کیفیت —— جھلاہٹ، کاہلی اور بے اعتمادی سے بھری ہوئی —— کیوں، یہ تو وہی تھا، ایپولیت پولوزوف!

"لو پھر میری قسمت کا ستارہ عروج پر ہے؟" سانن کے دماغ میں کوند گیا —

"پولوزوف! ایپولیت سیدورچ! کیا یہ تم ہی ہو؟"

ہیولا رک گیا، چھوٹی چھوٹی آنکھیں اٹھیں، ایک لمحے کو خاموشی رہی، آخر چپکے ہوئے ہونٹ کھلے اور ایک کھرجدار آواز گونج گئی:

"دمتری سانن؟"

"ہاں وہی ناچیز!" سانن چلایا اور اس نے پولوزوف کا ایک ہاتھ دبایا جو بھورے دستانے کے اندر اسی طرح بے جان رہا

جیسا کہ اس کے گدگدے پہلو میں لٹکتا نظر آ رہا تھا۔ "کیا تم یہاں بہت دنوں سے ہو؟ تم آئے کہاں سے؟ تم کہاں ٹھہرے ہوئے ہو؟"

"میں کل ویسبادن سے آیا" پولوزوف نے بہت آہستہ لہجے میں جواب دیا "میں اپنی بیوی کے لئے کچھہ خریداری کر رہا ہوں اور آج ھی ویسبادن واپس جا رہا ہوں۔"

"اوہ ھاں! تمہاری تو شادی ھو گئی! اور وہ بھی، لوگ کہتے ھیں، ایک زور دار حسینہ سے!"

پولوزوف نے آنکھیں پھیرلیں "ھاں، لوگ کہتے ھیں۔"

سانن ھنسا۔ "دیکھتا ھوں کہ تم ویسے ھی ٹھس کے ٹھس رھے جیسے تم اسکول کے زمانے میں تھے۔"

"اور میں بدلتا کیوں؟"

"لوگ یہ بھی کہتے ھیں" سانن نے "کہتے ھیں" پر ذرا زور دیتے ہوئے کہا "کہ تمہاری بیوی بڑی مال دار ھے۔"

"ھاں لوگ یہ بھی کہتے ھیں۔"

"اور کیا تم خود یہ نہیں جانتے ایپولیت سیدورچ؟"

"دیکھو بھائی میرے دمتری... پاولووچ؟ ھاں پاولووچ! میں اپنی بیوی کے معاملات میں دخل نہیں دیتا۔"

"تم دخل نہیں دیتے؟ کسی معاملے میں نہیں؟"

پولوزوف نے پھر اپنی نظریں دوسری طرف پھیرلیں۔ "نہیں یار کسی معاملے میں نہیں۔ وہ ــــ اپنی ڈگر پر چلتی ھے اور میں ــــ اپنی ڈگر پر۔"

"تم اس وقت کہاں جا رھے ھو؟" سانن نے پوچھا۔

"اس وقت میں کہیں نہیں جا رہا ہوں — میں سڑک پر کھڑا ہوں اور تم سے باتیں کر رہا ہوں — جب ہم بات چیت ختم کرلینگے تو میں واپس اپنے ہوٹل جاؤنگا اور ناشتہ کرونگا — "

"کیا میں تمہارے ساتھہ چل سکتا ہوں؟"

"تمہارا مطلب ہے ناشتے پر؟"

"ہاں — "

"ضرور چلو، کسی کے ساتھہ کھانے میں زیادہ لطف آتا ہے — تم بہت زیادہ باتونی تو نہیں ہو؟ ایں؟"

"نہیں میرا خیال ایسا نہیں ہے — "

"تو پھر آؤ — "

پولوزوف آگے بڑھا اور سانن اس کے ساتھہ ساتھہ چلنے لگا — سانن نے اپنے آپ سے پوچھا — پولوزوف کے ہونٹوں پر پھر مہر لگ گئی تھی اور وہ صرف خرخرا رہا تھا اور ہلتا ڈولتا چل رہا تھا — ایسے بھس بھری کھوپڑی والے آدمی نے ایک مال‌دار اور حسین بیوی کیوں کر پھانس لی؟ وہ خود نہ تو امیر تھا، نہ اس میں عقل اور چالاکی کا ایسا کوئی جوہر تھا — اسکول میں اس کو ایک بیوقوف، کاہل لڑکا سمجھا جاتا تھا، سونے کا انتہائی شوقین اور پیٹو — اس کا نام ہی پڑ گیا تھا "پیٹو" — اس کی وضاحت نہیں ہو سکتی!

"اور اگر اس کی بیوی واقعی اتنی دولت مند ہے — لوگ کہتے ہیں کسی قسم کے ٹھیکیدار کی بیٹی ہے — تو پھر وہ میری جاگیر کیوں نہیں خرید سکتی؟ وہ کہتا ہے اسے اپنی بیوی کے معاملات سے کوئی سروکار نہیں، لیکن یہ ناممکن ہے! اور میں ایک معقول اور کم قیمت بتاؤنگا — کیوں نہ قسمت آزمائی کی جائے؟ شاید اس

کا مطلب یہ ہو کہ میری قسمت کا ستارہ عروج پر ہے... چلو! میں قسمت آزمائی کرونگا!"

پولوزوف سانن کو فرانک‌فرٹ کے ایک بہترین ہوٹل میں لے گیا۔ یہ بتانا فضول ہے کہ یہاں اس نے سب سے نفیس کمرہ لے رکھا تھا۔ تمام میزوں اور کرسیوں پر گتے کے ڈبوں، لکڑی کے بکسوں اور گٹھریوں کا انبار لگا ہوا تھا... "یار یہ سب ماریا نکولائونا کے لئے ہے!" (ماریا نکولائونا پولوزوف کی بیوی کا نام تھا۔) اپنی ٹائی ڈھیلی کرکے کراہتے ہوئے پولوزوف ایک کرسی میں دھنس گیا "یہ گرمی!" پھر اس نے ہیڈ ویٹر کے لئے گھنٹی بجائی اور زور دار لذیذ ناشتے کا آرڈر دیا۔ "ایک بجے تک میری گاڑی تیار کرنے کے لئے کہو! سنا تم نے ٹھیک ایک بجے!"

ہیڈ ویٹر تعظیماً جھکا اور غلامانہ مسکراہٹ کے ساتھ غائب ہو گیا۔

پولوزوف نے اپنے ویسٹ کوٹ کے بٹن کھول لئے۔ وہ جس طرح بھوؤں کو اٹھا رہا تھا، نتھنوں کو پھڑکا اور ناک کو سکیڑ رہا تھا، اس سے صاف ظاہر تھا کہ اس کے لئے اس وقت بات کرنا ایک ناقابل برداشت بوجھ ہوگا۔ وہ ایک اضطرابی کیفیت کے ساتھ اس کا منتظر تھا کہ دیکھیں سانن اس کی اپنی زبان ہلانے پر مجبور کرتا ہے یا نہیں — بات چیت جاری رکھنے کی ذمہ داری اپنے اوپر لیتا ہے یا نہیں۔

سانن نے اپنے دوست کے موڈ کو تاڑ لیا اور اس کو اپنے سوالات سے ستانے سے باز رہا اور اس نے کم سے کم ضروری باتیں پوچھنے پر اکتفا کیا۔ اس کو معلوم ہوا کہ پولوزوف اولان (واقعی وردی

کے چھوٹے جیکٹ میں اس کا حلیہ قابل دید ہوتا ہوگا) میں دو برس فوجی خدمات انجام دے چکا ہے، تین برس پہلے اس کی شادی ہوئی اور اب ایک برس سے زیادہ ہوا کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھہ پردیس میں ہے "جو ویسبادن میں کسی قسم کا علاج کرا رہی ہے۔" وہاں سے ان کا ارادہ پیرس جانے کا تھا۔ سانن کو اس کے ماضی اور مستقبل کی زندگی کے بارے میں اس سے زیادہ جاننے کی ٹوہ نہ تھی۔ وہ سیدھے سیدھے اپنے مطلب کی بات پر آ گیا اور بتایا کہ اس کا ارادہ اپنی جاگیر بیچنے کا ہے۔

پولوزوف نے اس کی بات خاموشی سے سنی اور اس دوران میں وہ باربار اس دروازے کی طرف دیکھتا رہا جس سے ناشتہ آنے والا تھا۔ ہیڈ ویٹر اپنے دو ماتحت بیروں کے ساتھہ اندر آیا اور کئی پلیٹوں میں کھانے کی چیزیں لایا جن پر چاندی کے خوان پوش پڑے ہوئے تھے۔

"کیا تمھاری جاگیر تولا صوبے میں ہے؟" پولوزوف نے میز پر بیٹھتے ہوئے اور اپنی قمیص کے کالر میں کھانے کا رومال اٹکاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔"

"یفریموف ضلع... میں جانتا ہوں۔"

"تم الکسیئیوکا کو جانتے ہو؟" سانن نے بھی میز پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں میں جانتا ہوں۔" پولوزوف نے املٹ اور تروفل کا ایک پورا نوالہ منہ میں ٹھونستے ہوئے کہا۔ "میری بیوی —— ماریا نکولائیونا —— کی ایک جاگیر اس کے پڑوس میں ہی ہے... ویٹر

بوتل کا کاگ اڑاؤ! زمین اچھی ھے، لیکن تمھارے کسانوں نے ساری لکڑیاں کاٹ لی ھیں — تم اسے بیچنا کیوں چاھتے ھو؟"

"مجھے روپے کی ضرورت ھے، بھائی میرے — میں اسے سستی ھی بیچ دونگا — ھاں لیکن تم ھی کیوں نہیں خرید لیتے؟"

پولوزوف شراب کا پورا گلاس چڑھا گیا، رومال سے ھونٹ خشک کئے اور پھر شور مچاتے ھوئے کھانا چبانے میں محو ھو گیا —

"ھوں" اس نے آخر کہا — "میں جاگیریں نہیں خریدتا —— روپیہ نہیں! ذرا مکھن بڑھانا — ممکن ھے میری بیوی خرید لے — تمھیں اس سے بات کرنی چاھئے — اگر تم بہت زیادہ نہ مانگو تو شاید وہ خرید ھی لے — لیکن یہ جرمن بھی کیسے گدھے ھیں! یہ بھی نہیں جانتے کہ مچھلی کس طرح پکائی جاتی ھے! تم جانو اس سے آسان اور کوئی کام نہیں اور پھر بھی رٹ لگاتے نہیں تھکتے 'مادر وطن کو ضرور متحد ھونا چاھئے!'، ویٹر یہ کوڑا اٹھا کر لے جاؤ یہاں سے —"

"کیا تم یہ کہنا چاھتے ھو کہ تمھاری بیوی... سارا انتظام کرتی ھے، خود ھی ھر چیز کی دیکھ بھال کرتی ھے؟" سانن نے پوچھا —

"اوہ، ھاں — ھاں یہ کٹلٹ البتہ مزیدار ھیں — ذرا چکھو تو — میں تم سے کہہ چکا ھوں، دمتری پاولووچ، کہ میں اپنی بیوی کے کسی معاملے میں ٹانگ نہیں اڑاتا اور تم سے پھر کہتا ھوں —"

پولوزوف زور زور سے منہ میں بھرا ھوا نوالہ چباتا رھا —

"ھوں... لیکن میں اس سے کس طرح بات کروں ایپولیت سیدورچ؟"

"اس سے آسان بات اور کیا ہو سکتی ہے دمتری پاولووچ — ویسبادن چلے جاؤ— یہاں سے دور نہیں — ویٹر کیا تمہارے پاس انگریزی رئی کی چٹنی نہیں ؟نہیں؟ جانور! ہاں بس وقت برباد نہ کرو— ہم پرسوں جا رہے ہیں— آؤ تمہارے گلاس میں شراب انڈیل دوں میں —— یہ پھول کا رس ہے رس—— ہاں یہ سرکہ نہیں —"

پولوزوف کا چہرہ سرخ اور گرم ہو گیا — اس کا چہرہ صرف کھانا کھاتے یا پیتے وقت روشن ہو جاتا تھا —

"میں واقعی نہیں جانتا کہ کیا کروں؟" سانن بڑبڑایا —

"کیا تمہیں بیچنے کی اتنی جلدی ہے؟"

"یار یہی تو بات ہے، مجھے جلدی ہے!"

"اور کیا تمہیں ایک بڑی رقم کی ضرورت ہے؟"

"ہاں — میں . . . میں کس طرح بتاؤں تمہیں؟ میرے سر میں شادی کرلینے کا سودا سمایا ہے —"

پولوزوف نے شراب کا گلاس، جس کو وہ اپنے منہ سے لگائے ہوئے تھا، میز پر رکھا دیا —

"شادی!" اس نے کھرجدار آواز میں کہا، ایک ایسی آواز میں جو مارے حیرت کے بھاری ہو گئی تھی— اس نے اپنے دونوں گول گول ہاتھ اپنے پیٹ پر باندھ لئے — "یکایک؟"

"ہاں . . . بہت جلدی —"

"تمہاری منگیتر، ظاہر ہے کہ روس میں ہوگی؟"

"نہیں، وہ روس میں نہیں ہے —"

"تو پھر کہاں ہے وہ ؟"

"یہاں فرانک فرٹ میں —"

"اور وہ ہے کون؟"

"وہ ایک جرمن ہے، مطلب یہ کہ وہ اصل میں اطالوی ہے۔ وہ فرانک‌فرٹ کی رہنے والی ہے۔"

"کیا اس کے پاس دولت ہے؟"

"بالکل نہیں۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری محبت نے بہت زور باندھ رکھا ہے؟"

"بڑے مسخرے ہو تم۔ بےشک محبت شدید ہے۔"

"اور اسی کے لئے تمہیں روپیے کی ضرورت ہے؟"

"کیوں . . . ہاں اسی کے لئے۔"

پولوزوف نے اپنی شراب گلے سے اتاری، منہ صاف کیا، انگلیاں پانی میں ڈبوئیں، ان کو بڑی احتیاط سے رومال پر پونچھا اور ایک سگار اٹھا کر جلایا۔ سانن اس کو خاموشی سے دیکھتا رہا۔

"اور کوئی راستہ نہیں" پولوزوف نے اپنا سر پیچھے کی طرف جھٹکتے ہوئے اور منہ سے دھوئیں کے بہت ہی باریک چھلے اگلتے ہوئے بولا۔ "جاؤ اور میری بیوی سے ملو۔ وہ اگر چاہے تو وہ تمہاری ساری مصیبتیں دور کر سکتی ہے۔"

"لیکن میں ملوں کیوں کر؟ تم کہتے ہو کہ تم پرسوں چل دو گے۔"

پولوزوف نے آنکھیں بند کر لیں۔

"میں بتاؤں تمہیں" اس نے اپنے ہونٹوں کے درمیان سگار کو گھماتے ہوئے اور ایک ٹھنڈی سانس کھینچتے ہوئے کہا۔ "جاؤ اپنے گھر، اور جہاں تک جلدی ہو سکے اپنی چیزیں سمیٹو اور واپس

آجاؤ یہاں — میں ایک بجے جا رہا ہوں، میری گاڑی میں بہت کافی جگہ ہے — میں تمہیں اپنے ساتھ لے چلونگا — یہ سب سے اچھا رہیگا اور اب میں ذرا سوؤنگا — میرے بھائی، مجھے ہمیشہ کھانے کے بعد سونا پڑتا ہے — فطرت مطالبہ کرتی ہے اور میں فطرت سے نہیں لڑتا — اور تم بھی خلل نہ ڈالنا — "

سانن نے ایک لمحے کو سوچا —— اور دفعتاً اپنا سر اٹھایا: اس نے فیصلہ کر لیا تھا!

"اچھا! میں تیار ہوں ——تمہارا شکریہ! میں یہاں ساڑھے بارہ بجے پہنچ جاؤنگا اور ہم ایک ساتھہ ویسبادن چلینگے — مجھے امید ہے کہ تمہاری بیوی ناراض نہ ہوگی — "

لیکن پولوزوف تو خراٹے بھی لینے لگا تھا — "مجھے نہ ستاؤ!" بڑبڑاتے ہوئے اس نے بےچینی سے ٹانگیں ہلائیں اور جلد ہی ایک طفلانہ نیند میں کھو گیا —

سانن نے آخری بار اس کے بھاری جسم پر، اس کے سر، اس کی گردن، اس کی ابھری ہوئی ٹھوڑی پر نظر ڈالی جو سیب کی طرح گول تھی، اور ہوٹل سے باہر نکل گیا اور تیز تیز قدموں سے روسیلی کی دوکان کی طرف چلنے لگا — جیما کو آمادہ کرنا ضروری جو تھا —

۳۲

جب وہ دوکان پہنچا تو وہاں اسے جیما اور اس کی ماں ملیں — فراؤ لینورے جھکی ہوئی، فٹے سے، کھڑکیوں کے درمیان کی جگہ ناپ رہی تھی — سانن کو دیکھتے ہی وہ کھڑی ہوگئی اور خوش ہو کر اس کا خیرمقدم کیا — لیکن اس میں تھوڑی سی بوکھلاہٹ بھی شامل تھی—

"جب سے تم نے کل وہ سب کچھہ کہا ھے" وہ بولی "میرے دماغ میں دوکان کو بہتر بنانے کےلئے بھ'نت بھانت کے خیال آ رہے ھیں — میں نے سوچا کہ یہاں شیشے کے خانوں والی دو الماریاں جما دی جائیں — جانتے ھو آج اس کا فیشن ھو گیا ھے — اور پھر . . . "

"خوب، بہت خوب!" سانن نے بات کاٹ کر کہا "ان سب باتوں کے بارے میں ضرور سوچنا چاھئے . . . لیکن ادھر آؤ، مجھے کچھہ کہنا ھے — " اس نے اپنا ھاتھہ فراؤ لینورے اور جیما کی طرف بڑھایا اور ان کو پچھواڑے والے کمرے میں لے گیا — فراؤ لینورے ڈر گئی اور اس کے ھاتھہ سے فتہ گر گیا — جیما بھی شروع میں سہم سی گئی مگر سانن پر ایک نظر ڈالنے کے بعد اس کے دل کو ڈھاڑس بندھہ گئی — اس کے چہرے سے، جو گرچہ سنجیدہ تھا، ایک پر مسرت عزم جھلک رہا تھا —

اس نے ان دونوں سے بیٹھنے کے لئے کہا — وہ خود ان کے سامنے کھڑا رہا — اس نے اپنے بازوؤں کو ھلاتے ھوئے اور بالوں کو سہلاتے ھوئے سب کچھہ بتا دیا —— پولوزوف سے اپنی ملاقات، اپنے ویسبادن کے دورے اور جاگیر کے بیچنے کے امکان کے بارے میں — "تم سوچ نہیں سکتیں میں کتنا خوش ھوں!" اس نے آخر میں کہا "حالات نے کچھہ ایسا پلٹا کھایا ھے کہ اب شاید روس جانا بھی ضروری نہ رھے—— اور ھم توقع سے کہیں پہلے شادی کی تقریب ادا کر سکیں — "

"کب جانا ھے تمہیں ؟" جیما نے پوچھا —

"آج ھی —— ایک گھنٹے کے اندر — میرے دوست نے ایک گاڑی کرائے پر لے لی ھے — وہ مجھے اپنے ساتھہ لے جائیگا — "

"کیا تم ہمیں خط لکھوگے ؟ "

"ایک لمحہ ضایع کئے بغیر ! جیسے ہی اس خاتون سے میری بات ہوگی —— میں تمہیں لکھونگا — "

"تم کہتے ہو، وہ بہت مال دار ہے —— وہ عورت ؟ " دنیادار فراؤ لینورے نے پوچھا —

"بے پناہ دولت ہے اس کے پاس ! اس کا باپ لکھہ پتی تھا —— اور وہ ساری دولت اس کے لئے چھوڑ گیا — "

"سب اس کے لئے ؟ اچھا تو یہ تمہاری قسمت ہے — لیکن دیکھو اپنی جاگیر بالکل اونے پونے نہ بیچ دینا — ثابت قدمی اور عقل مندی سے کام لینا — جذبات میں مت بہہ جانا ! میں جانتی ہوں کہ تم جلد از جلد جیما کے دولہا بننے کو بے قرار ہو . . . لیکن خبردار! یہ یاد رکھنا کہ تمہیں جاگیر کا جتنا زیادہ ملیگا اتنا ہی زیادہ تمہارے لئے —— اور تمہارے بچوں کے لئے بہتر ہوگا — "

جیما نے شرما کر منہ پھیرلیا اور سانن نے ہاتھہ ہلا کر کہا "تم، میری سوجھہ بوجھہ پر بھروسہ کرسکتی ہو فراؤ لینورے! میں مول تول کرنا نہیں چاہتا — میں ایک مناسب قیمت بتا دونگا اور اگر وہ اس کو قبول کرلے تو چشم ما روشن، دل ما شاد — ورنہ پھر وہ اپنا راستہ لے اور میں اپنا — "

"کیا تم اس خاتون کو جانتے ہو؟" جیما نے پوچھا —

"کبھی دیکھا نہیں اسے — "

"اور تم واپس کب آؤگے ؟ "

"اگر اس پورے ہنگامے کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا تو پرسوں — اگر معاملہ اچھی طرح چل نکلا تو شاید مجھے ایک دو دن رکنا

پڑے — بہر حال، میں ایک لمحہ بھی برباد نہیں کرونگا — تم جانو میں اپنا دل یہاں چھوڑے جا رہا ہوں — لیکن دیکھو تو میں یہاں گپ کرتا رہا ہوں اور مجھے روانہ ہونے سے پہلے ہوٹل بھی جانا ہے . . . آؤ تم مجھے اپنا ہاتھہ دو کہ شگون اچھا ہو فراؤ لینورے—— ہم روس میں ہمیشہ ایسا ہی کرتے ہیں — "

"دایاں یا بایاں ؟ "

"بایاں ہاتھہ دل سے قریب ہے — میں پرسوں واپس آجاؤنگا —— تاج کے ساتھہ یا بےتاج — میرا دل کہھ رہا ہے : میں فتح یاب لوٹونگا ! خدا حافظ، میری اچھی عزیزو ! "

اس نے فراؤ لینورے کے گلے میں ہاتھہ ڈالا اور بوسہ دیا لیکن اس نے جیما سے کہا کہ ذرا اپنے کمرے میں چلو—— اسے اس سے کوئی بہت ہی ضروری بات کہنی تھی . . . اور سچ یہ ہے کہ وہ صرف اسے تنہائی میں الوداع کہنا چاہتا تھا — فراؤ لینورے بھانپ گئی اور یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ یہ اہم بات ہے کیا —

سانن اس سے پہلے کبھی بھی جیما کے کمرے میں نہیں گیا تھا — جب اس نے دہلیز کے اندر قدم رکھا تو اس کے اندر محبت کا سارا جادو، اس کا شعلہ، اس کی سرمستی و بے خودی، اس کی تمام شیریں سرا سیمگی بیدار ہو گئی اور اس کے دل میں دھڑک اٹھی . . . اس نے جذبات کے ساتھہ چاروں طرف دیکھا اور اس دل‌ربا حسینہ کے قدموں میں گر پڑا اور اپنا چہرہ اس کی کمر میں چھپا لیا —

"کیا تم میرے ہو؟" جیما نے سرگوشی کرتے ہوئے پوچھا "تم جلدی لوٹ آؤگے؟"

"میں تمہارا ہوں . . . میں لوٹ آونگا-" اس نے ہانپتے ہوئے کہا-

"میری جان، میں تمہارا انتظار کرتی رہونگی-"

چند منٹ بعد سانن اپنے ہوٹل کی طرف تیز تیز قدموں سے بھاگا جا رہا تھا- اسے پنتالیونے کا پتہ بھی نہ چلا جو اس کے پیچھے پیچھے دوکان کے دروازے تک آیا تھا اور اب اپنے ملے دلے کپڑوں اور بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ کھڑا پکار پکار کر، اور اپنا ہاتھ اٹھا اٹھا کر کچھ کہہ رہا تھا جیسے اسے دھمکی دے رہا ہو-

---

سانن ٹھیک پون بجے پولوزوف کے سامنے آن دھمکا- ایک گاڑی، جس میں چار گھوڑے جتے ہوئے تھے فوراً ہی ہوٹل کے سامنے آکر رکی- سانن کو دیکھہ کر پولوزوف نے صرف اتنا کہا "تو تم نے فیصلہ کر لیا" اپنی ہیٹ اوڑھی، اورکوٹ اور جوتوں پر برساتی جوتے پہنے، اپنے کانوں میں روئی کے پھائے ٹھونسے (حالانکہ گرمیوں کا سا موسم تھا) اور نکل کر برساتی میں آیا- اس کے حکم کی تعمیل میں ویٹروں نے اس کی خریداری کا ان گنت سامان گاڑی میں ڈال دیا تھا اور جہاں پولوزوف کو بیٹھنا تھا، اس کے چاروں طرف ریشمیں تکیئے، تھیلے اور بنڈل جما دئے تھے، کچھہ کھانے کا سامان اس کے قدموں میں رکھہ دیا تھا اور ایک بکس کوچبان کی جگہ پر باندھہ دیا تھا- ان خدمات کے لئے پولوزوف نے ہاتھہ کھول کر بخشش دی اور غل مچاتے ہوئے گاڑی میں سوار ہوا اور دربان نے پیچھے سے نہایت عاجزی اور نرمی کے ساتھہ اسے دھکیل کر چڑھنے میں مدد دی- اس نے خود کو اپنی جگہ پر جما لیا، اور بہت سے پیکٹوں

کو اپنے چاروں طرف آرام سے رکھه لیا، ایک سگار نکالا اور سلگایا اور تب جا کر اس نے سانن کو دیکھا جیسے کہنا چاھتا ھو که "تم بھی اندر آ جاؤ!" سانن اس کے پہلو میں بیٹھه گیا – پولوزوف نے گھوڑ سوار چوکیدار کے ذریعه کوچبان سے کہلوایا که اگر اسے بخشش کی تمنا ھے تو پھر ذرا ڈھنگ سے گاڑی ھانکو – گاڑی کا زینه بجا، دروازہ بند ھوا اور گاڑی چل پڑی –

۳۳

آج کے زمانے میں، ریل گاڑی کے ذریعه فرانک‌فرٹ سے ویسبادن جانے میں ایک گھنٹے سے بھی کم وقت لگتا ھے – اس زمانے میں ڈاک کی اکسپریس گاڑیاں بھی یه فاصله تین گھنٹے میں طے کرتی تھیں – کم از کم پانچ مرتبه گھوڑے بدلے جاتے تھے –

ممکن ھے که پولوزوف اونگھه رھا ھو یا شاید وہ یونہی ھونٹوں کے درمیان سگار دبائے ھل ڈول رھا تھا – مشکل سے اس نے ایک آدھه بات کی ھوگی – اس نے ایک بار بھی کھڑکی سے باھر جھانک کر نه دیکھا – رنگا رنگ خوش نما مناظر سے اسے کوئی دلچسپی نه تھی اور اس نے بےدھڑک اعلان کر دیا که قدرتی مناظر تو اس کے لئے زھر ھیں – سانن نے بھی بات چیت نه کی – اس نے بھی اپنا وقت قدرتی مناظر سے لطف اندوز ھونے میں نہیں ضائع کیا –– اسے اور بہت سی دوسری چیزوں کے بارے میں سوچنا تھا – اس نے خود کو بالکل خیالات اور یادوں کے بیچ دھارے میں چھوڑ دیا – ھر چوکی پر پولوزوف ٹھیک ٹھیک کرایه ادا کرتا، اپنی گھڑی کا وقت وھاں کی گھڑی سے ملاتا اور گھوڑ سوار کوچبان کو اس کے جوش و خروش

اور خدمت کے مطابق جی کھول کر انعام و اکرام دیتا — جب آدھا راستہ طے ہو گیا تو اس نے تھیلے سے دو سنترے نکالے، اچھا والا اپنے لئے چنا اور دوسرا سانن کی طرف بڑھا دیا — سانن نے غور سے اپنے هم سفر کو دیکھا اور بے تحاشہ قہقہہ لگانے لگا —

"کس بات پر ھنس رھے ھو تم ؟ " پولوزوف نے اپنے چھوٹے چھوٹے سفید ناخنوں سے احتیاط کے ساتھہ سنترے کا چھلکا اتارتے ہوئے پوچھا —

"میں ؟" سانن نے جواب دیا — "میں اپنے اس سفر پر ھنس رھا ھوں — "

"کیا بات ھے اس میں ؟" پولوزوف نے سنترے کی ایک ھلالی پھانک منه میں ڈالتے ہوئے پوچھا —

"یه اتنا عجیب معلوم ھوتا ھے — میں نے کہا کل تک تم میرے وھم و خیال میں اسی قدر تھے جتنا که شہنشاہ چین —— اور آج میں تمہارے ساتھہ گاڑی میں بیٹھا تمہاری بیوی کے ھاتھہ جس کے بارے میں مجھے کچھہ بھی معلوم نہیں اپنی جاگیر بیچنے جا رھا ھوں —"

"آدمی کچھہ نہیں جانتا" پولوزوف نے کہا — "اور ذرا عمر پالو تو پھر تمہیں کسی چیز پر حیرت نہیں ھوگی - مثال کے طور پر تم ایک اردلی افسر کی حیثیت سے گھوڑے پر سوار، میرا تصور کر سکتے ھو؟ لیکن میں ایک اردلی افسر تھا اور وہ عظیم ڈیوک میخائل پاولووچ حکم چھانٹتا "اس موٹے جمعدار کو دلکی دوڑاؤ! اور تیز دوڑاؤ! اور تیز!"

سانن نے اپنے سر کے پیچھے کھجایا۔

"ایپولیت سیدورچ ذرا بتاؤ تو سہی تمہاری بیوی کیسی ہے؟ اس کا مزاج کیسا ہے؟ مجھے کچھ تو اس کے بارے میں معلوم ہو۔"

"اس کے لئے مجھے تیز دوڑنے کا حکم دینا بہت خوب تھا" پولوزوف نے غیر متوقع تیزی کے ساتھ کہا "لیکن میں؟.. میں خود سوچتا: عہدے اور فوجی نشانوں کو سات سلام! مجھے ان کی ضرورت نہیں! اوہ میری بیوی؟ وہ تمام انسانوں کی طرح انسان ہے — ہاں تمہیں وہ اونگھتے ہوئے نہ دیکھ پائے — اسے یہ بات ذرا نہیں بھاتی — اصل چیز ہے کہ بات کرتے رہو — اس کو ہنسنے کا سامان فراہم کرتے رہو — اس کو اپنی محبت کا قصہ سناؤ — اور اسی قسم کی چیز . . . لیکن اس کو ذرا دلچسپ بنا کر پیش کرنا . . . ہاں —"

"دلچسپ ؟"

"کیوں — ہاں، کیا تم نے یہ نہیں بتایا تھا کہ تمہیں محبت ہو گئی ہے اور تم شادی کرنا چاہتے ہو؟ بس اس کے بارے میں اسے سب کچھ بتانا —"

سانن کو یہ بات بری لگی "اس میں تمہیں تفریح کی کیا بات معلوم ہوتی ہے ؟"

پولوزوف نے صرف اپنی آنکھیں گول گول کرکے گھمائیں — سنترے کا رس رال کی طرح اس کی ٹھوڑی سے ٹپک رہا تھا —

"کیا تمہاری بیوی نے تمہیں اپنا سامان خریدنے کے لئے فرانکفرٹ بھیجا تھا؟" سانن نے ذرا رک کر پوچھا —

"ھاں اسی نے بھیجا تھا —"

"اور وہ سامان کس قسم کا تھا ؟"

"کھلونے، اور کیا —"

"کھلونے؟ کیا تمھارے بچے بھی ھیں ؟"

پولوزوف، سانن سے کافی کھسک گیا —

"کیا؟ کیوں میرے بچے کیوں ھوتے؟ عورت کے بناؤ سنگار کی چیزیں . . . ڈھکوسلے، — ٹھاٹ باٹ اور آرایش کی چیزیں، تم نہیں جانتے ! "

"اور تم اس قسم کی چیزوں کو سمجھتے ھو؟"

"ھاں سمجھتا ھوں —"

"لیکن کیا تم نے یہ نہیں کہا تھا کہ تمھیں اپنی بیوی کے معاملات سے کوئی سروکار نہیں؟"

"میرا مطلب اس کے دوسرے قسم کے معاملات سے تھا — یہ تو ٹھیک ھے — میں اس قسم کے کام اس لئے کرتا ھوں کہ اس سے بہتر کام کرنے کو ھے نہیں — میری بیوی میرے ذوق پر بھروسہ کرتی ھے — مول تول کرنے میں تو میں یکتا ھوں یکتا —"

پولوزوف کی آواز میں لڑکھڑاھٹ پیدا ھونے لگی تھی — وہ تھک گیا تھا —

"اور کیا تمھاری بیوی بڑی مال‌دار ھے ؟"

"وہ مال دار ضرور ھے — لیکن زیادہ تر وہ اپنا روپیہ خود ھی رکھتی ھے —"

"جہاں تک مجھے نظر آتا ھے تم کسی قسم کی شکائت نہیں کر سکتے —"

"میں اس کا شوہر ہوں، ہے نا؟ میں سنہرا موقع کیوں ہاتھہ سے جانے دوں؟ اس کے علاوہ میں اس کے لئے بہت کارآمد ہوں — میں ایک خزانہ ہوں — میں ایک بہت ہی آرام دہ میاں ہوں —"

پولوزوف نے ریشمیں رومال سے منہ پونچھا — "مجھہ پر ترس کھاؤ!" وہ التجا کرتا ہوا معلوم ہو رہا تھا "اب مجھے ایک لفظ بھی کہنے پر مجبور نہ کرنا! تم جانتے ہو میرے لئے یہ کتنا دشوار ہے!"

سانن نے اس کو اپنے حال پر چھوڑا اور خود اپنے سپنوں میں کھو گیا —

ویسبادن کے جس ہوٹل کے سامنے گاڑی جا کر رکی وہ محل سے کم نہ تھا — اس کے اندر سے گھنٹی کے بجنے کی آواز آئی اور ساتھہ ہی ایک غلغلہ سا اٹھا — دیکھنے میں بڑے باعزت قسم کے لوگ، لمبے لمبے کالے کوٹ پہنے ہوئے بڑے پھاٹک کے آس پاس نظر آئے — ایک دربان نے جس کی سونے کی پیٹی چمک رہی تھی، گاڑی کا دروازہ ایک خاص شان سے کھولا —

پولوزوف ایک فاتح اور غازی کی شان سے اترا اور ایک خوشبودار زینے پر چڑھنے لگا جس پر غالیچہ بچھا ہوا تھا — ایک شخص، جو اسی طرح خوش پوش تھا اور جس کا چہرہ روسی تھا، لپکتا ہوا اس کا خیر مقدم کرنے کو بڑھا —— یہ اس کا خدمتگار تھا — پولوزوف نے اس سے کہا کہ آئندہ وہ ہمیشہ اس کو اپنے ساتھہ لے جائیگا کیوں کہ پچھلے دن فرانکفرٹ میں اسے رات بغیر گرم پانی کے گزارنی پڑی تھی — خدمتگار کے چہرے پر ڈر سے ہوائیاں اڑنے لگیں

اور وہ بڑے اشتیاق سے جھٹ اپنے مالک کے برساتی جوتے اتارنے کے لئے جھک گیا۔

"کیا ماریا نکولائونا گھر پر ہیں؟" پولوزوف نے پوچھا۔

"جی حضور۔ مادام لباس تبدیل فرما رہی ہیں۔ وہ کاؤنٹس لاسونسکایا کے ساتھہ کھانا کھانے جا رہی ہیں۔"

"اوہ، وہ! ایک منٹ رکنا۔ وہاں گاڑی میں کچھہ چیزیں ہیں تم خود ہی ساری چیزیں اٹھا لاؤ۔ اور تم دمتری پاولووچ" اس نے کہا "تم اپنے لئے ایک کمرہ لے لو اور چالیس پنتالیس منٹ میں میرے پاس آؤ۔ تم کھانا میرے ساتھہ ہی کھاؤگے۔"

پولوزوف ہلتا ڈولتا چلا گیا اور سانن نے ایک سستا پھستا کمرہ کرائے پر لے لیا۔ وہاں اس نے ہاتھہ منہ دھویا اور تھوڑی دیر آرام کیا۔ اس کے بعد وہ اس کشادہ سے سوٹ میں واپس آیا جہاں عالی جاہ (Durchlaucht) شہزادہ فون پولوزوف قیام فرما تھے۔

اس نے، اس "شہزادے" کو، بڑے سے کمرے کے بیچوں بیچ ایک زرقِ برق مخمل کی آرام کرسی میں دراز پایا۔ سانن کا بلغمی دوست نہا چکا تھا اور اب ساٹن کے ایک شاندار گاؤن میں ٹھاٹ سے بیٹھا تھا۔ اس کے سر پر ایک سرخ ٹوپی تھی۔ سانن اس کے پاس گیا اور چند منٹ تک خاموشی سے اس کا جائیزہ لیتا رہا۔ پولوزوف بت بنا بے حس و حرکت بیٹھا تھا۔ نہ تو اس نے سانن کی طرف اپنا سر پھیرا، نہ بھویں اٹھائیں اور نہ منہ سے ایک آواز نکالی۔ حقیقت یہ ہے کہ سارا انداز بڑا شاہانہ تھا۔ سانن ایک دو منٹ تک گھورتا رہا اور وہ اب اس مقدس خاموشی کو توڑنے ہی والا تھا کہ یکایک دوسرے کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک جوان اور خوبصورت عورت

دهلیز پر نمودار هوئی — وہ سفید ریشمیں لباس میں تھی، جس پر سیاہ جھالر ٹنکا هوا تھا، اس کی انگلیوں میں هیرے کی انگوٹھی اور گردن میں هیرے کا هار جگمگا رها تھا —— یہ تھی خود ماریا نکولائیونا پولوزووا — اس کے سفیدی مائل گھنے بھورے بال، چهرے پر پڑے هوئے تھے — اس نے چوٹیاں تو بنا لی تھیں لیکن ابھی جوڑا بننا باقی تھا —

۳٤

"اوہ معاف کیجئیے گا!" اس نے کچھ بوکھلاهٹ اور کچھ تمسخر کے ساتھ مسکراتے هوئے، اور ساتھ هی ایک چوٹی کی پھننگل کو اٹھاتے هوئے اور اپنی بھوری چمکتی هوئی آنکھوں کو سانن پر جماتے هوئے کہا — "میں نہیں جانتی تھی کہ تم یہاں هونگے —"

"سانن، دمتری پاولووچ —— میرا بچپن کا دوست" پولوزوف نے کہا — اس نے اب بھی نہ اپنا سر هلایا اور نہ اٹھایا — بس ذرا سا سانن کی طرف اشارہ کر دیا —

"هاں، میں جانتی هوں . . . تم نے بتایا تھا — خوشی هوئی تم سے مل کر — لیکن میں تم سے یہ کہنا چاهتی تھی ایپولیت سیدورچ . . . وہ میری کنیز کچھ ایسی حماقت کر رهی هے کہ کیا بتاؤں —"

"تمهارے بال سنوارنے هیں نا؟"

"اگر تمهیں اعتراض نہ هو تو . . . معاف کرنا —" ماریا نکولائیونا نے پہلے کی طرح مسکراتے هوئے اور سانن کی طرف سر هلاتے هوئے دهرایا — وہ جلدی سے مڑی اور دروازے میں غائب هو گئی اور اپنے پیچھے، ایک حسین گردن، دل آویز شانوں اور نہائت لطیف و نازک کمر کا گریزاں سا تصور چھوڑ گئی —

پولوزوف، هلتا ڈولتا اور سوچتا ہوا اٹھا، اور اسی دروازے سے اندر چلا گیا۔

سانن کو اس میں ذرا بھی شبہہ نہ تھا کہ خاتون خانہ کو اس کا اچھی طرح علم تھا کہ وہ "شہزادہ پولوزوف" کے سیلون میں موجود ہے اور وہ محض اپنے بالوں کا حسن دکھانا چاہتی تھی جو واقعی قاتل تھے۔ سانن دل ہی دل میں مادام پولوزووا کے اس ہتکنڈے پر خوش ہوا — اگر وہ مجھے متاثر کرنا چاہتی ہے، اگر وہ اپنے حسن کا جادو مجھہ پر چلانا چاہتی ہے، تو شاید اس کا مطلب یہ ہے کہ جاگیر کا دام چکانے میں زیادہ دردسر نہیں پیدا کریگی! اس کا دل جیما کے خیال سے اتنا زیادہ معمور تھا کہ دنیا بھر کی عورتیں اس کے لئے کوئی حیثیت نہ رکھتی تھیں، وہ ان کو آنکھہ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا۔ اس بار بھی اس نے صرف یہ سوچنے پر اکتفا کیا "لوگوں نے جو کہا تھا کہ یہ عورت ایک قیامت ہے تو سچ ہی کہا تھا!"

اگر اس وقت اس کے دماغ پر اس بےخودی کا عالم طاری نہ ہوتا تو اس کا ردعمل کچھہ اور ہوتا — ماریا نکولائونا پولوزووا جو شادی سے پہلے کولشکینہ تھی ایک نہائت ہی اچھوتی شخصیت کی مالک تھی۔ اس وجہ سے نہیں کہ وہ ایک بےمثال حسینہ تھی — یقینی اس کے چہرے میں گنوارو پس منظر کی چھاپ کو بھانپ لینے میں ذرا دشواری نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی پیشانی ذرا نیچی تھی، ناک موٹی اور اوپر کو اٹھی ہوئی۔ اور نہ تو اسے اپنی جلد کی نزاکت اور ہاتھوں اور پیروں کی خوبصورتی اور کشش کا غرہ ہو سکتا تھا۔ لیکن اس میں دھرا کیا تھا؟ وہ کوئی

ایسی حسینہ نہیں تھی جسے پشکن نے "حسن کی دیوی" کا نام دیا تھا ــــ ایسی دیوی جس کو کوئی دیکھے تو بس دیکھتا رہ جائے ــ یہ رعنائی اور دلبری اس کی زوردار جنسی کشش تھی ــــ روسی اور خانہ بدوش خون کا دو آتشہ ــــ جس کو دیکھتے ہی وہ ٹھٹک کر رہ گیا اور وہ بھی خوشی سے ــ

مگر سانن، جیما کی موہنی صورت کی پناہ میں تھا، جیسا کہ پہلے زمانے کے شاعروں نے کہا تھا ــ

دس منٹ کے بعد، ماریا نکولائونا، اپنے شوہر کے ساتھہ دو بارہ نمودار ہوئی ــ وہ سانن کے پاس گئی ــ اس کے طرز خرام ہی میں وہ بات تھی جس نے پرانے زمانے میں پتہ نہیں کتنوں کے ہوش و حواس پر بجلیاں گرائی تھیں اور ان کو دیوانہ بنا دیا تھا ــ اسی قسم کے ایک دیوانے نے کہا تھا کہ "وہ عورت تمہارے پاس کچھہ اس انداز سے آتی ہے جیسے اپنے دامن میں تمہاری زندگی کی ساری مسرتیں بٹورے لئے چلی آ رہی ہو"ــ اس نے سانن کے قریب پہنچ کر اپنا ہاتھہ بڑھایا اور روسی زبان میں ایک ایسی آواز میں بولی جس میں بیک وقت چمکار بھی تھی اور ایک ان کہی بات بھی "تم میرا انتظار کروگے، ہے نا؟ میں جلد ہی واپس آجاؤنگی ــ"

سانن تعظیماً جھکا لیکن ماریا نکولائونا دروازے کے پردے کے پیچھے گلیارے میں پہنچ چکی تھی اور جاتے جاتے اور غائب ہوتے ہوتے اس نے اپنے کندھے پر سے ایک بار پھر پلٹ کر دیکھا اور مسکرائی اور اپنے پیچھے وہی دل‌ربا اور پر کشش تاثر چھوڑ گئی ــ

جب وہ مسکراتی تو اس کے رخساروں میں، ایک نہیں، دو نہیں، تین تین موہنیاں پیدا ہو جاتیں اور اس کی آنکھیں اس کے

ہونٹوں سے زیادہ مسکراتیں، وہ اس کے پھیلے ہوئے سرخ رسیلے ہونٹ جن کے بائیں کنارے پر دو تل پہرہ دے رہے تھے۔

پولوزوف ہلتا ڈولتا کمرے میں آیا اور ایک بار پھر آرام سے اپنی کرسی میں ڈٹ گیا۔ وہ ہمیشہ کی طرح خاموش تھا لیکن اس کے نرم نرم اور وقت سے پہلے جھریوں سے بھرے ہوئے گالوں کے درمیان ایک عجیب قسم کا نیم تبسم پر پھڑ پھڑا رہا تھا۔

وہ خاصا عمر رسیدہ نظر آ رہا تھا حالانکہ وہ سانن سے صرف تین سال بڑا تھا۔

اس نے اپنے مہمان کی خاطر تواضع جیسے پر تکلف انداز سے کی وہ بڑے سے بڑے پیٹو کی طبیعت سیر کرنے کے لئے کافی تھا لیکن سانن کو اس کا سلسلہ کبھی نہ ختم ہونے والا اور پریشان کن معلوم ہوا۔ پولوزوف نے آہستہ آہستہ کھایا ''جذبے، سمجھداری اور خاصی تند ہی کے ساتھ'' جیسا کہ پڑھنے والوں سے لوگ کہتے ہیں۔ وہ بڑی توجہ سے اپنی پلیٹ پر جھکا ہوا تھا اور ہر لقمے کو منہ میں رکھنے سے پہلے وہ اسے سونگھ ضرور لیتا تھا۔ اس نے اپنا منہ شراب سے صاف کیا اور پھر شراب کا گھونٹ گلے سے اتار لیا اور اس کے بعد اپنے ہونٹ چاٹے... لیکن جب بھنا ہوا گوشت لایا گیا تو یکایک اس نے بولنا شروع کر دیا ـــ اور باتیں بھی کس چیز کے بارے میں کیں؟ مرینوں بھیڑ کے بارے میں جس کا پورا غول کا غول وہ خرید لینا چاہتا تھا ـــ اس نے اس کا ذکر بڑی تفصیل، بڑے پیار اور چاؤ سے کیا۔ بات بات پر کہتا کہ یہ بھیڑیں کتنی بھولی، کتنی معصوم اور ننھی ننھی سی ہوتی ہیں۔ جب وہ قریب قریب کھولتی ہوئی کافی کا ایک پورا پیالہ پیٹ میں انڈیل

چکا (اس نے کئی بار ویٹر کو گلوگیر جھنجلاہٹ کے ساتھہ یاد دلایا تھا کہ کل اسے ٹھنڈی کافی ملی تھی — ''برف کی طرح ٹھنڈی کافی!'') اور اپنے پیلے پیلے اور ٹیڑھے ٹیڑھے دانتوں سے ہوانا سگار کا کونا کتر چکا تو اپنی عادت کے مطابق اونگھہ گیا اور سانن کو اس سے بڑی خوشی ہوئی — وہ کمرے میں ٹہلنے لگا — اس کے قدموں کی چاپ موٹے قالین میں ڈوب کر رہ گئی — وہ جیما کے ساتھہ مستقبل کے خواب دیکھنے لگا اور اس خوش‌خبری کے بارے میں سوچنے لگا جو وہ جا کر جیما کو سنائیگا — لیکن پولوزوف، بقول خود، معمول سے پہلے اٹھہ گیا — وہ صرف ڈیڑھہ گھنٹے سویا تھا — اس نے ایک گلاس برف کا پانی پیا اور سات اٹھہ چمچے مربہ، خالص روسی مربہ اڑایا جو اس کا خدمتگار ''کیئف'' کے ایک مرتبان میں لایا تھا — اس نے کہا کہ وہ اس پرلطف چیز کے بغیر زندہ ھی نہیں رہ سکتا — اس کے بعد اس نے اپنی بھاری بھاری پپوٹوں والی آنکھیں سانن کی طرف اٹھائیں اور اسے ''دوراکی''* کھیلنے کی دعوت دی — سانن خوشی سے تیار ہو گیا — ورنہ وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں پولوزوف پھر اپنے بھیڑ کے بچوں اور بھیڑوں وغیرہ کا ذکر نہ لے بیٹھے — میزبان اور مہمان ڈرائنگ روم میں چلے گئے، ویٹر تاش کے پتے اٹھا لایا اور کھیل شروع ہوا — ہاں وہ پیسے کی بازی نہیں کھیل رہے تھے —

جب ماریا نکولائونا کاؤنٹس لاسونسکایا کے یہاں سے واپس آئی تو اس نے ان دونوں کو اس معصوم وقت گزاری میں منہمک پایا —

---

* احمق — تاش کا ایک پرانا کھیل =

اس نے تاش کی میز اور تاش کے پتوں کو دیکھہ کر زور سے قہقہہ بلند کیا — سانن اپنی جگہ سے اچھلا لیکن وہ چلائی: "چالو رہے چالو رہے —— میں کپڑے بدل کر آتی ہوں تمہارے پاس!،، وہ اپنے کپڑے سرسراتی اور دستانے اتارتی ہوئی وہاں سے چل دی —

اور وہ واقعی بہت جلد واپس آگئی — اس نے اپنا لطیف لباس اتار دیا تھا اور اب سرخ رنگ کا ایک ڈھیلا ڈھالا ریشمیں گاؤن پہن لیا تھا جو کمر پر ایک پیٹی سے بندھا ہوا تھا — وہ اپنے شوہر کے پاس بیٹھہ گئی اور اس وقت تک بیٹھی رہی جب تک کہ اس کو ''احمق،، کا نعرہ لگانے پر مجبور نہ ہونا پڑا — اس نے کہا ''بس کافی ہو گیا میرے موٹومل! (لفظ موٹومل پر سانن نے ماریا نکولائونا کی طرف دیکھا، لیکن وہ صرف خوش خوش مسکراتی رہی — اس نے طراری سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں، اور اپنی ساری موہنیوں کی آنکھہ مچولی سی مچا دی —) بس کافی ہو گیا، میں دیکھہ رہا ہوں کہ تم نیند کے ماتے ہو رہے ہو — میرا ہاتھہ چومو اور چل دو — میں اور موسیو سانن تھوڑی سی بات چیت کرینگے —،،

"مجھے نیند نہیں آ رہی ہے" پولوزوف نے اپنے بھاری بھرکم جسم کو اٹھاتے ہوئے اپنی آواز کو کھینچ کر کہا "لیکن تم چاہتی ہو تو میں چلا جاؤنگا اور تمہارے ہاتھہ کو بوسہ بھی دونگا — "

اس نے ہتیلی اوپر کرتے ہوئے اپنا ہاتھہ اس کی طرف بڑھایا اور اس پورے وقت میں وہ مسکراتی ہوئی سانن کو گھورتی رہی —

پولوزوف نے بھی اس کی طرف دیکھا اور اس کو شب‌بخیر کہے بغیر وہاں سے چلا گیا —

"آؤ اور اب سب کچھ بتاؤ اس کے بارے میں!" ماریا نکولائونا نے بڑے چاؤ سے کہا اور کہنیاں میز پر جما کر دونوں ہاتھوں کے ناخنوں کو ایک دوسرے پر بجانے لگی - "کیا لوگ ٹھیک کہتے ہیں کہ تم شادی کرنے والے ہو؟"

ماریا نکولائونا نے بولتے ہوئے اپنا سر ایک طرف جھکا لیا تا کہ سانن کی آنکھوں میں اچھی طرح گھور کر دیکھے اور تھاہ پائے -

۳۵

اگر اس آزادی اور بےتکلفی میں اسے اپنے منصوبوں کے سلسلے میں ایک اچھا شگون نظر نہ آتا تو غالباً وہ مادام پولوزووا کی طرف سے اس بے تکلف طرز عمل پر حیران اور پریشان ضرور ہوتا - ویسے اس میدان میں وہ کوئی اناڑی نہیں تھا اور ہر قسم کے لوگوں سے شانہ رگڑ چکا تھا اور گھاٹ گھاٹ کا پانی پی چکا تھا - "میں خاتون کی من ترنگ کو ذرا ہوا دونگا" اس نے فیصلہ کیا اور اسی طراری سے جواب دیا جس طراری سے سوال کیا گیا تھا "ہاں میں شادی کر رہا ہوں - "

"کس سے؟ پردیسی لڑکی سے؟"

"ہاں -"

"تم اس سے بہت زیادہ دنوں سے تو واقف نہ ہونگے، کیوں؟ کیا تم اس سے فرانکفرٹ میں ملے؟"

"بالکل - "

"اگر اجازت ہو تو پوچھوں وہ ہے کون؟"

"ضرور پوچھو - وہ ایک حلوائی کی بیٹی ہے - "

ماریا نکولائونا نے آنکھیں پھاڑ دیں اور تیوریاں چڑھا لیں -

"واہ بہت خوب" اس نے آہستہ سے کہا "ایک لاجواب بات! میں تو سوچنے لگی ہوں کہ اب تمہارے جیسے نوجوان نظر نہیں آسکتے — ایک حلوائی کی لڑکی ! "

"میں سمجھا، اس پر تم کو حیرت ہو رہی ہے" سانن نے بھرم کے ساتھ کہا "پہلی بات تو یہ کہ میں کسی قسم کا تعصب نہیں رکھتا . . . "

"پہلی بات تو یہ کہ اس پر مجھے ذرا حیرت نہیں ہوئی" ماریا نکولائونا نے بات کاٹتے ہوئے کہا "میں بھی کسی قسم کا تعصب نہیں رکھتی — میں خود ایک کسان کی بیٹی ہوں — ہاں میں ایک کسان کی بیٹی ہوں ! تو یہ رہا! جس چیز پر مجھے حیرت اور مسرت ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ میں ایک ایسے شخص سے مل رہی ہوں جو محبت سے خوف زدہ نہیں ہے — "تم اس پر جان چھڑکتے ہو، ہے نا؟"

"ہاں —"

"کیا وہ بہت حسین ہے؟"

سانن کو اس سوال سے کچھ دھکا سا لگا. . . لیکن اب قدم پیچھے ہٹانے کا وقت نکل چکا تھا —

"جیسا کہ تم جانتی ہو ماریا نکولائونا" اس نے شروع کیا "ہر عاشق یہی سوچتا ہے کہ اس کی محبوبہ سے بڑھ کر کوئی نہیں — لیکن میری منگیتر —— سچ مچ حسینہ ہے— "

"واقعی! کیا انداز ہیں اس کے ؟ اطالوی ؟ کلاسیکی ؟ "

"ہاں اس کے نقوش بڑے سجل ہیں — "

"کیا تمہارے پاس اس کی کوئی تصویر ہے ؟"

"نہیں" (ان دنوں فوٹوگرافی ناپید تھی اور ابتدائی فوٹوگرافی کا رواج اب شروع ہو رہا تھا —)

"اس کا نام کیا ہے ؟ "

"اس کا نام ہے —— جیما ! "

"اور تمہارا نام کیا ہے ؟ "

"دمتری — "

"اور تمہاری ولدیت؟"

"پاولووچ —"

"سنو" ماریا نکولائونا نے اسی نرم لہجے میں کہا "مجھے تم پسند ہو دمتری پاولووچ — مجھے یقین ہے کہ تم ایک بھلے آدمی ہو— لاؤ تم اپنا ھاتھہ دو مجھے— آؤ ہم دوست بن جائیں ! "

اس نے سانن کا ھاتھہ اپنی مضبوط، سفید اور خوبصورت انگلیوں سے زور سے دبایا — اس کا ھاتھہ سانن کے ھاتھہ سے ذرا سا چھوٹا تھا لیکن اس کا ھاتھہ سانن کے ھاتھہ سے زیادہ گرم، چکنا اور ملائیم تھا اور اس میں زیادہ جان تھی —

"کیا خیال ہے تمہارا، بتاؤ اس وقت، ابھی ابھی میرے دماغ کو کیا سوجھی ہے؟"

"کیا؟"

"تم ناراض تو نہیں ہونگے مجھہ سے، نہیں ہونگے نا؟ تم کہتے ہو کہ وہ تمہاری منگیتر ہے — لیکن کیا واقعی... یہ بالکل لازمی تھا ؟ "

سانن کی تیوریاں چڑھہ گئیں — "میں تمہاری بات سمجھہ نہیں سکا ماریا نکولائونا — "

ماریا نکولائونا نے سر کے ایک جھٹکے سے بالوں کی آگے لٹکتی ہوئی ایک لٹ کو پیچھے پھینکتے ہوئے جو اس کے گال کو گدگدا رہی تھی، ایک بے آواز قہقہہ بلند کیا – "واقعی یہ محبوب ہے، واقعی!" وہ نیم افسردگی اور نیم کھوئے کھوئے انداز میں بڑبڑائی "ایک شہریار! اور اب اس کے بعد ان کی باتوں پر کیسے یقین آئے جو کہتے ہیں کہ اب دنیا میں آدرش‌وادی نہیں رہے – "

ماریا نکولائونا ٹھیٹھہ روسی لب و لہجے میں گفتگو کر رہی تھی، خالص ماسکو کا انداز کلام، شرفا کے حلقوں کا لب و لہجہ نہیں بلکہ وہ لب و لہجہ جس میں سدھارن لوگ بولتے ہیں –

"غالباً تمہاری پرورش گھر پر ہوئی ہے، پرانے ڈھرے پر، کسی خداترس خاندان میں ؟" اس نے کہا – "روس کے کس حصے کے رہنے والے ہو تم؟"

"تولا صوبے کا –"

"تو ہم، ہم وطن ہیں – میرے والد... تم جانتے ہونگے کہ میرے والد کون تھے ؟"

"ہاں، میں جانتا ہوں – "

"وہ تولا میں پیدا ہوئے تھے —— وہ تولا کے چشم و چراغ تھے – بہت خوب... (ماریا نکولائونا نے جان بوجھ کر یہ الفاظ متوسط طبقے کے لب و لہجے میں ادا کئے –) آؤ اب ہم کاروباری بات شروع کریں – "

"کیا مطلب ہے تمہارا... کاروباری بات شروع کریں؟ اس سے کیا مراد ہے تمہاری ؟"

ماریا نکولائونا نے آنکھیں سکیڑ لیں۔ "ہاں تم یہاں آئے ہو کس غرض سے؟ (جب وہ آنکھیں سکیڑتی تھی تو ان میں رحم‌دلی اور کچھہ کچھہ طنزیہ انداز پیدا ہو جاتا تھا۔ جب وہ ان کو پھیلاتی تھی تو ان میں، ان کی چمکتی ہوئی سرد گہرائیوں میں کچھہ سنگ‌دلی اور مجرمانہ سی کیفیت جھلکنے لگتی تھی۔ اس کی بھویں، موٹی اور ذرا کمان کی طرح تنی ہوئی اور رات جیسی کالی بھویں ھی اس کی آنکھوں میں ایک خاص حسن جگاتی تھیں۔) تم چاھتے ہو کہ میں تمہاری جاگیر خرید لوں، ھے نا؟ تم شادی کے لئے روپے کے حاجت‌مند ہو؟ کیا یہ سچ نہیں ھے؟"

"ہاں۔"

"اور کیا تمہیں بہت سارے روپے کی ضرورت ھے؟"

"میں شروع میں تو چند ہزار فرانک سے کام چلا سکتا ہوں۔ تمہارے شوھر میری جاگیر جانتے ھیں۔ تم ان سے مشورہ کر سکتی ہو، میں بہت زیادہ قیمت نہیں مانگونگا۔"

ماریا نکولائونا نے سر آہستہ سے بائیں سے دائیں طرف ہلایا۔ "اول تو یہ ھے" اس نے ہر ہر لفظ الگ الگ ادا کرتے ہوئے اور انگلیوں سے سانن کے کوٹ کی آستین کو چھوتے ہوئے کہا "میں اپنے شوھر سے صلاح مشورہ کرنے کی عادی نہیں ہوں، سوائے کپڑوں کے سلسلے میں —— اس کام میں اس کا جواب نہیں۔ اور دوسرے تم یہ کیوں کہتے ہو کہ تم کم دام مانگوگے؟ میں تمہاری اس کیفیت کا فائدہ نہیں اٹھانا چاھتی کہ تم اس وقت شدید محبت میں گرفتار ہو اور کوئی بھی قربانی دے سکتے ہو... میں تمہاری قربانیاں قبول نہیں کرونگی۔ کیا؟ کیا میں تمہارے...

کیا کہا تھا تم نے؟ کیا میں تمہارے جذ بات کو سہارا دینے کے بجائے تمہارا سب کچھ چھین لوں؟ یہ میری عادت نہیں — وقت پڑنے پر میں بےرحم بن جاتی ہوں —— لیکن دوسرے ڈھنگ سے — "

سانن یہ نہ سمجھ سکا کہ وہ اس پر ہنس رہی ھے یا سنجیدگی سے کہہ رہی ھے اور وہ اپنے آپ سے کہتا رہا "تمہاری طرف سے ہوشیار رہنا چاھئے، میری جان!"

ایک ملازم، ایک روسی سماوار کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا اور ایک طشت میں چائے کا سٹ، ملائی، رسک اور دوسری لذیذ چیزیں لایا اور اسے سانن اور مادام پولوزووا کے درمیان والی میز پر رکھہ کر غائب ہو گیا —

اس نے سانن کے لئے ایک پیالی میں چائے انڈیلی — "مجھے امید ھے کہ تمہیں میری انگلیوں پر کوئی اعتراض نہ ہوگا؟" ماریا نکولائونا نے اس کی پیالی میں شکر کی ایک ٹکیہ اپنی انگلیوں سے ڈالتے ہوئے کہا، حالانکہ اس کے پاس ھی میز پر ایک چمٹا رکھا ہوا تھا —

"نہیں واقعی! . . اتنے سلونے ھاتھہ . . ."

اس نے جملہ ختم نہیں کیا اور چائے کا پہلا گھونٹ اس کے گلے میں پھنس کر رہ گیا اور اس پورے اثنا میں وہ اسے سیدھی نظروں سے ٹکٹکی باندھے گھورتی رہی —

"میں نے اپنی جاگیر کی کم قیمت کا ذکر اس لئے کیا کہ" اس نے اپنی بات کا سلسلہ شروع کیا "میں نے سوچا کہ چونکہ تم پردیس میں ہو اس لئے تمہارے پاس ممکن ھے کہ نقدی زیادہ نہ ہو — اس کے علاوہ میں محسوس کرتا ہوں کہ ان حالات میں ایک

جاگیر کا بیچنا ذرا غیر معمولی بات ہے — اس کو پیش نظر رکھنے پر خود کو مجبور پاتا ہوں — "

سانن خود اپنی دلیلوں کے جال میں پھنستا جا رہا تھا اور ماریا نکولائونا خاموشی سے ہاتھہ باندھہ کر اپنی کرسی میں پیچھے کی طرف ٹیک لگا کر بیٹھہ گئی اور اس کی صاف شفاف سیدھی نگاہیں اس کے چہرے پر جم گئیں — آخر اس نے بولنا بند کر دیا —

"کوئی پروا نہیں، کہے جاؤ، کہے جاؤ" اس نے یوں کہا جیسے اسے سہارا دے رہی ہو — "میں سن رہی ہوں —— تمہارا بات کرنا مجھے اچھا لگتا ہے — بولو، بولو — "

سانن نے اپنی جاگیر کی تفصیل بیان کرنا شروع کی — اس نے بتایا کہ اس میں کتنے ایکڑ زمین ہے، ٹھیک کہاں پر زمین واقع ہے، اس کے اقتصادی وسائل کیا ہیں اور اس سے منافع حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے . . . اس نے خود گھر کے خوش نما اور دلکش محل وقوع کا ذکر بھی کیا — اور ماریا نکولائونا زیادہ سے زیادہ انہماک سے اسے گھورتی رہی اور اس کا چہرہ زیادہ سے زیادہ دمکنے لگا — اس کے ہونٹ اتنا آہستہ آہستہ ہلتے کہ ان پر مسکراہٹ نہ ابھرتی — وہ اپنا نچلا ہونٹ کاٹ رہی تھی — آخرکار اسے عجیب بےموقع سا محسوس ہوا اور وہ دوسری بار خاموش ہو گیا —

"دمتری پاولووچ" ماریا نکولائونا نے کہا —— اور کچھہ سوچتے ہوئے ذرا رک گئی . . . "دمتری پاولووچ" اس نے دوہرایا . . . "دیکھو، تمہاری جاگیر خریدنا میرے لئے منافع بخش رہیگا اور ہمارے درمیان معاملہ طے ہو جائیگا — لیکن تمہیں مجھے دو دن —— ہاں دو دن کا وقت دینا چاہئے — کیا تم سمجھتے ہو کہ تم اپنی منگیتر سے دو

دن کی جدائی برداشت کر لوگے؟ میں اس کے بعد تمہاری مرضی کے خلاف تمہیں نہیں روکونگی — میں تم سے وعدہ کرتی ہوں — لیکن اگر تم ابھی فوراً پانچ چھه ہزار فرانک قرض چاہو، تو —— میں بڑی خوشی سے تمہیں دے سکتی ہوں اور ہم بعد میں طے کر لینگے — "

سانن اٹھه کھڑا ہوا — "ماریا نکولائونا میں آپ کا شکرگزار ہوں که آپ ایک ایسے آدمی کی مدد کرنے پر آمادہ ہو گئیں جو آپ کے لئے قریب قریب اجنبی ہے — لیکن اگر آپ اسے بالکل لازمی سمجھتی ہیں تو میں دو دن آپ کے فیصلے کا انتظار کرنے کو ترجیح دونگا —— میں دو دن یہاں ٹھہرونگا — "

"مجھے اس کی ضرورت ہے، دمتری پاولووچ — کیا یه تمہارے لئے بہت مشکل ہوگا؟ بہت؟ بتاؤ —"

"میں اپنی منگیتر سے محبت کرتا ہوں، ماریا نکولائونا اور اس سے جدائی میرے لئے آسان نہیں ہے —"

"تم لا جواب آدمی ہو!" ماریا نکولائونا نے ٹھنڈی سانس لی — "میں وعدہ کرتی ہوں که میں تم سے زیادہ انتظار نہیں کراؤنگی — کیا تمہارا جانا ضروری ہے؟"

"بہت دیر ہو چکی ہے" سانن نے کہا —

"اور تمہیں اپنے سفر کے بعد اور خاص طور پر میرے شوہر کے ساتھه دوراکی کھیلنے کے بعد آرام کی ضرورت ہے — ہاں بتاؤ —— کیا تم میرے شوہر، اپپولیت سیدورچ کے بڑے گہرے دوست ہو؟"

"ہم ایک ساتھه اسکول میں پڑھتے تھے — "

"اور کیا وہ اس وقت بھی ایسا ہی تھا — "

"کیسا؟" سانن نے پوچھا —

یکایک ماریا نکولائونا ہنسی اور ہنستی رہی یہاں تک کہ اس کا منہ لال ہو گیا— اس نے رومال منہ پر رکھا، کرسی سے اٹھی اور ڈگمگاتی ہوئی سانن کے پاس گئی جیسے تھکی ہوئی ہو— اس نے اپنا ہاتھہ سانن کی طرف بڑھایا—

وہ جھکا اور دروازے کی طرف بڑھا—

"سنتے ہو—— کل صبح سویرے یہاں آجانا؟" اس نے سانن کو آواز دی— اس نے کمرے سے نکلتے ہوئے پلٹ کر دیکھا، وہ پھر کرسی میں دھنس گئی تھی اور انگڑائی لے رہی تھی— اس کے گاؤن کی ڈھیلی آستینیں کندھوں تک نیچے ڈھلک آئی تھیں اور اس وقت یہ نہ ماننا ناممکن تھا کہ ان بانہوں کی پرواز کے انداز میں، اس کے پورے پیکر کے انداز میں، ایک ہیجان پرور حسن تھا—

٣٦

آدھی رات کے بہت دیر بعد تک سانن کے کمرے میں چراغ جل رہا تھا— وہ میز پر بیٹھا "اپنی جیما" کو خط لکھہ رہا تھا— اس نے جیما کو سب کچھہ بتایا— اس نے اس کی خاطر پولوزوف اور اس کی بیوی کا نقشہ کھینچا—— لیکن سب سے زیادہ خود اپنے احساسات کا ذکر کیا اور خط اس وعدے پر ختم کیا کہ تین دن میں اس سے ملیگا!!!(یہاں پر اس نے استعجاب کے تین نشان بنائے تھے)— وہ یہ پروانہ لے کر دوسری صبح سویرے ہی ڈاک خانے گیا اور اس کے بعد وہ کورھاس باغ میں ٹہلنے کے لئے گیا— وھاں بینڈ بج رہا تھا— اس وقت تک وھاں اکادکا لوگ آئے تھے— وہ بینڈ کی جگہ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور "رابرٹ لے دائبل" کا ایک نغمہ سننے لگا،

پھر کافی پی اور بڑے راستے سے کٹتی ہوئی روش پر مڑ گیا اور ایک بنچ پر بیٹھ کر سوچنے لگا—

کسی نے ایک زنانی چھتری سے اس کے کندھے کو تیز ٹھوکا دیا— یہ ٹھوکا ہلکا اور لطیف نہ تھا— وہ چونک گیا... اس کے سامنے ماریا نکولائونا کھڑی تھی— وہ باریک سرمئی اور سبز لباس پہنے ہوئے تھی، اس کے سر پر سفید ریشمیں جالی کی ٹوپی تھی، اور ہاتھوں میں سوبڈ کے دستانے— وہ گرمیوں کی صبح کی طرح گلابی اور تروتازہ تھی، لیکن بےفکری کی نیند کا نشہ اب تک اس کی حرکات و سکنات اور نگاہوں میں باقی تھا—

"صبح مبارک!" اس نے کہا— "میں نے آج صبح تمہیں بلانے کو آدمی بھیجا مگر تم باہر نکل چکے تھے— میں نے ابھی ابھی اپنا دوسرا گلاس ختم کیا ہے— لوگ مجھے یہاں پانی پینے پر مجبور کرتے ہیں، خدا جانے کیوں... مجھ سے زیادہ صحت مند و توانا اور کون ہو سکتا ہے؟ اس لئے مجھے پورے ایک گھنٹہ ٹہلنا پڑتا ہے— کیا تم میرا ساتھ دوگے؟ اور تب ہم کافی پیئینگے—"

"میں اپنے حصے کی کافی پی چکا ہوں" سانن نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا "لیکن تمہارے ساتھ ٹہل کر مجھے خوشی ہوگی—"

"تو اپنا بازو دو مجھے... ڈرو مت —— تمہاری منگیتر یہاں نہیں ہے، وہ تمہیں نہیں دیکھیگی—"

سانن زبردستی مسکرایا— ہر بار جب ماریا نکولائونا جیما کا نام لیتی تھی تو اسے ایک ناخوشگوار احساس ہوتا تھا— لیکن وہ تسلیم و رضا کے ساتھ جلدی سے اس کی طرف جھک گیا... ماریا نکولائونا کا ہاتھ بڑی آہستگی اور نرمی سے اس کے بازو پر گرا اور

اندر پھسل گیا اور ایسا لگا کہ اس کا بازو سانن کے بازو سے چمٹا ہوا ہے —

"آؤ اس طرف" اس نے اپنی کھلی چھتری کو ایک کندھے پر رکھتے ہوئے کہا — "میں اس پارک سے خوب مانوس ہوں — میں تمہیں اس کے تمام حسین گوشوں میں لے چلونگی — ہاں دیکھنا (اسے یہ دو لفظ بہت پسند تھے) ہم اب خرید و فرخت کی بات نہیں کرینگے — ہم ناشتے کے بعد اس پر ڈٹ کر بات چیت کرینگے — اب میں چاہتی ہوں کہ تم مجھے اپنے بارے میں سب کچھ بتاؤ. . . تاکہ مجھے معلوم ہو کہ مجھے کس سے معاملہ کرنا ہے — اور اس کے بعد اگر تم چاہوگے تو میں تمہیں اپنے بارے میں بتاؤنگی — منظور؟"

"لیکن ماریا نکولائونا، تمہیں اس سے کیا دلچسپی ہوگی کہ. . ."

"بس! بس! تم مجھے غلط سمجھے — میں تمہیں رجھانے کی کوشش نہیں کر رہی ہوں — " ماریا نکولائونا نے اپنے شانے ہلائے — "جیسے میں تمہیں رجھانے کی کوشش ہی تو کرونگی —— ایک ایسے آدمی کو جس کی منگیتر ہے اور ایسی جو زمانۂ قدیم کے مجسمے کی طرح حسین ہے! لیکن تمہارے پاس مال ہے —— اور میں سوداگر ہوں — اور میں تمہارے مال کے متعلق سب کچھ جاننا چاہتی ہوں — آؤ اب مجھے بتاؤ اس کے بارے میں! میں صرف یہ نہیں جاننا چاہتی کہ میں کیا خرید رہی ہوں، بلکہ میں یہ بھی جاننا چاہتی ہوں کہ میں کس سے خرید رہی ہوں — یہ میرے والد کا اصول تھا — اچھا، شروع کرو. . . تم اپنے لڑکپن کا زمانہ چھوڑ دو اور یہ بتاؤ کہ تم

کب سے پردیس میں ہو— اور اب تک تم کہاں تھے؟ لیکن اتنا تیز نہ چلو، کوئی جلدی نہیں —"

"میں یہاں اٹلی سے آیا ہوں جہاں میں نے کئی مہینے قیام کیا —"

"ایسا لگتا ہے کہ ہر اطالوی چیز تمہارا دل لبھا لے گئی ہے — تعجب ہے کہ تمہیں وہاں کوئی نہیں ملا! کیا تم آرٹ کے رسیا ہو؟ تصویروں کا شوق ہے؟ یا تمہیں موسیقی کا زیادہ چاؤ ہے؟"

"میں آرٹ سے محبت کرتا ہوں... میں ہر حسین چیز سے محبت کرتا ہوں —"

"اور موسیقی سے؟"

"موسیقی سے بھی —"

"مجھے موسیقی ذرا نہیں بھاتی — البتہ مجھے صرف روسی گیت پسند ہیں، اور وہ بھی گاؤں میں، موسم بہار میں —— تم جانو، گیت اور ناچ ایک ساتھ... لال لال چھینٹ کے لباس، عورتوں کی پیشانی پر لٹکتے ہوئے موتیوں کے ہار، چراگاہوں میں تازہ تازہ دوب، دھوئیں کی بو—— اس پر میرا جی مر مٹتا ہے! لیکن میرے بارے میں تو بات نہیں ہونی چاہئے — اپنے بارے میں بتاؤ مجھے..."

تھوڑی تھوڑی دیر پر سانن کو دیکھتے ہوئے ماریا نکولائونا آگے چلتی رہی— وہ لمبی تھی اور دونوں کے چہرے ایک دوسرے کے برابر تھے—

سانن نے اس کو اپنی زندگی کے بارے میں بتانا شروع کیا—— شروع میں جھجک جھجک کر، بے ربط طریقے سے، لیکن بعد میں اس موضوع پر پورے رنگ پر آتے ہوئے وہ بالکل باتونی بن گیا — ماریا

نکولائونا کو دوسروں کی بات سننے میں کمال حاصل تھا - وہ خود اتنی صافگو نظر آتی تھی کہ دوسرے بھی انجانے طور پر بڑی صافگوئی پر اتر آتے تھے - اس میں وہ بات تھی جسے کارڈینل ریتس نے le terrible don de la familiarité کہا تھا - سانن نے اس کو اپنے سیر و سفر کا حال سنایا، پیٹرس برگ میں اپنی زندگی کے بارے میں اور اپنی جوانی کے حالات کے بارے میں بتایا... اگر ماریا نکولائونا شائستہ اداب رکھنے والی ایک مجلسی خاتون ہوتی تو ہرگز وہ اتنی صفائی سے نہ بولتا - لیکن وہ خود کو اچھا بتاتی تھی اور کہتی تھی کہ وہ کسی قسم کا تکلف برداشت نہیں کر سکتی - بالکل اسی رنگ میں اس نے خود کو سانن کے سامنے بھی پیش کیا - ساتھ ھی یہ "بھلی عورت" اس کے پہلو میں بلی کی طرح اس کے بازو پر ایک ذرا جھکی ہوئی اور اس کے چہرے کو گھورتی ہوئی چل رہی تھی - اس کے پہلو میں وہ ایک جوان عورت کی شان سے چل رہی تھی —— جس میں ایک ناقابل برداشت کشش اور دیوانہ بنا دینے والی دل ربائی تھی —— وہ لطیف اور سحر انگیز کشش جو ہم جیسے کمزور بندوں کے لئے جان لیوا ثابت ہوتی ھے - دیوانہ بنا دینے والی کشش سلاف خون کا طرۂ امتیاز ھے اور ان میں بھی صرف ان لوگوں کا طرۂ امتیاز ھے جن کا خون خاندانی نہیں بلکہ جن کے خون میں ملاوٹ ھے -

سانن اور ماریا نکولائونا ایک گھنٹے سے زیادہ بات چیت کرتے اور ٹہلتے رہے - وہ ایک بار بھی نہیں رکے بلکہ پارک کے ختم نہ ہونے والے راستوں پر چلتے رہے، چلتے رہے - کبھی وہ ڈھلانوں پر چڑھتے، کبھی بے تحاشہ مناظر کے حسن کا لطف اٹھاتے چلتے - کبھی

ڈھلانوں پر سے اترتے اور گہری پرچھائیوں میں کھو جاتے — وہ مستقل ھاتھہ میں ھاتھہ ڈالے رھے — سانن کو کبھی کبھی ایک چبھن محسوس ھوتی — وہ کبھی بھی اتنی دیر تک جیما کے ساتھہ نہیں ٹہلا تھا، اپنی پیاری جیما کے ساتھہ — اور اس عورت نے اس کو اپنی مٹھی میں کر رکھا تھا — اور وہ اس کے ساتھہ ساتھہ چل رہا تھا — اور بس!

"کیا تم تھک گئیں؟" اس نے کئی بار پوچھا —

"میں کبھی نہیں تھکتی" اس نے جواب دیا —

تھوڑی تھوڑی دیر پر دوسرے مٹرگشت کرنے والوں سے ان کی مڈبھیڑ ھوتی — ان میں سے تقریباً ھر ایک نے ماریا نکولائونا کو سلام کیا، بعضوں نے محض اخلاقاً اور بعضوں نے خوشامدانہ چاپلوسی سے — ان میں سے ایک سانولے شخص سے، جو انتہائی فیشن‌ایبل لباس میں تھا، اس نے بےداغ ڈھلی ھوئی فرانسیسی میں کہا «Comte, vous savez, il ne faut pas venir me voir ——ni aujourd' hui, ni demain».*

اس نے خاموشی سے اپنی ھیٹ اٹھائی اور اس کی طرف جھک کر سلام کیا —

"کون ھے وہ؟" سانن نے پوچھا — تمام روسیوں کی طرح اسے بھی سوال کرنے کی بری لت تھی —

"وہ؟ ایک فرانسیسی — اس قسم کے بہت سے لوگ یہاں منڈلاتے نظر آتے ھیں. . . وہ بھی مجھہ سے رومان لڑانے کی کوشش

---

* آپ جانتے ھیں جناب کاؤنٹ، میرے پاس نہ آج آنے کی ضرورت ھے نہ کل —

کرتا ہے — لیکن لو اب کافی کا وقت ہو گیا — آؤ ہم گھر چلیں — مجھے امید ہے کہ اب تمہاری بھوک واپس آگئی ہوگی — میرے بھلے آدمی کے چہرے کی کھڑکیاں بھی اب کھل گئی ہونگی —"

"بھلا آدمی! کھڑکیاں!" سانن نے دل ہی دل میں دوہرایا — "اور کتنی شاندار فرانسیسی بولتی ہے یہ! کتنی عجیب چیز ہے یہ عورت بھی!"

"ماریا نکولائونا نے غلط نہیں کہا تھا — جب وہ اور سانن ہوٹل واپس پہنچے تو وہ "بھلا مانس" یا "موٹومل" اپنی ناگزیر ترکی ٹوپی سمیت، ناشتے کی میز پر براجمان ہوچکا تھا —

"میں تو سمجھا کہ اب تم کبھی واپس نہیں آؤگے!" اس نے منہ گول کرتے ہوئے کہا — "میں تو اب تمہارے بنا ہی کافی پینے والا تھا —"

"پروا نہیں" ماریا نکولائونا نے چمکتے ہوئے کہا — "کیا تم ناراض تھے؟ یہ تمہارے لئے اچھا ہی ہے — ورنہ تم جانتے ہو، تم ٹھٹھر کر رہ جاؤگے — دیکھو، میں تمہارے لئے کیسا مہمان لائی ہوں! فوراً گھنٹی بجاؤ! آؤ ہم کافی پیئیں، دنیا کی بہترین کافی ڈریسڈین کی چینی کی پیالیوں میں اور برف کی طرح سفید میز پوش پر!"

اس نے اپنی ہیٹ اور دستانے ایک طرف اچھال دئے اور تالی بجائی —

پولوزوف نے اپنی گھنی بھوؤں کے نیچے نیچے کنکھیوں سے اسے دیکھا —

"ماریا نکولائونا آخر تم آج چمک دمک کیوں رہی ہو؟" اس نے زیرلب کہا۔

"اس سے تمہیں کیا سروکار ایپولیت سیدورچ! تم گھنٹی بجاؤ! دمتری پاولووچ بیٹھ جاؤ اور ازسر نو کافی کا دور چلاؤ! اوہ مجھے اپنا سکہ چلانے میں کتنا لطف آتا ہے۔ دنیا کی کوئی راحت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔"

"بشرطیکہ حکم مانا جائے" شوہر غراتے ہوئے بولا۔

"ہاں بےشک! یہی تو وجہ ہے کہ میں اتنی خوش ہوں۔ خاص طور پر تم سے۔ میں خوش ہوں، ہوں نا موٹومل؟ اور لو یہ رہی کافی۔"

ویٹر جو بڑی سی سینی اندر لایا تھا اس پر تھیٹر کا اشتہار بھی تھا۔ ماریا نکولائونا اس پر جھپٹ پڑی۔

"ڈرامہ!" اس نے برہم ہوکر کہا۔ "ایک جرمن ڈرامہ! خیر یہ جرمن کامیڈی سے بہتر ہے۔" وہ ویٹر کی طرف مڑی۔ "میرے لئے ایک باکس کا آرڈر دو — اسٹیج باکس — یا نہیں . . . * Fremden-Loge بہتر رہیگا۔ سنا تم نے۔ مجھے Fremden-Loge ملنا چاہئے!"

"اور اگر Fremden-Loge جناب شہر کے ڈائرکٹر (seine Excellenz der Herr Stadt-Director) کے لئے بک ہو چکا ہو تو . . ." ویٹر نے یہ کہنے کی ہمت کی۔

"جناب عالی کو دس ٹالر دو — اور کسی طرح باکس میرے لئے حاصل کرو! سنا تم نے؟"

ویٹر نے عجزو انکسار کے ساتھ اپنا سر جھکایا۔

---

* بدیسیوں کے لئے تھیٹر کا باکس۔

"کیا تم میرے ساتھه تھیٹر چلوگے دمتری پاولووچ؟ جرمن اداکار تو بھیانک ھیں بھیانک، لیکن تم کہو که ضرور چلوگے... چلوگے نا؟ واقعی؟ کتنے اچھے ھو تم! تم تو نہیں جاؤگے موٹومل؟"

"تم جیسا کہو" پولوزوف نے اس پیالی کے اندر ھی اندر کچھه کہا جس سے ابھی ابھی اس نے اپنے ھونٹ ھٹائے تھے۔

"بہتر ھوگا که تم گھر پر ھی ٹھہرو۔ تم تھیٹر میں ھمیشه سو جاتے ھو اور پھر تم جرمن تو خاک نہیں سمجھتے ـ میں بتاؤں ــــ تم پٹواری کو جواب لکھه رکھنا ـ تم جانتے ھو اپنے مل کے بارے میں ـ کسانوں کے اناج پیسنے کے متعلق ـ اس سے کہو که میں یه نہیں چاھتی، میں یه نہیں ھونے دونگی! یه تمہاری شام بھر کے لئے ایک مشغله ھو جائیگا ـ"

"بہت اچھا" پولوزوف بولا ـ

"یه ٹھیک ھے! تم بہت ھوشیار ڈارلنگ ھو! اور اب حضرات، چونکه میں نے پٹواری کا ذکر چھیڑ دیا ھے اس لئے اصلی کاروباری بات شروع کی جائے ـ جیسے ھی ویٹر یہاں سے چیزیں اور برتن وغیرہ اٹھاکر لے جائے تم مجھے اپنی جاگیر کے بارے میں سب کچھه بتاؤگے دمتری پاولووچ ـ سب کچھه! تم جو قیمت چاھتے ھو اور جتنی رقم بطور پیشگی چاھتے ھوــــ سب کچھه! ("آخرکار" سانن نے سوچا "خدا کا شکر ھے!") تم مجھے پہلے ھی تھوڑا بہت بتا چکے ھو، مجھے یاد ھے که تم نے کتنا خوش ھو ھوکر اپنے باغ کی تفصیل بیان کیــــ لیکن موٹومل وھاں موجود نه تھا... اس کو بھی سننے دو ممکن ھے که وہ کوئی کار آمد رائے دے سکے ـ میں چاھتی ھوں که شادی کرنے میں تمہاری مدد کروں ــــ دوسرے میں نے تم سے وعدہ

کیا ھے کہ ناشتے کے بعد میں تمہارا معاملہ دیکھونگی اور میں ہمیشہ اپنا وعدہ پورا کرتی ہوں، ھے نا ایپولیت سیدورچ؟"

پولوزوف نے ھاتھہ چہرے پر پھیرا — "اس میں کہنے کو کیا رکھا ھے —— تم کبھی کسی کو دھوکا نہیں دیتیں —"

"اور نہ کبھی دونگی — دمتری پاولووچ، اور جیسا کہ ھم سینٹ میں کہتے ھیں، اب تم اپنے معاملے پر روشنی ڈالو —"

۳۷

سانن نے اپنے "معاملے پر روشنی ڈالنا" شروع کیا —— یعنی اس نے اپنی جاگیر کی تفصیلات دو بارہ بیان کیں — ابکے اس کے قدرتی حسن و دلکشی کا ذکر نہ کیا لیکن بار بار اپنے "اعداد و شمار" کی تصدیق کرانے کے لئے پولوزوف کا حوالہ دیتا رہا — لیکن پولوزوف صرف ڈکار لیتا اور سر ھلاتا رہا اور صرف خدا جانتا ھے اس کا مطلب تائد تھا یا تردید — لیکن ماریا نکولائونا کو اس کی مدد کی کوئی ضرورت نہ تھی — اس نے تجارتی اور نظم و نسق کی ایسی صلاحیتوں کا مظاھرہ کیا جن میں کسی مدد کی گنجائیش نہ تھی — البتہ اس پر حیرانی ضرور ھو رھی تھی — وہ انتظامی امور کے سارے گر جانتی تھی — اس نے بہت ھی گہرے سوالات کئے اور ھر چیز کے بارے میں پوچھا — ھر لفظ جو اس کے منہ سے نکلتا ٹھیک نشانے پر بیٹھتا — سانن کو اس قسم کی جرح کی امید نہ تھی اور اس نے خود کو اس کے لئے پہلے سے تیار نہیں کیا تھا — سوال و جواب کا یہ سلسلہ ڈیڑھہ گھنٹے تک جاری رہا — سانن کے احساسات اس مجرم کے تھے جو ایک پتلی سی بنچ پر، ایک سخت اور تیز فہم جج

کے سامنے بیٹھا ہو – "کیوں یہ تو پوری جرح ہے جرح!" وہ بہت ہی بددلی کے ساتھہ دل ہی دل میں بڑبڑایا – ماریا نکولائیونا برابر ہنستی رہی جیسے وہ اسے مذاق سمجھہ رہی ہو لیکن اس سے سانن کی کوفت میں کمی نہیں ہوئی – اور جب گفتگو کے دوران یہ بات کھلی کہ وہ "زمین کے از سر نو حصہ بخرا کرنے" اور "کاشت" جیسے الفاظ کے معنی ٹھیک ٹھیک نہیں جانتا تو اسے واقعی پسینہ آ گیا . . .

"بہت اچھا!" ماریا نکولائیونا نے آخرکار فیصلہ کن انداز میں کہا – "میں اب تمہاری جاگیر کو جانتی ہوں . . . جتنی اچھی طرح تم خود جانتے ہو – فی کس تمہاری قیمت کیا ہے؟" (اس زمانے میں جیسا کہ معلوم ہے جاگیر کی قیمت اس پر کام کرنے والے کسانوں کی تعداد کے مطابق ہوتی تھی –)

"کیوں . . . میں سمجھتا ہوں کہ . . . مجھے پانچ سو روبل سے کم نہیں مانگنا چاہئے" سانن مشکل سے کہہ سکا – (اوہ پنتالیونے، پنتالیونے تم کہاں ہو؟ یہ پھر وہ لمحہ ہے جب تمہیں کہنا چاہئے (Barbari! –

ماریا نکولائیونا نے چھت کی طرف نظریں اٹھائیں جیسے سوچ رہی ہو –

"کیوں نہیں؟" اس نے کچھہ رک کر کہا – "یہ مجھے قابل قبول قیمت معلوم ہوتی ہے – لیکن میں نے دو دن رکنے کے لئے کہا ہے اور تمہیں کل تک انتظار کرنا پڑیگا – میں سمجھتی ہوں کہ معاملہ پٹ جائیگا اور تب تم بتانا کہ تمہیں پیشگی کے طور پر کتنا چاہئے – اور اب –*basta cosi!» یہ دیکھہ کر کہ سانن کچھہ

* بس کافی ہے!

مخالفت کرنے والا ہے، وہ بولی — "ہم نے مال و زر کی گھٹیا باتیں بہت کر لیں . . . *à demain les affaires! دیکھو میں تمہیں چھٹکارا دونگی — (یہاں اس نے اپنی پیٹی میں رکھی ہوئی چھوٹی سی گھڑی پر ایک نظر ڈالی جس پر مینا کا کام تھا). . . تین بجے تک. . . ہاں تم کو کچھه آرام کا موقع ضرور دینا چاہئے — جاؤ، جاکر رولیت کھیلو — "

"میں جوا نہیں کھیلتا" سانن بولا —

"واقعی ؟ لیکن تم تو یکتائے زمانہ ہو! میں خود جوا نہیں کھیلتی، ہاں — پیسہ یوں پھینکنا حماقت ہے — لیکن کاسینو جاؤ اور وہاں چہرے دیکھو اور آنکھه سینکو — وہاں تمہیں عجیب و غریب چہرے نظر آئینگے — وہاں ایک بوڑھی عورت ہے — وہ مکٹ پہنتی ہے اور اس کے مونچھیں ہیں — وہ ایک عجوبہ ہے — ایک شہزادہ ہے — وہ بھی بہت دلچسپ ہے — شاہانہ قد و قامت اور عقابی ناک — جب کبھی وہ ایک ٹالر کی بھی بازی لگاتا ہے تو گریبان کے اندر ہاتھه ڈال کر صلیب کا نشان بناتا ہے — رسالے پڑھو، ذرا ٹہلو گھومو، مختصر یہ کہ جو کچھه بھی تمہارا جی چاہے کرو. . . لیکن تین بجے میں تمہارا انتظار کرونگی... **de pied ferme— ہم ٹھیک وقت سے کھانا کھائینگے — یہ مہمل جرمن سات بجے شام کو ہی کھیل شروع کر دیتے ہیں — " اس نے اپنا ہاتھه بڑھایا — ***«Sans rancune, n'est — ce pas?»

---

* یہ کام کل پر چھوڑو!

**پکی بات —

*** تم مجھه سے خفا تو نہیں، ہونا؟

"چھوڑو، ماریا نکولائونا، کیوں، میرے دل میں تمہاری طرف سے برائی کیوں پیدا ہو؟"

"میں نے تمھیں ستایا جو ہے — ذرا رک جاؤ، ابھی اور باقی ہے!" اس نے اپنی آنکھوں کو میچتے ہوئے کہا اور اس کی ساری سوھنیاں دھکتے ہوئے گالوں پر مسکرانے لگیں — "خدا حافظ!"

سانن جھکا اور باھر نکل گیا — ایک چھکتے ہوئے طربناک قہقہے نے اس کا پیچھا کیا اور گزرتے ہوئے، آئینے میں اسے یہ نقشہ نظر آیا: ماریا نکولائونا نے اپنے شوھر کی ترکی ٹوپی کھینچ کر آنکھوں پر ڈال دی تھی اور وہ بےبسی میں دونوں ھاتھہ ھوا میں مار رھا تھا —

۳۸

سانن نے خود کو اپنے کمرے میں اکیلا پاکر اطمینان کا گہرا سانس لیا! ماریا نکولائونا نے سچ کہا تھا تم کو آرام کی ضرورت ھے —— ان تمام نئی دوستیوں، ملاقاتوں، گفتگو سے آرام — ایک ایسا آرام جو اس دھوئیں کو دور کر سکے جو اتنی غیر عورت کے ساتھہ غیر ضروری بےتکلفی کی بدولت چپکے چپکے اس کے دل و دماغ میں سرائت کر گیا تھا — اور یہ سب کیسے وقت میں ہو رہا تھا! قریب قریب اس دن کے اگلے ھی دن جب اس پر انکشاف ھوا تھا کہ وہ جیما کی چاھت میں گرفتار ھے اور جب جیما سے اس کی منگنی ہوئی تھی — اس کے دوسرے دن ھی — یہ تو کفر ھے کفر! دل ھی دل میں اس نے اپنی پاک اور معصوم فاختہ سے ھزاروں معافیاں مانگیں حالانکہ خود کو مجرم ٹھہرانے کے لئے اس کے پاس کوئی ٹھوس وجہ موجود نہ تھی — اس نے اس

صلیب کو ہزار بار چوما جو اس کی فاختہ نے اسے دی تھی۔ اگر اسے اس معاملے کے جلدی اور اپنے حق میں انجام پانے کی امید نہ ہوتی جو اسے کشاں کشاں ویسبادن کھینچ لایا تھا تو یقینی وہ بے تحاشا اپنے پیارے فرانکفرٹ کی طرف بھاگتا، اس پیارے مکان کی طرف بھاگتا جو اب اس کے لئے اپنا گھر بن گیا تھا۔ وہ اپنی جیما کی طرف بھاگتا اور ان پیروں پر گر جاتا جن کی وہ پرستش کرتا تھا... لیکن اب کوئی چارہ نہ تھا! اب تو اسے اس زہر کے پیالے کا اخری قطرہ بھی پینا پڑیگا۔ کپڑے پہننے ہونگے، کھانا کھانے کے لئے باہر جانا پڑیگا اور اس کے بعد تھیٹر... ہاں بس اسے کل صبح سویرے ہی جانے دے تو کیا کہنا!

ایک اور بات تھی جو اسے پریشان کر رہی تھی بلکہ اس پر اسے غصہ بھی آ رہا تھا: وہ برابر بڑے چاؤ اور لگن کے ساتھہ، ممنونیت کے بےپناہ جذبے کے ساتھہ جیما کے بارے میں سوچتا، اس کے ساتھہ اپنی زندگی کے بارے میں، اس مسرت و شادمانی کے بارے میں جو مستقبل کے سینے میں چھپی ہوئی اس کا انتظار کر رہی تھی اور پھر بھی یہ عجیب عورت، یہ مادام پولوزووا، برابر اس کے دماغ پر چھائی ہوئی تھی، بلکہ وہ دراتی ہوئی اس کی آنکھوں کے سامنے آ جاتی تھی اور وہ اس کے تصور کو جھٹک کر الگ نہ کر پاتا تھا، اس کی آواز کو، اس کی باتوں کو، نہ بھول پاتا، ہمیشہ اسے اس عجیب خوشبو کا احساس ہوتا، لطیف، تازہ، رچتی اور تیرتی ہوئی خوشبو کا، لالہ کے زرد پھولوں کی خوشبو جیسی مہک کا احساس ہوتا جس کی لپٹیں اس کے کپڑوں سے آتی تھیں۔ ظاہر تھا کہ وہ عورت اس سے کھیل رہی تھی۔

کبھی ایک ہتھکنڈا آزماتی تھی اور کبھی دوسرا— لیکن کیوں؟ وہ چاہتی کیا تھی؟ کیا یہ محض ایک بگڑی ہوئی مال دار عورت کا من موجی پن تھا، ایک ایسی عورت کا من موجی پن جس کو گھٹیا عورت کہا جا سکتا ہے؟ اور وہ اس کا شوہر! کیا چیز ہے وہ بھی؟ آخر بیوی سے اس کا رشتہ کس قسم کا ہے؟ آخر یہ سوالات سانن کے دماغ میں کیوں ابھر رہے تھے؟ موسیو پولوزوف اور اس کی بیوی اس کے ہوتے کون ہیں؟ آخر وہ اس چھائے ہوئے تصور کو اپنے دماغ سے اس وقت بھی نکال باہر نہ کر سکا جبکہ اس کا پورا دل ایک دوسری لڑکی کی طرف لپک رہا تھا، اس لڑکی کی طرف جو گرمیوں کے دن کی طرح درخشاں اور پاک و صاف تھی؟ آخر یہ تصور اس دوسری لڑکی کے خد و خال کے پیچھے پیچھے جو مقدس اور ملکوتی خد و خال تھے کیوں ابھر رہا تھا— لیکن یہ چہرہ پھر بھی ابھر رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر ایک تمسخرآمیز مسکراہٹ تھی— وہ غارت‌گر بھوری آنکھیں، اس کے گالوں کی موہنیاں، وہ ناگن جیسی چوٹیاں— کہیں ان چیزوں نے تو اسے یوں نہیں جکڑ لیا تھا کہ وہ ان کو دھکیل کر الگ نہ کر سکے؟

بکواس! بکواس! کل یہ سب کافور ہو جائیگا اور اس کا کوئی نشان بھی باقی نہ رہیگا... لیکن کیا وہ کل اس کو جانے دیگی؟

وہ بار بار ان سوالوں پر سوچتا رہا اور اب تین بجنے والے تھے، اس لئے اس نے کالا فراک کوٹ پہنا اور پولو زوف کے کمرے میں جانے سے پہلے باغ میں ٹہلنے چلا گیا—

اس کے ڈرائنگ روم میں، اسے کسی سفارت خانے کا سکریٹری بیٹھا ہوا ملا — وہ ایک لمبا تڑنگا، سنہرے بالوں والا جرمن رنگ‌روپ کا آدمی تھا، ایک رخ سے اس کے چہرے کی تراش گھوڑے جیسی معلوم ہوتی تھی — اس کے سر کے پیچھے مانگ نکلی ہوئی تھی (جو اس زمانے میں ایک انوکھی بات سمجھی جاتی تھی) اور. . . یہ دوسرا کون تھا! فون دون‌ہوف اور کون، وہی افسر جس کے ساتھ وہ چند دن قبل ڈوئل لڑا تھا! یقینی اسے یہاں اس سے ملنے کی کوئی توقع نہیں تھی — وہ اس کی طرف جھکا پھر بھی تھوڑی دیر کو اسے کچھ عجیب بے تکا سا لگا —

"کیا تم پہلے مل چکے ہو؟" ماریا نکولائونا نے پوچھا جس کی بوکھلاہٹ کو اس نے تاڑ لیا تھا —

"مجھے ملنے کی عزت حاصل ہو چکی ہے" دون‌ہوف نے ماریا نکولائونا کی طرف جھکتے ہوئے کہا اور مسکراتے ہوئے زیرلب بولا "یہی ہے وہ جس کے بارے میں میں نے تم کو بتایا تھا. . . تمہارا ہم وطن. . . روسی. . ."

"نہیں، واقعی!" اس نے بھی زیرلب کہا اور انگلی ہلا کر اس کو دھمکی دی اور فوراً ہی اس کو اور اس لم‌ٹنگو سکریٹری کو خدا حافظ کہا جو اس کی رعنائیوں کا بری طرح شکار معلوم ہوتا تھا اور جب کبھی وہ اسے دیکھتی منہ کھول کر تکنے لگتا تھا — دون‌ہوف فوراً خوش اخلاقی کے ساتھ اس خاندان کے ایک ایسے دوست کی طرح رخصت ہوا جسے بے کہے ہی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس سے کس بات کی امید کی جا رہی ہے — سکریٹری نے کچھ ہٹ‌دھرمی کی نمائیش کی لیکن ماریا نکولائونا نے زیادہ تکلف دکھائے بغیر اس سے چھٹکارا حاصل کر لیا —

"تم اپنی مالدار خاتون کے پاس جاؤ" اس نے کہا (اس زمانے میں ویسبادن میں دوسرے درجے کی عشق‌باز عورت شہزادی دلی موناکو مقیم تھی) "تم اپنا وقت میرے جیسی نیچی ذات کی عورت کے پاس کیوں گنواؤ؟"

"میری پیاری مادام" بدنصیب سکریٹری نے یقین دلایا "لیکن دنیا بھر کی شہزادیاں..."

لیکن ماریا نکولائونا نے سنگ دلی سے کام لیا ــــ اور سکریٹری کو خدا حافظ کہہ کر وہاں سے الٹے پاؤں چل دینا پڑا۔

ماریا نکولائونا نے زور دار لباس پہن رکھا تھا۔ ہماری بڑی بوڑھیوں کی زبان میں ایک ایسا لباس "جس سے جسم کے پیچ و خم نکھر آئے تھے اور انگ انگ سے حسن ٹپک رہا تھا"۔ اس نے ایک گلابی حریری لباس زیب‌تن کر رکھا تھا۔ اس کی آستینیں à la Fontanges * تھیں اور کانوں میں ہیرے کے آویزے تھے۔ وہ کھلی جا رہی تھی اور پورے نکھار پر تھی۔

اس نے سانن کو اپنے پاس بٹھایا اور پیرس کے بارے میں بات چیت کرنے لگی جہاں اسے چند دن کے بعد جانا تھا۔ پھر جرمنوں کا ذکر چھیڑ بیٹھی جو اسے بہت بور کرتے تھے، وہ جب عقل مند نظر آنے کی کوشش کرتے تھے تو نرے احمق نظر آتے تھے، جب وہ حماقت کی باتیں کرتے تھے تو وہ ناخوشگوار طور پر چالاک نظر آتے تھے۔ اور یکایک اس نے دوٹوک ــــ à brûle pourpoint ــــ اس سے پوچھ لیا آیا، یہ سچ ہے کہ وہ ایک خاتون کی خاطر اس افسر سے ڈوئل لڑا تھا جو ابھی ابھی وہاں سے رخصت ہوا تھا؟

---

* فنتانژ کی طرح (لودوویک چودھویں کی منظور نظر عورت)۔

"تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟" بھونچکا ہو کر سانن نے پوچھا—

"دنیا افواہوں سے بھری پڑی ہے دمتری پاولووچ، اور مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تم حق بجانب تھے، اور تم نے ایک سچے نائیٹ کی آن بان کا مظاہرہ کیا— بتاؤ کیا یہ عورت تمہاری منگیتر تھی؟"

سانن نے خشمگیں انداز میں اپنے ماتھے پر بل ڈال لئے...

"اچھا اچھا، میں نہیں پوچھتی" ماریا نکولائونا نے جلدی سے کہا— "تم اس کے بارے میں بولنا پسند نہیں کرتے تو نہ کرو— مجھے معاف کردو— میں اب یہ نہیں پوچھونگی— خفا نہ ہو!" پولوزوف دوسرے کمرے سے اپنے ہاتھہ میں ایک اخبار لئے ہوئے داخل ہوا— "کیا چاہتے ہو تم؟ کیا کھانا تیار ہے؟" اس نے شوہر سے پوچھا—

"ایک منٹ میں کھانا میز پر لگا دیا جائیگا— اچھا ذرا بوجھو تو اس وقت "شمالی شہد کی مکھی" میں کیا پڑھا ہے— شہزادہ گروموبوئی مر گیا—"

ماریا نکولائونا نے نظر اٹھاکر دیکھا—

"مرگیا؟ کروٹ کروٹ جنت نصیب ہو! ہر سال فروری میں، میری سالگرہ پر" اس نے سانن کی طرف مڑتے ہوئے کہا "وہ میرے تمام کمروں کو سدا بہار کمیلا کی جھاڑیوں سے سجاتا تھا— لیکن اس کے لئے جاڑے میں پیٹرس برگ میں رہنا ذرا گراں گزرتا تھا— اس کی عمر ستر سے اوپر ہوگی؟" اس نے پھر اپنے شوہر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا—

"هاں اس کے جنازے کی تفصیل اس میں درج ہے — پورا دربار وہاں موجود تھا — اور شہزادہ کووریژکین نے اس موقع کے لئے مرثیہ لکھا "

"واقعی کتنا کرم ہے اس کا!"

"کیا میں تمھیں سناؤں پڑھ کر؟ شہزادے نے اس کو سچا مدبر کہا ہے —"

"نہیں نہیں مت پڑھو! وہ اور مدبر! وہ تتیانہ یورئونا کا شوہر تھا اور بس — آؤ ہم کھانا کھانے چلیں — جینےوالے زندوں کے بارے میں سوچتے ہیں — دمتری پاولووچ، اپنا بازو دو!"

کھانا پچھلے دن کی طرح شاندار تھا اور کھانے کا وقت خوشگوار بات چیت میں گزرا — ماریا نکولائونا کو بات چیت کا خوب ڈھنگ آتا تھا... یہ دولت عورتوں میں شاذ و نادر ہی نظر آتی ہے، خاص طور پر روسی عورت میں! وہ چبا چبا کر بات نہ کرتی اور اس کی ہم وطن عورتیں ہی زیادہ‌تر اس کا نشانہ بن رہی تھیں — سانن بعض چبھتے ہوئے اور جاندار فقرے پر قہقہہ لگانے لگتا — ماریا نکولائونا کو سب سے زیادہ ریا کاری، چکنے چپڑے محاوروں اور جھوٹ سے نفرت تھی... اور اسے یہ چیز ہر جگہ نظر آتی تھی — وہ خاص طور پر اس گھٹیا ماحول پر اتراتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی جس میں وہ پروان چڑھی تھی — اس نے اس سلسلے میں خوب شیخی بگھاری اور اپنے رشتہ داروں اور بچپن کے بارے میں بعض عجیب و غریب قصے سنائے اور خود کو دیہاتی گھامڑ لڑکی کے لقب سے بھی یاد کیا — سانن نے دیکھ لیا کہ

وہ اس عمر میں اپنی عمر کی اکثر عورتوں سے کہیں زیادہ سرد گرم دیکھہ چکی تھی۔

اور پولوزوف ڈٹ کر کھاتا رہا، جی بھر کے پیتا رہا۔ ہاں کبھی کبھار، اپنی بیوی یا سانن کو اپنی زرد اور ظاہری طور پر چندھیائی ہوئی آنکھوں سے دیکھہ لیتا جو دراصل بالکل کھلی ہوئی اور بیدار تھیں۔ "کتنے پیارے اور ہوشیار ہو تم!" اس کی طرف مڑتے ہوئے ماریا نکولائونا چلاتی۔ "تم نے فرانک فرٹ میں میرے لئے خریداری کتنی خوبی سے کی! اس پر میں تو تمھاری پیشانی پر بوسہ دے سکتی ہوں، لیکن تم اس قسم کی باتوں سے دل چسپی نہیں رکھتے۔"

"ہاں میں دل‌چسپی نہیں رکھتا" پولوزوف نے چاندی کی چھری سے اننناس کاٹتے ہوئے کہا۔

ماریا نکولائونا نے میز کو اپنی انگلیوں سے بجاتے ہوئے اس کا جائزہ لیا۔

"کیا ہماری بازی قائم ہے؟" اس نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"بے‌شک۔"

"بہت خوب! تم ہار جاؤگے۔"

پولوزوف نے اپنی ٹھوڑی باہر نکال دی۔ "چلو، ماریا نکولائونا، میں سمجھتا ہوں کہ ابکے اپنی خود اعتمادی کے باوجود ہار تمھاری ہوگی۔"

"کاہیکی بازی ہے، کیسی بازی؟" سانن نے پوچھا۔ "کیا میں پوچھہ سکتا ہوں؟"

"اس وقت نہیں" ماریا نکولائونا نے کہا۔ اور قہقہہ لگایا۔

گھڑی نے سات بجائے — ویٹر نے اعلان کیا کہ گاڑی تیار ہے — پولوزوف نے فوراً ہی اپنی بیوی کو خدا حافظ کہا اور واپس آکر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا —

"ہاں پٹواری کے نام خط نہ بھول جانا!" ماریا نکولائونا نے ہال سے پکار کر کہا —

"میں نہیں بھولونگا — تم پریشان نہ ہو! میں اپنی بات کا دھنی ہوں —"

۳۹

۱۸۴۰ء میں ویسبادن تھیٹر کی عمارت، ایک گھٹیا قسم کی عمارت تھی اور اس کی کمپنی، اپنی چیخم دھاڑ والی معمولی قسم کی اداکاری اور فرض شناس عامیانہ معمولات میں، اس سطح سے ایک انچ بھی بلند نہیں تھی جس کو تمام جرمن تھیٹروں کا معیار تصور کیا جا سکتا ہے — حال میں اس کی بھرپور مثال کارلس روئے کمپنی تھی جس کے "بے مثل" ڈائرکٹر مشہور ہیر دیوری اینت تھے — اس باکس کے عقب میں، جو "خاتون محترم مادام فون پولوزوف" کے لئے ریزرو تھا، (خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ویٹر اس کے حاصل کرنے میں کیوں کر کامیاب ہوا، وہ ڈائرکٹر کو رشوت دے کر یہ حاصل کرنے سے تو رہا، کیوں!) ایک پیش دالان تھا جو صوفوں سے آراستہ تھا — باکس میں داخل ہونے سے پہلے ماریا نکولائونا نے سانن سے اس ہلکے سے پردے کو کھینچنے کے لئے کہا جو باکس کو باقی تھیٹر سے الگ کرتا تھا —

"میں نہیں چاہتی کہ لوگ مجھے دیکھیں" اس نے کہا "ورنہ یہاں پروانے ٹوٹ پڑینگے —" اس نے اس کو اپنے پاس اس طرح

بٹھایا کہ اس کی پشت ہال کی طرف تھی تاکہ باکس خالی معلوم ہو۔

ارکسٹرا نے "فگارو کی شادی" کی ابتدائی دھن چھیڑی۔۔۔ پردہ اٹھا اور ڈرامہ شروع ہوا۔

یہ ان ان گنت خانہ ساز ڈراموں میں سے تھا جن میں مصنف (جس میں فنی صلاحیت سے زیادہ بقراطی ہو) بڑی تن‌دہی اور بھونڈے پن سے، بڑے بےداغ مگر بےجان انداز سے، کسی "زبردست" یا "اہم" تصور کا پرچار کرتا ہے، نام نہاد المناک کشمکش دکھاتا ہے اور ایک ایسی بوجھل کیفیت پیدا کرتا ہے جسے "ایشیائی" کہا جا سکتا ہے — ٹھیک جس طرح سے معمولی ہیضہ اور ایشیائی ہیضہ ہوتا ہے۔ ماریا نکولائیونا آدھے ایکٹ تک تو صبر سے بیٹھی رہی لیکن جب عاشق نے اپنی محبوبہ کی بے وفائی کی اطلاع پانے کے بعد (وہ ایک بھورا فراک کوٹ پہنے ہوئے تھا جس کی آستینیں ڈھیلی اور ہوا سے پھولی ہوئی معلوم ہوتی تھیں اور جس کا کالر مخملیں تھا، ایک دھاری دار ویسٹ کوٹ جس میں موتیوں کے بٹن ٹنکے ہوئے تھے، سبز پتلون جس پر پیٹنٹ چمڑے کی دھاری تھی اور سفید سویڈ کے دستانے) جب عاشق نے اپنے سینے پر مکے مارکر اور تیز زاویئے بناتے ہوئے اپنی کہنیاں نکال کر کتے کی طرح بھونکنا شروع کر دیا تو ماریا نکولائیونا کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا۔

"انتہائی دور دراز چھوٹے سے شہر کا بدترین فرانسیسی اداکار بھی مشہورترین جرمن اداکار سے بہتر اور زیادہ فطری اداکاری کرتا ہے!" اس نے غصے میں چلاکر کہا "یہاں آؤ" اس نے اپنے

پاس‌والے صوفے پر ہاتھہ مارتے ہوئے سانن سے کہا — "آؤ ہم باتیں کریں —"

سانن نے اس کی تعمیل کی —

ماریا نکولائونا نے نگاہ اٹھاکر اسے دیکھا —

"میں دیکھتی ہوں تم دودھہ کی طرح نرم ہو — تمہاری بیوی کے دن اچھے کٹینگے — وہ مسخرا ——" اس نے پنکھے سے بھونکتے ہوئے اداکار کی طرف اشارہ کیا جو ایک نجی گھر میں ٹیوٹر کا رول ادا کر رہا تھا "اس مسخرے نے میرے عہد شباب کی یاد تازہ کر دی ہے — ایک زمانے میں مجھے ایک ٹیوٹر سے محبت ہو گئی تھی — وہ میرا پہلا . . . نہیں دوسرا محبوب تھا — میں پہلی بار دونسکوئے خانقاہ میں ایک نوکر کے عشق میں گرفتار ہوئی — میں اس وقت بارہ برس کی تھی — میں اس کو صرف اتوار کے اتوار دیکھا کرتی تھی — وہ مخمل کا گاؤن پہنتا تھا، لباس پر عطر چھڑکتا تھا، ہجوم کے درمیان عود دان کے ساتھہ جاتا اور عورتوں سے مخاطب ہوکر فرانسیسی میں کہتا "معاف کیجئے" اور کبھی نظر نہ اٹھاتا — اور اس کی پلکیں! اس کی پلکیں اتنی لمبی لمبی تھیں!" ماریا نکولائونا نے اپنی چھنگلی پر انگوٹھا رکھہ کر آدھی چھنگلی سانن کو دکھائی — "میرے استاد کا نام تھا — monsieur Gaston ! تم جانو وہ اتنا قابل آدمی تھا، وہ بڑا سخت تھا — وہ سوئٹزرلینڈ کا رہنے والا تھا —— اور اس کے چہرے سے اتنی قوت ٹپکتی تھی — اس کے گل مچھے کولتار کی طرح سیاہ تھے، اس کا یک‌رخا نقشہ یونانیوں جیسا تھا — اس کے ہونٹ لگتے تھے کہ پگھلے ہوئے لوہے سے ڈھالے گئے ہیں — میں

اس سے ڈرتی تھی— وہ واحد شخص تھا جس سے مجھے کبھی ڈر لگا ہو— وہ میرے بھائی کا ٹیوٹر تھا — میرا بھائی جو پانی میں ڈوب کر مرگیا— ایک خانہ‌بدوش نے ایک بار بتایا تھا کہ میری موت قتل سے واقع ہوگی، لیکن یہ بکواس ہے— میں اس پر اعتبار نہیں کرتی— کیا تم ایپولیت سیدورچ کا تصور ایک خنجر کے ساتھ کر سکتے ہو؟"

"خنجر کے علاوہ اور دوسری چیزوں سے بھی آدمی مر سکتا ہے" سانن نے کہا—

"یہ سب بکواس ہے— کیا تم وہمی آدمی ہو؟ میں ذرا بھی وہمی نہیں— لیکن جو ہونا ہوگا سو ہوگا! Monsieur! Gaston ہمارے گھر میں رہتا تھا— اس کا کمرہ ٹھیک میرے کمرے کے اوپر تھا— کبھی کبھی میں رات کو جاگ جاتی تھی اور اس کے قدموں کی آواز سنتی تھی—وہ بہت رات گئے سوتا تھا —— اور میں مارے ڈر کے یا کسی اور احساس سے بدحواس ہو جاتی تھی— میرے والد کو خود تعلیم کی برائے نام شدھہ بدھہ تھی لیکن انہوں نے مجھے اچھی تعلیم دلائی— ذرا سوچو میں لاطینی زبان بھی جانتی ہوں—"

"تم؟ لاطینی؟"

"ہاں —— میں! monsieur Gaston نے مجھے لاطینی پڑھائی تھی— میں نے اس سے "انئید" پڑھی— بہت ہی بوجھل ہے لیکن اس میں بعض اچھے ٹکڑے ہیں— تمہیں یاد ہے، وہ ٹکڑا جب دیدو اور ایناس جنگل میں ہیں...؟"

"ہاں، ہاں مجھے یاد ہے" سانن نے جلدی سے کہا — وہ بہت پہلے اپنی ساری لاطینی بھول چکا تھا اور اس کی یاد میں ائنید کا بہت ہی دھندلا دھندلا سا تاثر محفوظ تھا —

ماریا نکولائونا نے اپنی ترچھی نظر اس کی طرف اٹھائی — "لیکن تمھیں یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ میں بہت قابل اور پڑھی لکھی ہوں — خدا بہتر جانتا ہے کہ میں نہیں ہوں — میں نے کسی چیز میں کمال حاصل نہیں کیا — میں مشکل سے لکھہ پڑھہ سکتی ہوں، واقعی، پیانو بھی بجا نہیں سکتی، نہ تصویریں بنا سکتی ہوں، نہ سلائی پروئی کر سکتی ہوں —— کچھہ بھی نہیں کر سکتی! میں جو کچھہ ہوں وہی نظر آتی ہوں — اس سے آگے کچھہ بھی نہیں!"

اس نے اپنے بازو پھیلا دئیے — "میں تم سے یہ سب کیوں کہہ رہی ہوں —" اس نے اپنی بات جاری رکھی "اول تو اس لئے کہ ان بیوقوفوں کی بکواس نہ سننی پڑے (اس نے اسٹیج کی طرف اشارہ کیا جہاں اب ایکٹر کے بجائے ایکٹرس بھونک رہی تھی، اس کی کہنیاں بھی باھر کی طرف نکلی ہوئی تھیں) اور دوسرے یہ کہ میں تمھاری مقروض ہوں —— تم‌نے کل مجھے اپنے متعلق سب کچھہ بتایا تھا —"

"کیونکہ تم میرے متعلق جاننا چاہتی تھیں" سانن نے کہا —

ماریا نکولائونا یکایک اس کی طرف مڑی —

"اور کیا تمھیں یہ جاننے کی خواہش نہیں کہ میں کس قسم کی عورت ہوں؟ لیکن ہاں مجھے تعجب نہیں" اس نے صوفے کے تکیوں پر دوبارہ اڑتے ہوئے کہا — "جب ایک مرد شادی کرنے والا ہو اور وہ بھی محبت کے کارن اور ڈوئل کے بعد، تو یقینی

اس کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ دوسری عورتوں کے بارے میں سوچے —"

ماریا نکولائونا ذرا رکی اور اپنے بڑے بڑے دودھ جیسے سفید دانتوں سے پنکھے کے دستے کو کریدنے لگی —

پھر ایک بار سانن کو وہی دھواں اٹھتا اور دماغ پر چھاتا ہوا محسوس ہوا جو پچھلے دو دن سے اس کا دم گھونٹے ڈال رہا تھا —

ماریا نکولائونا اور اس کے درمیان، زیرلب، سرگوشی کے انداز میں باتیں ہو رہی تھیں، اور اس سے اسے جھنجلاہٹ اور کوفت ہو رہی تھی۔ ۔ ۔

یہ سب کچھ کب ختم ہوگا؟ کمزور ارادوں کےلوگ کبھی کسی چیز کو ختم نہیں کرتے بلکہ انجام کا انتظار کرتے رہتے ہیں —

کوئی اسٹیج پر چھینکا — مصنف نے ڈرامے میں، "از راہ مزاح" یا "ایک خاص عنصر" کی حیثیت سے ایک چھینک کا بند و بست بھی کیا تھا — اس کے علاوہ اس ڈرامے میں اور کوئی مزاحیہ عنصر نہیں تھا اور تماشائی جو اس کو بھی غنیمت جان کر سراپا سپاس تھے، ہنس پڑے —

ہنسی سے سانن کو اور بھی جھنجلاہٹ ہوئی —

بعض ایسے لمحے آتے تھے جب اسے بالکل پتہ نہ چلتا کہ وہ برہم ہے یا مسرور، اس کا جی بہل رہا ہے یا اکتا رہا ہے — اوہ، اگر جیما اسے دیکھ لیتی!

"مضحکہ انگیز ہے، ہےنا؟" یکایک ماریا نکولائونا بولی — "ایک آدمی بڑے سکون سے کہتا ہے 'میں شادی کرنا چاہتا ہوں، لیکن کوئی بھی اطمینان سے یہ نہیں کہتا 'میں پانی

میں ڈوبنے جا رہا ہوں ـ، اور بہرحال ـــ فرق کیا ہے؟ یہ مضحکہ خیز ہے، ہے نا؟"

سانن نے اکتاہٹ اور جھنجلاہٹ کا ایک طوفان سا امڈتا ہوا محسوس کیا ـ "بڑا فرق ہے ماریا نکولائونا! بعض لوگوں کے لئے پانی میں کود جانے میں کوئی ایسی خطرناک بات نہیں ـــ وہ تیر سکتے ہیں ـ اور تم نے یہ سوال چھیڑا ہے تو عرض ہے کہ... جہاں تک عجیب و غریب شادیوں کا تعلق ہے..."

اس نے اپنی زبان دباتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی ـ

ماریا نکولائونا نے پنکھا اپنی ہتیلی پر مارا ـ

"جو کچھ تم کہنا چاہتے تھے پورا کرو، دمتری پاولووچ، جو تم کہنا چاہتے تھے اسے پورا کرو ـ میں جانتی ہوں تم کیا کہنا چاہتے تھے 'تم نے، خاتون من، یہ سوال چھیڑا ہے تو، تم یہ کہنا چاہتے تھے 'تو تمہاری شادی سے زیادہ اور کیا چیز عجیب اور بے تکی ہو سکتی ہے؟ یہ نہ بھولو کہ میں تمہارے شوہر کو بچپن کے زمانے سے جانتا ہوں!'، تم یہ کہنا چاہتے تھے ـــ تم جیسے تیرنا آتا ہے!"

"معاف کرنا..." سانن نے کہنا شروع کیا ـ

"کیا یہ سچ نہیں ہے؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے؟" ماریا نکولائونا نے اصرار کیا ـ "دیکھو، ادھر دیکھو میری آنکھوں میں، اور بتاؤ میں نے جو کچھ کہا سچ ہے یا نہیں ـ"

سانن کی سمجھہ میں نہ آیا کہ کہاں دیکھے ـ "بہت اچھا ـ تم اصرار کرتی ہو تو میں کہے دیتا ہوں، یہ سچ ہے" آخر اس کے منہ سے نکلا ـ

ماریا نکولائونا نے اپنا سر ہلایا — "اچھا تو پھر... ہاں تو کیا تم نے کبھی اپنے آپ سے یہ نہ پوچھا، تم نے جسے تیرنا آتا ہے، کہ ایک عورت جو نہ نادار ہے، نہ احمق اور نہ... ایسی بھولی بھالی ہاں آخر ایک ایسی عورت نے اتنا عجیب و غریب قدم کیوں اٹھایا؟ شاید تمہیں اس سے کوئی دلچسپی نہ ہو، مگر پروا نہیں! میں تمہیں اس کا سبب بتاؤنگی — لیکن ابھی نہیں، جب انٹرول ختم ہوگا — میں ہر وقت ڈر رہی ہوں کہ کوئی اندر نہ آجائے..."

ماریا نکولائونا کے منہ سے یہ بات ابھی نکلی ہی تھی کہ باکس کا دروازہ آدھا کھلا اور ایک چہرہ، ایک سرخ چہرہ، اس کے اندر گھسا — یہ چہرہ پسینے سے چمک رہا تھا، یہ چہرہ جس پر اب تک جوانی تھی، دانت سے محروم تھا، ناک جھکی ہوئی تھی، اور چمگادڑوں جیسے کان لمبی لمبی لٹوں میں گھرے ہوئے تھے — بجھی بجھی بے جان اور ٹوہ لیتی ہوئی آنکھوں پر سونے کی کمانی والی عینک چڑھی ہوئی تھی اور عینکوں پر pince — nez — چہرے نے اندھیرے میں نظریں دوڑائیں، ماریا نکولائونا پر نظر پڑتے ہی، چونک کر دانت نکال دئے اور بار بار اپنا سر خم کیا... ساتھ ہی ڈور جیسی پتلی گردن نظر آئی جو سر کا بار سنبھالے ہوئے تھی —

ماریا نکولائونا نے اس چہرے کی طرف رومال ہلایا— "میں خالی نہیں ہوں! "Ich bin nicht zu Hause, Herr P..! Ich bin nicht zu Hause...*

اس چہرے سے حیرت کے جذبات جھلکنے لگے، اس چہرے

---

* میں گھر پر نہیں ہوں، ہیر پ — میں گھر پر نہیں ہوں!

کے مالک نے ایک زبردست قہقہہ لگایا اور سبکیوں بھری آواز میں لیست کی نقل اتارتے ہوئے، جس کے قدموں پر اس نے کبھی سجدہ ریزی کی تھی، بولا «Sehr gut! Sehr gut!»* اور غائب ہو گیا۔

"کون ہے یہ عجیب و غریب مخلوق؟" سانن نے پوچھا۔

"وہ؟ ویسبادن کا ایک تنقید نگار۔ ایک ادبی ناقد، ایک ڈھنڈورچی جو جی چاہے کہہ لو۔ وہ ایک مقامی ٹھیکہ‌دار کا ملازم ہے۔ اس لئے اس کا فرض ہے کہ وہ ہر چیز کے گن گائے اور ہر شخص کے بارے میں جوش و خروش کا اظہار کرے، گرچہ حقیقت یہ ہے کہ وہ بہت برا آدمی ہے۔ میں اس سے ڈرتی ہوں، وہ غضب کا گپی اور باتونی ہے، مجھے یقین ہے کہ وہ ہر شخص سے کہتا پھریگا کہ میں تھیٹر میں موجود ہوں۔ لیکن خیر چھوڑو، اس سے ہوتا کیا ہے!"

ارکسٹرا والز کی دھنیں بجا رہا تھا، پردہ ہلا اور اٹھ گیا، اور بناوٹی باتوں اور شور و غل سے بھرا ہوا منظر سامنے تھا۔

"اچھا" ماریا نکولائونا نے پھر صوفے میں دھنستے ہوئے کہا "چونکہ تمہارے لئے کوئی اور چارہ نہیں اور تم اپنی منگیتر کی قربت کا لطف اٹھانے کے بجائے میرے پہلو میں بیٹھنے پر مجبور ہو۔ . . ہاں یوں آنکھوں سے آگ نہ برساؤ، میں تم کو خوب سمجھتی ہوں، اور میں نے تم سے وعدہ کیا ہے کہ جہاں کہیں تم جانا چاہوگے میں تمھیں جانے دونگی —— لیکن اب میری داستان سنو۔ کیا تم جاننا چاہتے ہو سب سے زیادہ مجھے کیا چیز عزیز ہے؟"

---

* بہت خوب! بہت خوب!

"آزادی سانن" نے لقمہ دیا۔

ماریا نکولائونا نے اپنا ہاتھہ اس کے ہاتھہ پر رکھہ دیا۔

"ہاں دمتری پاولووچ" اس نے کہا اور اس کی آواز میں سچا خلوص اور سنجیدگی تھی – "سب سے زیادہ اور سب سے پہلے آزادی – اور براہ کرم یہ نہ سوچنا کہ میں شیخی بگھار رہی ہوں – اس میں کچھہ بھی قابل تعریف بات نہیں — لیکن ہمیشہ سے میں ایسی ہی رہی ہوں اور ہمیشہ ایسی ہی رہونگی، مرتے دم تک ایسی ہی رہونگی – میں سمجھتی ہوں کہ میں نے اپنے بچپن میں بہت کچھہ غلامی دیکھی ہے اور خود بھی بہت کچھہ دکھہ جھیلا ہے – اور — اور — monsieur Gaston، میرے استاد نے میری آنکھیں کھول دیں – شاید اب تم سمجھہ گئے ہونگے کہ میں نے ایپولیت سیدورچ سے کیوں شادی کی، اس کے ساتھہ میں آزاد ہوں، بالکل آزاد، ہوا کی طرح آزاد، ہوا کے جھونکے کی طرح آزاد... اور شادی سے پہلے مجھے یہ معلوم تھا، میں جانتی تھی کہ اس کے ساتھہ شادی کرکے میں اپنی مالک آپ ہونگی۔"

ماریا نکولائونا رکی اور اس نے اپنا پنکھا ایک طرف رکھہ دیا –

"تمھیں ایک اور بات بتانے میں کوئی مضائیقہ نہیں — سوچنے پر مجھے کوئی اعتراض نہیں... یہ ایک دلچسپ مشغلہ ہے اور اسی لئے تو ہمیں دماغ ملا ہے، لیکن میں خود اپنے اقدام کے نتائج پر کبھی نہیں سوچتی — میں ان کے بارے میں کبھی نہیں سوچتی اور مجھے کبھی کسی چیز کا افسوس نہیں ہوتا چاہے نتیجہ جو بھی نکلے — یہ بیکار ہے – میری زندگی کا نظریہ ہے :

* Cela ne tire pas à conséquence — میں نہیں جانتی کہ روسی زبان میں اسے کیوں کر ادا کروں — یہ بالکل ٹھیک ہے کہ tire à conséquence؟ کوئی بھی اس دنیا میں مجھہ سے باز پرس نہیں کریگا، تم جانو —— اور وہاں (اس نے اوپر کی طرف اشارہ کیا) ہاں وہاں، انہیں اپنا معاملہ خود سلجھانے دو — جب جزا سزا کا وقت آئیگا تو اس وقت میں، میں نہیں ہونگی — سن رہے ہو؟ تم بور تو نہیں ہو رہے ہو؟"

سانن سر جھکائے بیٹھا تھا — اس نے اب سر اٹھایا — "میں ذرا بھی اکتا نہیں رہا ہوں ماریا نکولائونا، میں انتہائی تجسس بھری دلچسپی کے ساتھہ تمہاری باتیں سن رہا ہوں — لیکن مجھے اس کا اعتراف ہے کہ میں دل میں سوچتا ہوں کہ آخر تم یہ سب مجھے کیوں سنا رہی ہو؟"

ماریا نکولائونا ذرا سا صوفے پر کھسکی — "تم خود اپنے آپ سے پوچھو . . . کیا تم اتنے کند ذہن ہو؟ یا یہ محض خاکساری ہے؟"

سانن نے اپنا سر اور بھی اوپر اٹھایا —

"میں تم سے یہ سب اس لئے کہہ رہی ہوں" ماریا نکولائونا نے اسی طرح پر سکون لہجے میں کہا حالانکہ یہ پرسکون لہجہ اس کے چہرے پر جھلکتے ہوئے جذبات سے ہم‌آہنگ نہ تھا — "اس لئے کہ تم مجھے بھا گئے ہو — حیران نہ ہو، میں مذاق نہیں کر رہی ہوں، اس لئے کہ میں نہیں چاہتی کہ تم میرے بارے میں ایک ناخوشگوار یاد لے کر جاؤ . . . گرچہ مجھے اس کی ذرا

---

* اس کا کوئی مطلب نہیں —

پروا نہیں — میری مراد ایک غلط تاثر سے ہے — اسی لئے میں تمہیں یہاں پھانس لائی اور اب میں تمہارے ساتھه اکیلی بیٹھی ہوں اور کھلے دل سے باتیں کر رہی ہوں... ہاں صافگوئی سے — میں جھوٹ نہیں بول رہی ہوں — اور یاد رہے دمتری پاولووچ، میں جانتی ہوں کہ تم ایک دوسری لڑکی کو چاہتے ہو، اور تم اس سے شادی کرنے والے ہو... ہاں تم میری بے غرضی کے ساتھه انصاف کرنا! لیکن تم اب اس کے جواب میں کہه سکتے ہو: «cela ne tire pas à conséquence!

وہ ہنسی لیکن اس کی ہنسی ادھوری رہ گئی اور وہ دم سادھه کر بیٹھه گئی جیسے خود اپنے الفاظ پر بھونچکا رہ گئی ہو اور اس کی آنکھوں میں، جو عام طور پر اتنی طرب انگیز اور نڈر نظر آتی تھیں، ایک پرچھائیں سی تیر گئی جسے سراسمیگی یا اداسی بھی کہا جا سکتا ہے —

"کیا ناگن ہے! اف کیسی ناگن ہے!" سانن نے سوچا "لیکن کتنی حسین ناگن!"

"ذرا میری دوربین دینا" ماریا نکولائونا نے دفعتاً کہا — "میں دیکھنا چاہتی ہوں — کیا وہ jeune première اتنی ڈراؤنی ہوسکتی ہے؟ تم تو یہ سوچوگے کہ سرکار نے اس کو اخلاقی لحاظ سے رکھا ہے تاکہ جوان لوگ اس کی محبت میں گرفتار نہ ہوں — "

سانن نے اس کو دوربین دی اور اس نے دوربین لیتے ہوئے ایک لمحے کو اس کا ھاتھه تھامے رکھا —

"اس قدر گمبھیر نہ بنو" اس نے مسکراتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں کہا — "دیکھو — کوئی مجھے زنجیروں میں نہیں جکڑ سکتا لیکن میں بھی کبھی کسی کو زنجیروں میں جکڑنے کی کوشش

نہیں کرتی — میں آزادی پر جان دیتی ہوں اور کوئی پابندی قبول نہیں کرتی — اپنی ہی نہیں بلکہ دوسروں کی آزادی بھی مجھے عزیز ہے — اب ذرا کھسک جاؤ اور اب آؤ ہم ذرا تماشہ دیکھیں — "

ماریا نکولائونا نے دوربین کا رخ اسٹیج کی طرف کیا — سانن نے بھی اسی جانب دیکھا — وہ باکس کی نیم تاریکی میں اس کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا اور غیر ارادی طور پر اس کے شہوت انگیز بدن کی گرمی اور خوشبو کو اپنی سانسوں میں بسا رہا تھا اور اسی طرح غیر ارادی طور پر، اپنے دماغ میں ان باتوں کو کرید رہا تھا جو اس نے خاص طور پر پیچھلے چند منٹ میں کہی تھیں۔۔۔

٤٠

ڈرامہ ایک سوا گھنٹے تک چلتا رہا لیکن ماریا نکولائونا اور سانن دونوں نے جلد ہی اسٹیج کی طرف دیکھنا بند کر دیا اور پھر باتوں میں محو ہو گئے — ان کی بات اسی ڈھرے پر چل نکلی جس پر پہلے چل چکی تھی — لیکن ابکے سانن اتنا خاموش نہیں تھا — اندر ہی اندر وہ اپنے اور ماریا نکولائونا کے خلاف بھرا بیٹھا تھا — اس نے اس کو یہ بتانے کی کوشش کی کہ اس کا "نظریہ" کتنا بے بنیاد ہے — گویا اسے نظریوں میں دلچسپی ہی تو تھی! اس نے اس پر بحث شروع کر دی — دل ہی دل میں وہ اس پر کھل اٹھی — اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہتھیار ڈال رہا ہے یا بس اب ڈالنے ہی والا ہے — اس نے کانٹا نگل لیا ہے، وہ پھنس رہا ہے، وہ پگھلتا جا رہا ہے — وہ بحث کرتی رہی، ہنستی رہی، اس کی ہاں میں ہاں

ملاتی رهی اور ایسی بن گئی جیسے کچھه سوچ رهی هو، کبھی کبھی وه جھپٹ پڑتی — اور اس پورے اثنا میں دونوں کے چھرے قریب سے قریب تر آتے رهے، اب سانن کی آنکھیں اس سے کترا نہیں رهی تھیں — ماریا نکولائونا کی آنکھیں اس کے چہرے، اس کے خد و خال کا طواف کر رهی تھیں، وه جواباً مسکرا رها تها، اخلاقاً هی سہی، مگر مسکرا تو رها تها — یہی حقیقت که وه بے سروپا قسم کی هوائی باتوں پر اور باهمی تعلقات میں ایمانداری کے بارے میں، فرض، محبت اور شادی بیاه کے تقدس کے بارے میں بحث کرنے لگا تها، اس کے منصوبوں کے عین مطابق تها — هر شخص جانتا هے که اس قسم کی هوائی باتیں بہترین نقطه آغاز کا کام کرتی هیں . . .

لوگ، جو ماریا نکولائونا کو اچھی طرح جانتے تھے، کہتے تھے که جب اس کی تند و تیز اور زوردار طبعیت میں کوئی چیز، نرم و نازک اور انکسار آمیز سی، کنوارپن کی حیا جیسی کوئی چیز اجاگر هونے لگتی، (لیکن وه "کوئی چیز" آتی کہاں سے تھی؟) —— تو همیشه صورت حال ایک خطرناک رخ اختیار کر لیتی تھی —

ظاهری طور پر، سانن کے حالات بھی اسی طرف پلٹا کھا رهے تھے — اگر اسے ایک لمحه بھی سوچنے کا موقع مل جاتا تو اس کا دل خود اپنی نفرت سے بھر جاتا — لیکن اس کو نه تو سوچنے کا موقع مل رها تها اور نه اپنے آپ سے نفرت کرنے کا —

اور ماریا نکولائونا نے اپنے وقت کا پورا پورا فائده اٹھایا — اور یه سب اس لئے که وه ایک خوش رو نوجوان تها! بھلا کون کہه سکتا هے که کیا فائدے کی چیز هے اور کیا اس کا الٹ؟

ڈرامه ختم ہو گیا۔ ماریا نکولائونا نے سانن سے کہا که شال اس کو اوڑھا دے اور جب وہ شال کی نرم تہوں کو اس کے شاندار شانوں پر ڈال رہا تھا تو وہ بے حس و حرکت کھڑی تھی۔ اس نے سانن کا بازو پکڑا اور گلیارے میں نکل گئی ـــ اور قریب قریب اس کے منه سے چیخ سی نکل گئی۔ باکس کے دروازے پر ہی دون‌ہوف بھوت کی طرح کھڑا تھا۔ اور ٹھیک اس کے پیچھے ویسبادن کے تنقید نگار کا بے‌ہنگم ہیولا نظر آ رہا تھا۔ اس ادبی نقاد کے چمکتے ہوئے چہرے سے تکدرآمیز خوشی کی روشنی سی پھوٹ رہی تھی۔

"مادام، اجازت دو که میں تمھاری گاڑی تلاش کر لوں" جوان افسر نے کہا اور اس کی آواز میں دبے ہوئے غصے کی تھرتھراہٹ تھی۔

"نہیں شکریه" اس نے جواب دیا "میرا خدمتگار یه کام کر لیگا۔ تم وہیں کھڑے رہو جہاں کھڑے ہو!" اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا اور سانن کو اپنے ساتھ کھینچتے ہوئے تیزی سے آگے نکل گئی۔

"جاؤ جہنم میں! تم مجھ سے چپکے کیوں چلے آ رہے ہو؟" دون ہوف نے دفعتاً گرج کر نقاد سے کہا۔ اس کو کہیں نه کہیں تو دل کی بھڑاس نکالنی ہی تھی۔

«Sehr gut! Sehr gut!» نقاد کہتے کہتے ایک لمحے کو رکا۔

ماریا نکولائونا کے وردی پوش خدمتگار نے، جو برساتی میں انتظار کر رہا تھا، آنکھ جھپکتے میں اس کی گاڑی ڈھونڈ نکالی ـــ وہ جلدی سے اس میں سوار ہو گئی اور اس کے پیچھے پیچھے سانن اچھل کر بیٹھ گیا اور ماریا نکولائونا بے تحاشا قہقہے لگانے لگی۔

”تم کس بات پر ھنس رھی ہو؟“ سانن نے پوچھا۔
”اوہ، معاف کرنا۔ بس یوں ھی قہقہہ لگانے کی سوجھہ گئی۔ کیا ہو اگر دون‌ہوف کو تم سے دوسرا ڈوئل لڑنا پڑے۔۔۔ میری خاطر! کیوں ہوگی نا شاندار بات؟“
”کیا تم اسے اچھی طرح جانتی ہو؟“ سانن نے پوچھا۔
”وہ لڑکا؟ وہ چھوکرا میری انگلیوں کے اشارے پر ناچتا ھے۔ پریشان نہ ہو!“
”میں ذرا بھی پریشان نہیں۔“
ماریا نکولائونا نے ٹھنڈی سانس لی۔
”اوہ میں جانتی ہوں تم پریشان نہیں ہو۔ لیکن دیکھو! تم اتنے بھلے آدمی ہو، مجھے امید ھے کہ تم میری آخری التجا نہیں ٹھکراؤگے۔ یہ نہ بھولو کہ میں تین دن میں پیرس جا رھی ہوں اور تم فرانک‌فرٹ واپس جا رہے ہو۔ کون جانے ہم پھر کب ملیں!“
”کیسی التجا؟“
”میرا خیال ھے کہ تم شہسواری جانتے ہو؟“
”ہاں جانتا ہوں۔“
”اچھا تو میں تمہیں کل صبح اپنے ساتھہ لے جاؤنگی اور ہم ایک ساتھہ شہر سے باہر شہسواری کرینگے۔ ہمارے گھوڑے شاندار ہونگے۔ تب ہم لوٹ کر آنے کے بعد اپنا کاروباری معاملہ طے کرینگے۔ پھر قصہ ختم! حیران نہ ہو، یہ نہ کہو کہ یہ محض سنک ھے، یہ کہ میں پگلی ہوں — ممکن ھے کہ میں پگلی ھی ہوں — لیکن تم بس اتنا کہہ دو: ’میں چلونگا،‘۔“

ماریا نکولائونا نے اپنا چہرہ اس کی طرف گھمایا — گاڑی میں اندھیرا تھا لیکن اس اندھیرے نے اس کی آنکھوں کی چمک کو اور بھی دوبالا کر دیا —

"بہت اچھا، میں چلونگا" سانن نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا —

"اوھو ھو!" اس نے سانن کو جلاتے ہوئے کہا — "میں جانتی ہوں تم نے کیوں اس طرح ٹھنڈی سانس لی — تمہارا مطلب ھے — گلے پڑا ڈھول تو بجانا ھی پڑیگا — لیکن نہیں، نہیں! تم بڑے پیارے ھو، بڑے اچھے ھو! میں اپنا وعدہ پورا کرونگی — یہ رہا میرا سیدھا ھاتھہ، بغیر دستانے کے، یہ ھاتھہ ھے کاروباری معاملے کے لئے — یہ ھاتھہ اپنے ھاتھہ میں لو اور اس پر بھروسہ کرو — میں خود بھی ٹھیک نہیں جانتی کہ میں کس قسم کی عورت ہوں — لیکن کم از کم میں ایک ایماندار عورت ضرور ہوں — ایک ایسی عورت جس سے تم سودا کر سکتے ھو —"

اس سے پہلے کہ وہ جان سکے کہ وہ کیا کر رھا ھے، اس نے وہ ھاتھہ اٹھایا اور اس پر اپنے ھونٹ رکھہ دئے — ماریا نکولائونا نے اپنا ھاتھہ نرمی سے کھینچا اور خاموش ھو گئی — اور اس وقت تک ایک لفظ نہ بولی جب تک کہ گاڑی رک نہ گئی —

وہ گاڑی سے اترنے کے لئے اٹھی۔۔۔آخر یہ کیا تھا؟ یہ محض تسانن کاصور تھا یا اس نے واقعی اپنے گال پر ایک تیز جلتا ھوا لمس محسوس کیا تھا؟

"کل!" ماریا نکولائونا نے زینے پر چڑھتے ہوئے کہا — زینہ چار شاخوں والی شمع دان سے جگمگا اٹھا تھا جس کو ماریا نکولائونا

کی جھلک دیکھتے ھی کمرے کے خدمتگار نے ھاتھہ میں اٹھا لیا تھا— اس کی آنکھیں جھکی ھوئی تھیں— ”کل!“

جب سانن اپنے کمرے میں واپس پھنچا تو اس کو اپنی میز پر جیما کا ایک خط ملا— اس کا پھلا جذبہ تو ڈر کا تھا لیکن ایک لمحے بعد وہ خوش ھوا تاکہ اس طرح اپنے خوف کو خود سے چھپا سکے— خط میں بس چند سطریں تھیں— وہ معاملے کے امید افزا آغاز سے خوش تھی، اس نے اس کو صبر و ضبط سے کام لینے کا مشورہ دیا تھا اور آخر میں لکھا تھا کہ گھر میں ھر شخص اچھی طرح ھے اور اس کی آمد کا خوش خوش انتظار کر رھا ھے— سانن کو خط میں قدرے سرد مھری سی محسوس ھوئی— لیکن اس نے اپنا قلم اور کاغذ کا ایک ورق اٹھایا لیکن پھر فوراً ھی اسے پھینک دیا— ”میں لکھوں کیا؟ میں کل خود ھی واپس جا رھا ھوں... بھت دیر ھوگئی، اب چل دینا چاھئے!“

وہ فوراً بستر پر دراز ھو گیا اور جلد از جلد سونے کی کوشش کرنے لگا— اگر وہ ذرا جاگتا رھتا تو یقینی وہ جیما کے متعلق سوچنے لگتا لیکن کسی وجہ سے اسے اس کے بارے میں سوچتے ھوئے شرم محسوس ھو رھی تھی— اس کے اندر ضمیر کی آواز گونج رھی تھی— لیکن اس نے خود کو یہ کھہ کر دلاسا دیا کہ خیر کل سب کچھہ ختم ھو جائیگا اور وہ اس سنکی عورت کو ھمیشہ کے لئے خدا حافظ کھیگا اور اس پوری بکواس کو بھول جائیگا!..

کمزور ارادوں کے لوگ، جب اپنے آپ سے باتیں کرتے ھیں تو بڑے زوروں کی ھانکتے ھیں— Et puis... cela ne tire pas à conséquence!*

---

* عام طور پر اس کا کوئی مطلب نھیں ھوتا!

اسی قسم کی باتیں سوچتے ہوئے، سانن نیند کی آغوش میں چلا گیا۔ لیکن جب اگلی صبح وہ جاگا تو اس کے خیالات کیا تھے، اس وقت وہ کیا سوچ رہا تھا جب ماریا نکولائونا نے اپنے مرجان کے مٹھہ والے چابک سے اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دی اور کمرے کی دھلیز پر نمودار ہوئی؟ اس کی شہسواری کے گہرے نیلے لباس کا لمبا دامن اس کے ھاتھہ پر جھول رہا تھا، اس کی ڈھیلی بندھی ہوئی چوٹیوں بھرے سر پر ایک چھوٹی سی مردانی ٹوپی چپکی ہوئی تھی، اس کے کندھوں پر ایک نقاب الٹی پڑی تھی، اس کے ہونٹوں پر اور آنکھوں میں ایک للکارتی ہوئی مسکراھٹ تھی، جو اس کے پورے چہرے کو سیراب کر رہی تھی — ھاں جب اس انداز میں سانن نے اس کو دیکھا تو اس نے کیا محسوس کیا؟ ھاں تاریخ اس سوال کے جواب میں خاموش ھے۔

"اچھا؟ کیا تم تیار ہو؟" اس کی لطف و انبساط میں ڈوبی ہوئی آواز گونج اٹھی۔

سانن نے خاموشی سے اپنے کوٹ کے بٹن لگائے اور سر پر ھیٹ جمائی۔ ماریا نکولائونا نے ایک کوندتی ہوئی نظر سے اسے دیکھا، سر ھلایا اور دوڑتی ہوئی زینے سے اترنے لگی۔ اور اس کے پیچھے پیچھے سانن دوڑتا ھوا نیچے اترا۔

پھاٹک کے سامنے، سڑک پر، گھوڑے پہلے ھی سے کھڑے تھے۔ وھاں تین گھوڑے تھے۔ ماریا نکولائونا کے لئے خوب سدھی ہوئی، سنہرے بھورے رنگ کی گھوڑی تھی، اس کا نکلا ھوا نتھنے والا

حصه پتلا تھا اور اس کے ھونٹ پھڑک رھے تھے، بڑی بڑی کالی آنکھیں ، ھرن جیسی ٹانگیں، کچھه ھڈی ھڈی سی، لیکن خوبصورت اور شعلے کی طرح لپکتی ھوئی سی — سانن کے لئے ایک موٹا تازہ، زوردار گھوڑا تھا — وہ سر سے پاؤں تک سیاہ تھا — تیسرا گھوڑا سائیس کے لئے تھا— ماریا نکولائونا بڑے سبک انداز سے اچھلی اور زین پر جم گئی — گھوڑی زمین پر ٹاپ مارنے لگی، ادھر ادھر تڑپی چھڑپی اور اپنی دم کمان کی طرح تان دی اور اپنے بدن کو تاننے اور سکیڑنے لگی لیکن ماریا نکولائونا (خوب شہسوار تھی یه عورت!) زین پر چپکی رھی — اسے ابھی پولوزوف کو خدا حافظ کہنا تھا، جو اپنے جنم جنم کی ساتھی ترکی ٹوپی اور کھلے ھوئے ڈریسنگ گاؤن کے ساتھه بالکنی میں کھڑا باریک ململ کا رومال ھلا رھا تھا — البته اس کے چہرے پر ھلکی سی بھی مسکراھٹ نه تھی، بلکه اس کی تیوریاں چڑھی ھوئی تھیں — سانن بھی اپنے گھوڑے پر سوار ھو گیا — ماریا نکولائونا نے چابک سے پولوزوف کو سلامی دی، اور پھر اپنی گھوڑی کی کمان کی طرح تنی ھوئی گردن پر چابک مارا — گھوڑی پیچھے اڑی، پھر اس نے آگے جست لگائی اور سرپٹ آندھی کی طرح دوڑنے لگی، وہ سر سے پاؤں تک لرز رھی تھی اور لگام کی زنجیر کو کاٹ رھی تھی اور گھبرائی گھبرائی سی دانت بجا رھی تھی اور نتھنوں سے آواز نکال رھی تھی — سانن پیچھے پیچھے ماریا نکولائونا کو دیکھتے ھوئے اپنا گھوڑا دوڑا رھا تھا — اس کا نازک، لچکدار جسم، جو بڑی صفائی سے پیٹیوں میں بندھا ھوا تھا (لیکن پٹیاں کسی ھوئی نہیں تھیں) بڑے سبک اور پراعتماد دلکشی کے ساتھه ھل رھا تھا—

اس نے مڑ کر دیکھا اور نگاھوں نگاھوں میں پکارا — وہ گھوڑے کو تیز دوڑا کر اس کے برابر آ گیا —

"کیوں اچھا لگ رھا ھے نا؟" اس نے کہا — "جدا ھونے سے پہلے میں تم سے کہنا چاھتی ھوں کہ تم بہت پیارے ھو —— اور تم اس پر کبھی نہیں پچھتاؤگے —"

یہ آخری الفاظ ادا کرتے ھوئے اس نے کئی بار سر ھلایا، جیسے وہ ان الفاظ پر زور دینا چاھتی ھو اور ان کی اھمیت کو جتانا چاھتی ھو —

سانن اس کو اتنا خوش دیکھہ کر حیران ھو رھا تھا — اس کے چہرے پر وہ مقدس کیفیت تھی جو کبھی کبھی بچوں کے چہرے پر اس وقت نظر آتی ھے جب وہ خوشی سے پھولے نہیں سماتے —

وہ گھوڑوں کو دلکی دوڑاتے ھوئے شہر کے پھاٹک تک گئے لیکن بس شاھراہ پر پہنچنے کی دیر تھی — انہوں نے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑانا شروع کر دیا — موسم شاندار تھا، موسم گرما کا ایک خوبصورت دن — ان کے چہروں سے ھوا ٹکرا رھی تھی اور کانوں میں سیٹیاں بجاتی ھوئی خوشگوار شور مچا رھی تھی — وہ خوش تھے — شباب، صحت مند زندگی، اور بے روک تیز رفتار کے احساس نے دونوں کو سرشار کردیا — ھر قدم کے ساتھہ یہ احساس بڑھتا گیا —

ماریا نکولائونا نے گھوڑی کی لگام کھینچی اور ایک بار پھر دلکی چلنے لگی — سانن اس کے نقش قدم پر چلنے لگا —

"اوہ!" اس نے دل کی گہرائی اور روحانی کیف کے ساتھہ ایک ٹھنڈی سانس لی "یہی ایک ایسی چیز ھے جس کے لئے آدمی زندہ رہ سکتا ھے! جو چاھو وہ حاصل کرنے کے لئے، وہ چیز جو ناممکن معلوم ھوتی تھی —— میرا جام بھر گیا ھے، میرا جام لبالب ھے!"

اس نے اپنی گردن پر ھاتھ دوڑایا — "اور آدمی خود کو کتنا نیک دل محسوس کرنے لگتا ھے! اب ذرا دیکھو اس وقت میرا دل کتنا نرم پڑ گیا ھے اور مہر و محبت سے بھر گیا ھے! مجھے ایسا لگتا ھے کہ اس وقت میں پوری کائنات کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ سکتی ھوں! نہیں نہیں ساری دنیا کو نہیں —— میں "اس کو" گلے نہیں لگا سکتی — " اس نے اپنے چابک سے چیتھڑوں میں ڈھکے ھوئے ایک بڈھے کی طرف اشارہ کیا جو سڑک کے کنارے رینگتا ھوا چل رھا تھا — "لیکن میں اس کو خوش کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتی — لو یہ لو!" وہ زور سے جرمن زبان میں چلائی اور اپنی تھیلی اس بڈھے کے قدموں میں پھینک دی — ایک چھوٹی سی بھاری تھیلی (اس زمانے میں بٹوے جیسی کوئی چیز نہ تھی) دھم سے سڑک پر گری — راھگیر، حیران حیران سا، رک گیا لیکن ماریا نکولائونا نے زور سے قہقہہ بلند کیا اور اپنی گھوڑی کو سرپٹ دوڑاتے ھوئے آگے بڑھ گئی —

"کیا تم شہسواری کی اتنی شوقین ھو؟" سانن نے اس کے برابر آتے ھوئے پوچھا —

ماریا نکولائونا نے پھر اپنی گھوڑی کی لگام کھینچ لی —— وہ اس کو روکنے کے کسی اور طریقے کو تسلیم نہ کرتی تھی —

"میں اس کی ممنونیت کے اظہار سے بچنا چاھتی تھی — جو کوئی میرا شکریہ ادا کرتا ھے —— میری راحت کا مزا کرکرا کر دیتا ھے — یہ میں نے اس کے لئے نہیں کیا، تم جانو یہ میں نے اپنی خاطر کیا — اس کو میرا شکریہ ادا کرنے کی جرأت کیوں ھو؟ کیا کہا تم نے؟ میں نے سنا نہیں —"

"میں پوچھنا چاہتا تھا۔ ۔ ۔ کہ آخر تم آج اتنی خوش کیوں ہو؟"

"سنو!" ماریا نکولائونا نے کہا — پھر یا تو اس نے سانن کا سوال نہیں سنا یا اس کا جواب دینا مناسب نہ سمجھا — "میں اس سائیس کے پیچھا کرنے سے اکتا گئی ہوں، وہ شاید مستقل یہ سوچتا چلا آرہا ہے کہ یہ صاحب لوگ کب گھر لوٹینگے — ہم اس سے کیوں کر چھٹکارا حاصل کریں؟" اس نے جلدی سے اپنی نوٹ بک سے ایک ورق پھاڑا — "کیا میں اسے ایک خط کے ساتھہ شہر واپس بھیج دوں؟ نہیں یہ ٹھیک نہیں ہوگا — اوہ، میں جانتی ہوں! کیا وہاں آگے کوئی سرائے ہے؟"

سانن نے اس طرف دیکھا جدھر اس نے اشارہ کیا تھا —

"معلوم تو ہوتی ہے —"

"خوب! میں اس کو وہاں ٹھہراؤنگی اور کہونگی کہ ہمارے لوٹنے تک بیئر پیو —"

"لیکن وہ کیا سوچیگا؟"

"اس کی ہمیں کیا پروا ہے؟ اور وہ سوچیگا بالکل نہیں، وہ بس بیئر پیئیگا — آؤ، سانن!" (اس نے پہلی بار سانن کے نام سے اس کو پکارا تھا —) "آگے بڑھو! سرپٹ!"

جب وہ سرائے پہنچے تو ماریا نکولائونا نے سائیس کو بلایا اور اپنے مطلب کی بات کہی — سائیس نے جو انگریز نسل کا تھا اور انگریزی مزاج رکھتا تھا، خاموشی سے اپنا ہاتھہ ٹوپی کے سرے تک اٹھایا اور زین سے اچھل کر کود گیا اور لگام پکڑ کر گھوڑے کو ایک طرف لے گیا —

"اب ہم بالکل آزاد ہیں، جیسے ہوا!" ماریا نکولائونا چلائی —

”ہم کہاں چلیں؟ اتر، دکھن، پورب، پچھم؟ دیکھو۔ ۔ ۔میں ہنگری کے بادشاہ کی طرح ہوں جس کی رسم تاجپوشی ادا ہو رہی ہو۔“ (اس نے اپنے چابک سے چاروں سمتوں میں اشارہ کیا۔) ”یہ سب ہمارا ہے! نہیں، میں تمہیں بتاؤں — وہاں تمہیں وہ پہاڑ نظر آرہا ہے — اور جنگل! آؤ وہاں چلیں، پہاڑوں پر، پہاڑوں پر!“

In die Berge, wo die Freiheit thront!*

وہ گھوڑی کو شاہراہ سے اتار کر اس تنگ اور سنسان راستے پر دوڑانے لگی جو پہاڑوں کی طرف جاتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ سانن اس کے پیچھے پیچھے گھوڑے کو دوڑا رہا تھا۔

٤٢

یہ راستہ جلد ہی ایک پگ ڈنڈی میں بدل گیا اور پھر بالکل غائب ہوگیا۔ اس کو ایک گڑھے نے کاٹ دیا تھا۔ سانن نے واپس چلنے کی صلاح دی لیکن ماریا نکولائونا نے کہا ”نہیں میں پہاڑوں پر جانا چاہتی ہوں۔ آؤ ہم سیدھے، بالکل ناک کی سیدھ میں، تیر کی طرح اڑتے چلیں“ اس نے اپنی گھوڑی کو گڑھے پر سے تڑپا دیا۔ سانن نے بھی وہی کیا۔ گڑھے کے بعد ایک سرغزار آیا۔ شروع میں تو یہ سوکھا ہوا تھا، اس کے بعد نم اور گیلا گیلا سا حصہ آیا اور آخر میں قریب قریب دلدلوں جیسا۔ ہر طرف سے پانی رس رہا تھا۔ ماریا نکولائونا اپنی گھوڑی کو پانی کے گڑھوں اور چہ بچوں میں

---

* پہاڑوں پر جہاں آزادی منڈلا رہی ہے!

دوڑاتی اور ہنستی رہی — وہ باربار کہتی جاتی : "آؤ ہم بچے بن جائیں!"

"کیا تم جانتے ہو کہ چھ بچوں میں شکار کا مطلب کیا ہوتا ہے؟" اس نے سانن سے پوچھا —

"میں جانتا ہوں" سانن نے جواب دیا —

"میرے چچا کتوں کے ساتھ شکار کیا کرتے تھے —" اس نے اپنی بات کا سلسلہ جاری رکھا — "میں موسم بہار میں ان کے ساتھ شہسواری کے لئے جایا کرتی تھی — اف کتنا شاندار تھا یہ! اور اب میں اور تم چھ‌بچوں میں کھیل رہے ہیں — لیکن دیکھو! تم ایک روسی ہو اور پھر بھی ایک اطالوی لڑکی سے شادی کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟ اور خیر یہ تمہارا درد سر ہے — یہ کیا؟ ایک دوسرا گڑھا؟ لو وہ مارا!" گھوڑی نے چھلانگ لگائی اور ماریا نکولائونا کے سر سے ہیٹ گر گئی اور اس کی گھونگھریالی لٹیں شانوں پر آ رہیں — سانن اتر کر ہیٹ اٹھانے ہی والا تھا کہ وہ چلائی "اس کو چھوؤ مت! میں خود ہی اسے اٹھا لونگی!" وہ اپنے چابک کے سرے سے اپنی نقاب کو الگ کرتے ہوئے زین سے نیچے جھکی اور واقعی ہیٹ اٹھا لی اور دوبارہ اپنے سر پر جما لی — لیکن اس نے بالوں کو اس کے اندر نہیں سمیٹا اور ایک وحشیانہ طراری اور چیخ کے ساتھ اپنی گھوڑی کو دوڑاتے ہوئے ہوا سے باتیں کرنے لگی — اس کے پہلو میں سانن بھی اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑا رہا تھا، اس کے شانہ بشانہ ہی وہ گڑھوں، رکاوٹوں، نالوں پر سے چھلانگیں لگا رہا تھا، کبھی چھلانگ لگاتا، کبھی کودتا، کبھی گھوڑے کو چڑھائی پر دوڑاتا، کبھی اتار پر —— پورے وقت وہ اس کے چہرے پر اپنی نظریں جمائے ہوئے تھا — اور کیا لاجواب چہرہ تھا

یہ! ایک کھلتے ہوئے پھول کی طرح! آنکھیں، پراشتیاق، روشن اور وحشی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں، ہونٹ کھلے ہوئے تھے، پھڑکتے ہوئے پتلے نتھنے بڑے چاؤ سے تازہ ہوا پی رہے تھے — وہ بالکل ناک کی سیدھ میں دیکھ رہی تھی — جیسے اس کی جرأت آزما روح وہ سب کچھ جو اسے نظر آ رہا ہے اپنے اندر سمولیگی — دھرتی، آکاش، سورج، ہوا — اور ایسا لگتا تھا کہ اسے صرف ایک چیز کا افسوس ہے — اس کے سامنے کافی خطرے نہ تھے جن پر وہ عبور حاصل کر سکتی — "سانن" وہ چلائی "یہ بیورگر کے "لینور" * کی طرح ہے — بس فرق اتنا ہے کہ تم مرے نہیں ہو، ہے نا؟ مرے تو نہیں؟ میں زندہ ہوں!" اس کے وحشیانہ جذبات کھل کھیل رہے تھے — وہ ایک قدیم یونانی "جنگ‌جو عورت" باقی نہیں رہی تھی، وہ ایک دیومالائی جوان شہسوار عورت تھی، آدھی دیوی، آدھی حیوان — اور دیہاتی علاقے کی پرشکوہ اور ہموار وسعتیں، اس مجنونانہ سرخوشی و سرمتی پر خاموش اور حیران تھیں —

آخر ماریا نکولائونا نے اپنی جھاگ ٹپکاتی ہوئی بے چین گھوڑی کی لگام کھینچی — وہ اس کے بوجھ تلے ذرا لچکی اور سانن کا طاقتور مگر گمبھیر گھوڑا ہانپنے لگا —

"کیوں ہے نا یہ پرلطف اور مسرت انگیز؟" ماریا نکولائونا نے ایک وجدانی مسرت کے ساتھ سرگوشی میں پوچھا —

"ہے!" سانن نے جوش و خروش کے ساتھ جواب دیا — اس کا خون بھی طوفان کی طرح امڈ رہا تھا —

---

* ایک جرمن شاعر اگست بیورگر (۱۷۴۷ء — ۱۷۹۴ء) کا آلہا —

"ذرا انتظار کرو، یہی سب کچھ نہیں ھے!" اس نے اپنا ھاتھ پھیلایا — اس کا دستانہ پھٹ چکا تھا —

"میں نے کہا تھا کہ میں تمھیں جنگل اور پہاڑوں میں لے جاؤنگی — وہ رھے جنگل اور پہاڑ!" ھاں پہاڑ، جن کے سر پر جنگلوں کا تاج سا پھیلتا چلا گیا تھا، ان شہسواروں سے بس کوئی دو سو گز کے فاصلے پر تھا — "دیکھو — یہ ھے راستہ جو وھاں جاتا ھے — ھم ذرا سانس لے لیں پھر چلتے ھیں — آگے! لیکن ھم ٹہلتے ھوئے چلینگے اور گھوڑے ذرا سستا لیں —"

وہ گھوڑے کو آگے بڑھاتے رھے — ماریا نکولائونا نے ایک زوردار جھٹکے سے بال پیچھے پھینک دئے — پھر اس نے اپنے دستانوں کو دیکھا — اور ان کو اتار لیا — "میرے ھاتھ سے چمڑے کی بو آئیگی —" اس نے کہا "لیکن تم اس کی پروا نہیں کروگے، نہیں کروگے نا؟"

ماریا نکولائونا مسکرائی اور سانن بھی مسکرایا — لگتا تھا کہ اس وحشیانہ گھوڑ دوڑ نے ان کو ایک دوسرے سے قریب کر دیا تھا اور ان کو دوست بنا دیا تھا —

"کیا عمر ھے تمھاری؟" اس نے اچانک پوچھا —

"بائیس —"

"نہیں، سچ؟ میں بھی بائیس برس کی ھوں — خوب عمر ھے یہ — اگر دونوں کو اکٹھا کر لو جب بھی بڑھاپا ابھی بہت دور رہ جائیگا — لیکن کتنی گرمی ھو رھی ھے! بتاؤ، کیا میں بہت سرخ ھو رھی ھوں؟"

"سرخ، خش خاش کی طرح سرخ —"

ماریا نکولائونا نے رومال سے اپنا منه پونچھا —

”کاش هم جلدی سے جنگل میں پهنچ جائیں —— وهاں ٹھنڈا هوگا — هائے ایسا پرانا جنگل، جیسے پرانا دوست هو! کیا تمهارا کوئی دوست بھی هے؟“

سانن سوچنے کے لئے رکا — ”هاں هیں . . . لیکن بہت زیادہ نہیں ۔ سچے دوست نہیں —“

”میرے سچے دوست هیں، لیکن وہ پرانے دوست نہیں — میری گھوڑی هے —— یه میری اچھی دوست هے — ذرا دیکھنا کتنی احتیاط سے مجھے اٹھائے چلتی هے — اوہ یہاں کتنا اچھا لگتا هے! کیا میں واقعی پرسوں پیرس جا رهی هوں؟“

”هاں . . . کیا تم واقعی جا رهی هو؟“ سانن نے دهرایا —

”اور تم فرانکفرٹ جا رهے هو؟“

”میں تو واقعی فرانکفرٹ جا رها هوں —“

”اوہ —— اچھا، میں چاهتی هوں تمهیں مسرتیں حاصل هوں! لیکن آج همارا هے . . . همارا اپنا!“

گھوڑے جنگل کے قریب پهنچے اور اس کے اندر گھس گئے — چاروں طرف سے پھیلے هوئے آرام دہ پرسکون سائے نے انهیں اپنی آغوش میں لے لیا—

”لیکن یه تو جنت هے!“ ماریا نکولائونا بولی— ”آؤ سانن هم ان پرچھائیوں میں اور اندر تک چلیں!“

گھوڑے، پرچھائیوں میں کھوئے هوئے، دور تک، اپنے راستے پر چلتے رهے، وہ هلکے هلکے جھوم رهے تھے اور زور زور سے سانس

لے رہے تھے — ان کا راستہ اچانک ایک طرف مڑ گیا اور ایک تنگ گھاٹی میں دوڑتا چلا گیا — اس گھنی اور خواب ناک سی فضا میں، اریکا قسم کی گلابی پھولوں والی جھاڑیوں، فرن اور چیڑ اور پچھلے سال کے سڑے ہوئے پتوں کی ملی جلی بو بسی ہوئی تھی — بڑی بڑی بھوری ڈھلواں چٹانوں کی شگافوں میں تیز اور ٹھنڈی ہوا سرسرا رہی تھی — گول گول چٹانیں، جن پر ہری ہری کائی جمی ہوئی تھی، راستے کے دونوں طرف بلند ہوتے چلے گئے تھے —

"رک جاؤ!" ماریا نکولائونا چلائی — "میں اس مخملیں گدے پر بیٹھنا اور آرام کرنا چاہتی ہوں — مجھے اترنے میں ذرا سہارا دو!"

سانن گھوڑے سے اترا اور لپک کر اس کے پاس گیا — وہ اس کے کندھے پر جھکی اور تیزی سے کود گئی اور کائی سے بھرے ہوئے ٹیلے پر بیٹھ گئی — وہ اس کے سامنے دونوں گھوڑوں کی لگام پکڑے کھڑا رہا —

اس نے سانن کے چہرے کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا...

"کیا تم بھولنا جانتے ہو سانن؟"

پچھلے دن گاڑی میں جو کچھ ہوا تھا سانن کو یاد آگیا —

"یہ ایک سوال ہے... یا ملامت؟" اس نے سوال میں جواب دیا —

"میں نے زندگی میں کبھی بھی کسی کو برا بھلا نہیں کہا ہے — کیا تم جادو پر یقین رکھتے ہو؟"

"کیا مطلب ؟"

"جادو منتر ٹونے پر؟ تم جانتے ہو —— ہمارے گیتوں میں کیا گایا جاتا ہے — روسی لوک گیتوں میں؟"

"اچھا یہ مطلب ہے تمہارا؟" سانن نے کھینچ کر کہا۔
"ہاں — میں اس پر یقین رکھتی ہوں۔۔۔ اور اس طرح تم بھی کبھی اس پر یقین کروگے —"
"جادو منتر۔۔۔" سانن نے دھرایا — "سبھی کچھه ممکن ہے — پہلے مجھے اعتبار نہ تھا، لیکن اب ہے — میں خود اپنے آپ کو نہیں پہچانتا —"
ماریا نکولائونا کچھه سوچتی ہوئی نظر آ رہی تھی — اس نے پیچھے پلٹ کر نظر دوڑائی —
"میں اس جگہ سے مانوس ہوں — سانن دیکھو پلٹ کر، وہ عظیم الشان شاہ بلوط — کیا وہاں لکڑی کی سرخ صلیب ہے؟"
سانن ایک طرف چند قدم ہٹ گیا — "ہاں ہے —"
ماریا نکولائونا چہکی — "اچھا — میں جانتی ہوں، ہم کہاں ہیں — ہم ابھی کھوئے نہیں ہیں — وہ شور کیسا ہے — کوئی لکڑھارا ہے؟"
سانن نے گھنے جنگل میں غور سے دیکھا — "ہاں، کوئی سوکھی ٹہنیاں کاٹ کاٹ کر گرا رہا ہے —"
"مجھے اپنے بال سنوارنے چاھئیں" ماریا نکولائونا نے کہا — "ورنہ وہ مجھے دیکھیگا اور مزے مزے کی الٹی سیدھی باتیں سوچ ڈالیگا —" اس نے اپنی ہیٹ اتاری اور ایک باوقار خاموشی کے ساتھه اپنی لمبی لمبی چوٹیوں کا جوڑا بنانے لگی — سانن اس کے سامنے کھڑا تھا۔۔۔ ماریا نکولائونا کے لباس کی سیاہ تہوں کے اندر سے جس پر جگہ جگہ کائی چپک گئی تھی، اس کے بدن کے دلکش پیچ و خم، پھوٹے پڑ رہے تھے —

سانن کے پیچھے ایک گھوڑے نے اچانک سر کو جھٹکا دیا —
وہ بے اختیار طور پر سر سے پاؤں تک لرزنے لگا — اس کے اندر ہر چیز گڈمڈ ہو رہی تھی، ٹوٹ پھوٹ رہی تھی، اس کے آعصاب ساز کے تاروں کی طرح تنے ہوئے تھے — اس نے یہ سچ کہا تھا کہ اب وہ خود کو بھی پہچان نہ سکتا تھا. . . اس کو لگ رہا تھا کہ سچ مچ اس پر جادو ہو گیا ھے — اس کا سارا وجود ایک ھی چیز، ایک ھی خیال اور ایک ھی خواھش میں گم تھا — ماریا نکولائونا نے تجسس بھری نظروں سے اسے دیکھا —

"ھاں یہ ھے ڈھب کی بات!" اس نے آخر اپنی ھیٹ پھر سر پر رکھتے ہوئے کہا — "تم بیٹھتے کیوں نہیں؟ یہاں! نہیں ٹھہرو ایک منٹ. . . بیٹھو مت! . . دیکھو وہ کیا ھے؟"

درختوں کے اوپر اوپر، ایک گھن گرج نے ھوا میں کپکپاھٹ پیدا کر دی —

"کیا یہ کڑکا ھے؟"

"معلوم ھوتا ھے" سانن نے جواب دیا —

"اوہ یہ تو واقعی عید ھے — سچا تہوار! یہ ھے سونے پر سہاگا!"
کھوکھلی گھن گرج پھر سنائی دی، اس کی گونج زیادہ تیز ھو گئی اور لرزتی اور غراتی ہوئی کہیں ڈوب گئی — "شاباش Bis! یاد ھے تمھیں کل جو ھم ائنید کے بارے میں باتیں کر رھے تھے؟ وہ بھی جنگل کے اندر ایک طوفان میں پھنس گئے تھے — لیکن ھمیں پناہ ڈھونڈنی چاھئے — " وہ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی — "ذرا میری گھوڑی قریب لاؤ! اپنا ھاتھ بڑھاؤ — یہ ٹھیک ھے — میں بہت بھاری تو نہیں — "

وہ چڑیا کی سبک روی سے اچھلی اور زین پر جم گئی — سانن بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا —

"کیا اب گھر جا رہی ہو؟" سانن نے جھجکتے ہوئے پوچھا —

"گھر؟" اس نے لگام کو سمیٹتے ہوئے گونجتی ہوئی آواز میں دھرایا — "تم میرے پیچھے آؤ!" اس نے قدرے سختی سے حکم کے انداز میں کہا —

وہ راستے پر گھوڑی کو دوڑانے لگی، صلیب کے پاس سے گزر کر، ترائی میں اتری، چوراھے تک گئی، سیدھے ھاتھ کو مڑی اور ایک بار پھر پہاڑی چڑھائی پر چڑھنے لگی — وہ اس راستے پر، زیادہ سے زیادہ جنگل کے اندر بڑھتی چلی گئی اور ایسا ظاھر ھو رہا تھا کہ اسے معلوم ھے کہ وہ کہاں جا رہی ھے — وہ کچھہ نہ بولی اور نہ ایک بار مڑ کر دیکھا، وہ تحکمانہ شان سے بڑھتی رہی، اور سانن نہایت سعادت مندی اور فرماں برداری سے اس کے نقش قدم پر چلتا رہا — اس کے دل میں قوت ارادی کی آخری چنگاری بجھہ چکی تھی — بوندا باندی شروع ھوئی اور پھواریں پڑنے لگیں — وہ آگے بڑھنے کے لئے اپنی گھوڑی کو مہمیز لگاتی رہی اور سانن بھی اس سے پیچھے نہ رہا — فر کے ایک نئے درخت کی چھدری چھدری ھری پتیوں سے اسے ایک خستہ حال سی جھونپڑی نظر آئی، جس کی ٹٹی کی دیوار میں ایک نیچا دروازہ تھا — یہ جھونپڑی ایک سرمئی سی اونچی چٹان کے سائے میں تھی — ماریا نکولائونا اپنی گھوڑی کو جھاڑ جھنکاڑ میں سے گزرنے پر مجبور کرتی رہی اور آخر وہ اس جھونپڑی کے سامنے پہنچ کر کود گئی اور سرگوشی کے لہجے میں بولی "ایناس؟"

چار گھنٹے بعد، ماریا نکولائونا اور سانن ، سائیس کے ہمراہ، جو اپنی زین پر بیٹھا اونگھه رہا تھا، ویسبادن اپنے ہوٹل واپس پہنچے — موسیو پولوزوف اپنی بیوی سے ملا تو اس کے ہاتھه میں پٹواری کے نام خط لکھا ہوا موجود تھا — اس نے ایک سوالیه نظر سے اس کو دیکھا اور اس کے چہرے پر بے اطمینانی کی کیفیت پیدا ہو گئی — "کیا تم یه کہنا چاہتی ہو که میں ہار گیا؟" وہ بڑبڑایا —

ماریا نکولائونا نے جواب میں صرف اپنے شانے ہلا دئے —

اور دو گھنٹے بعد، سانن خود اپنے کمرے میں، اس کے سامنے لٹاپٹا اور تباہ و برباد کھڑا تھا —

"کہاں جا رہے تم؟" اس نے پوچھا — "پیرس —— یا فرانک‌فرٹ؟"

"میں وہیں جاؤنگا جہاں تم جاؤگی اور اس وقت تک تمہارے پاس ہی رہونگا جب تک که تم مجھے نکال نه دو — " اس نے بےبسی میں کہا اور اس کے قدموں پر گر گیا اور اپنے ہونٹ اس کے ہاتھه پر رکھه دئے — اس نے اپنا ہاتھه چھڑایا اور اس کے سر پر رکھه دیا — اور دفعتاً اس نے اس کے بالوں کو اپنی دسوں انگلیوں سے جکڑ لیا — وہ آہسته آہسته نرم بالوں میں انگلیوں کو دوڑاتی اور بالوں کو کھینچتی رہی — وہ سیدھی تنی ہوئی کھڑی تھی ایک فاتحانه مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر ناچ رہی تھی، اس کی پھیلی ہوئی آنکھوں سے جو مارے چمک کے سفید ہو رہی تھیں، سوائے ایک سخت گیر کھوکھلے پن اور فتح کی شان کے اور کچھه نه جھلک رہا تھا — صرف اپنی شکار چڑیا کے گوشت میں چونچ مارتی ہوئی چیل کی آنکھیں ایسی ہوتی ہیں —

جب سانن کو، اپنے خاموش مطالعه کے کمرے میں کاغذوں کو الٹ پلٹ کرتے ہوئے، یاقوت کی ایک صلیب ملی تو اس کو بس اتنا ہی یاد آیا — ابھی جو واقعات بیان کئے گئے ہیں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے اس کی آنکھوں میں پھر گئے — لیکن جب اس کو وہ لمحه یاد آیا جب اس نے مادام پولوزووا سے توہین آمیز التجائیں کیں، وہ وقت جب اس نے اپنے آپ کو اس کے قدموں میں ڈال دیا — ہاں جب اس کو اپنے دور غلامی کے آغاز کا وہ لمحه یاد آیا تو اس نے ان تصورات کی طرف سے اپنا منه پھیر لیا — اب زیادہ کی اسے تاب نه تھی — یه بات نه تھی که اس کی یاد نے جواب دے دیا ہو، نہیں ایسا نه تھا! وہ جانتا تھا، اچھی طرح جانتا تھا که اس کے بعد کیا ہوا تھا لیکن اب بھی، اتنے زمانے بعد بھی، مارے شرم کے اس کا دم گھٹا جا رہا تھا — وہ اپنے آپ سے اس ناقابل، تسخیر نفرت کے احساس سے ڈرتا تھا — وہ جانتا تھا که اگر اس نے اس یاد کو الوداع نہیں کہا تو یه احساس اسے اپنی موجوں میں بہا لے جائیگا اور تمام دوسرے احساسات پر چھا جائیگا — ان ابھرتی ہوئی یادوں سے بھلے ہی اس نے منه موڑ لیا ہو، مگر ان کو بالکل گھونٹ دینے میں وہ کامیاب نه ہو سکا — اسے اپنا فضول، آنسوؤں میں ڈوبا ہوا، جھوٹا، ترس اور رحم سے بھرا ہوا خط یاد آیا جو اس نے جیما کو لکھا تھا، ایک ایسا خط جس کا جواب بھی نه آیا . . . ایسے دھوکے اور دغا بازی کے بعد اس کے پاس لوٹنا —— نہیں، نہیں! ابھی اس میں ضمیر اور عزت کی اتنی چنگاری باقی تھی، جس نے اسے

ایسا کرنے سے باز رکھا! اس کے علاوہ وہ اپنی ساری خود اعتمادی، ساری خودداری کھو چکا تھا — اب اس میں کسی بات کا جواب دینے کی جرأت نہ تھی — سانن کو یہ بھی یاد آیا (اوہ شرم و رسوائی کی کوئی حد تھی!) کہ اس نے کس طرح پولوزوف کے خدمتگار کو اپنا سامان لینے کے لئے فرانکفرٹ بھیجا تھا — وہ کتنا خوف زدہ تھا، اور کس طرح اس کے دماغ میں ایک ھی خیال تھا: کس طرح اور کب پیرس بھاگے، جہاں تک جلد ہو بھاگ کر پیرس میں پناہ لے — کس طرح اس نے، ماریا نکولائونا کے حکم پر، ایپولیت سیدورچ کے دل میں گھر کرنے کی کوشش کی تھی — کس طرح اس نے دون ہوف سے اپنے تعلقات استوار کئے تھے جس کی انگلی میں بھی اس نے ویسی ھی لوہے کی انگوٹھی دیکھی تھی جیسی کہ اس نے سانن کو دی تھی! پھر ان یادوں کا کارواں آیا جو اور بھی زیادہ شرمناک اور بری تھیں — ویٹر نے اس کے ہاتھہ میں ایک کارڈ دیا تھا جس پر عالی جاہ ڈیوک اف مودینہ کے موسیقار پنتالیونے چپاتولا کا نام لکھا ہوا تھا — وہ اس بڈھے سے روپوش تو ضرور ہو گیا لیکن گلیارے میں اس کی مڈبھیڑ ہو ھی گئی اور اب تک اس کو، اوپر کی طرف بل کھائی ہوئی سفید لٹوں کے نیچے غصے سے بھرا ہوا وہ چہرہ یاد تھا — بوڑھی آنکھیں انگارے کی طرح دھک رہی تھیں — سانن کے کانوں نے غضبناک چیخیں اور کوسنے سنے تھے: *Maledizione! نہ جانے اسے کتنی غضبناک ملامتیں سنائی دی تھیں: **Codardo! Infame traditore! سانن آنکھیں بند کرتا ہے، سر پھیرتا ھے، باربار منہ

---

* لعنت ملامت —

** بزدل! ملعون غدار!

موڑتا ھے لیکن وہ اب بھی خود کو سفری گاڑی کی پتلی سی اگلی بنچ پر بیٹھا ھوا دیکھتا ھے — پچھلی آرام دہ سیٹ پر ماریا نکولائونا اور ایپولیت سیدورچ بیٹھے ھیں، چار گھوڑے ایک ساتھ جتے ھوئے ویسبادن کی سڑکوں پر تیز تیز دوڑ رھے ھیں —— پیرس کی طرف، پیرس کی طرف! ایپولیت سیدورچ ایک ناشپاتی کھاتا ھے جو سانن نے چھیل کر پیش کیا ھے، ماریا نکولائونا اسے اس مسکراھٹ کے ساتھ دیکھتی ھے جس سے وہ خوب مانوس ھو چکا ھے — یہ ھارا ھوا آدمی اور مالک کی مسکراھٹ ، حکمراں کی مسکراھٹ...

لیکن اوہ، خدا، سڑک کے نکڑ پر شھر کے دروازے کے قریب کون نظر آ رھا ھے، کیا پھر پنتالیونے ؟ اور اس کے ساتھ کون ھے؟ کیا یہ ایمیلیو ھے؟ ھاں ھاں یہ وھی ھے، وھی پرجوش لڑکا جو کبھی اس پر جان دیتا تھا! کچھ ھی دنوں کی بات ھے اس کا دل اپنے ھیرو کے لئے کس طرح پرستش کے جذبے سے بھر گیا تھا، اور اس کے لئے تو وہ آدرش بن گیا تھا، اور اب اس کا پیلا اور خوبصورت چھرہ—اتنا خوبصورت کہ ماریا نکولائونا کی نظر جم کر رہ گئی اور اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا — اب وہ نیک طینت چھرہ غصہ اور نفرت برسا رھا ھے — وہ آنکھیں —— جن میں جیما کی آنکھوں کی اتنی گھری جھلک ھے ——سانن کو گھور کر دیکھتی ھیں — ھونٹ چپکے ھوئے ھیں — ھونٹ کھلتے ھیں تو صرف گالیاں برسانے کے لئے...

اب پنتالیونے اپنا ھاتھ اٹھاتا ھے اور سانن کی طرف اشارہ کرتا ھے — لیکن کس کو؟ تارتالیا کو جو اس کے پاس کھڑا ھے اور تارتالیا سانن پر بھونکتا ھے اور اس ایماندار کتے کی بھونک میں ایک ناقابل برداشت ملامت چھپی ھوئی ھے — لعنت!

اور پھر —— پیرس کی زندگی —— اور ساری رسوائیاں، ایک ایسے غلام کا سارا رکیک درد و کرب، جو رقابت دکھانے کا، شکائیت کرنے کا حق نہیں رکھتا اور جو آخر میں ردی دستانے کی طرح پھینک دیا جاتا ہے . . .

پھر —— اپنے وطن کو واپسی، ایک زھرآلود اور تباہ و برباد زندگی، چھوٹی چھوٹی پریشانیاں، تلخ اور بے نتیجہ پچھتاوا اور ایک خلا جو اتنا ھی بے نتیجہ اور تلخ ھے — اس کو جو سزا ملی تھی نظر نہ آتی تھی، لیکن ھمیشہ محسوس ھوتی رھتی تھی، ھر لمحہ، ھر گھڑی — ھلکے ھلکے مگر کبھی ختم نہ ھونے والے درد کی طرح، جیسے وہ بہت بڑا، بےحد و حساب قرض ادا کر رھا ھو لیکن ایک ایک پائی کرکے . . .

اس کا پیالہ لبالب ھو چکا تھا —— بس!

یہ کیوں کر ممکن تھا کہ جیما نے اس کو جو چھوٹی سی صلیب دی تھی زندہ رہ گئی تھی، آخر اس نے یہ صلیب لوٹا کیوں نہ دی تھی، آخر اس کو اس لمحے تک اس کا خیال کیوں نہ آیا؟ وہ دیر تک بیٹھا سوچتا رھا اور اتنے برسوں کے تجربے کے باوجود اس کی سمجھ میں نہ آ رھا تھا کہ اس نے جیما کو کیوں کر تج دیا، جس کو وہ دل کی گہرائی سے اتنا چاھتا تھا، اتنے جذبے سے، دل کی گرمی سے، اور وہ بھی ایک ایسی عورت کے لئے جس کو اس نے کبھی نہ چاھا — دوسرے دن اس نے تمام دوستوں کو یہ کہہ کر اچنبھے میں ڈال دیا کہ وہ پردیس جا رھا ھے —

سوسائٹی کے لوگ بھونچکا رہ گئے – بھرے جاڑے میں سانن پیٹرس برگ سے جا رہا تھا، جبکہ اس نے ابھی ابھی ایک بہترین مکان کرائے پر لیا تھا اور اسے آراستہ پیراستہ کیا تھا، اور اطالوی اوپیرا سیزن کے لئے ٹکٹ بھی لے چکا تھا، جس میں مادام پتی ، ہاں خود مادام پتی —— حصہ لے رہی تھی – دوست و احباب دم بخود رہ گئے – لیکن یہ انسان کے خمیر میں ہے کہ وہ دوسروں کا درد سر زیادہ دیر تک نہیں پالتا اور جب سانن پردیس جانے کے لئے روانہ ہوا تو اسٹیشن پر اسے چھوڑنے کے لئے صرف ایک فرانسیسی درزی حاضر ہوا اور وہ بھی اس امید میں کہ اس کا اپنا بقایا وصول ہوجائے ——
pour un saute — en — barque en velours noir, tout à fait chic—*

٤٤

سانن نے اپنے دوستوں سے کہا تھا کہ وہ باہر جا رہا ہے لیکن یہ نہیں بتایا تھا کہ کہاں – آپ فوراً تاڑ گئے ہونگے کہ اس نے سیدھے فرانکفرٹ کی راہ لی ہوگی – ریلوے کا بھلا ہو کہ وہ تین دن کے بعد وہاں پہنچ گیا – ١٨٤٠ء کے بعد وہ اس شہر میں نہیں آیا تھا – "سفید ھنس" اپنی جگہ پر موجود تھا مگر اب اسے عمدہ ترین ہوٹلوں میں نہیں شمار کیا جاتا تھا – فرانکفرٹ کی خاص سڑک تسیل میں بہت کم تبدیلیاں ہوئی تھیں – لیکن وہاں اب مادام روسیلی کا کوئی نام و نشان باقی نہ تھا، نہ اس سڑک کا کہیں اتہ پتہ تھا جس پر مٹھائی کی دوکان تھی – سانن ، کچھ بیہوشی

---

* کالے مخمل کے جدیدترین وضع کے سمندری کرتے کے لئے!

کے سے عالم میں ان سڑکوں پر گھومتا رہا جن سے وہ اتنا مانوس تھا۔ لیکن اسے کوئی بھی جانی پہچانی چیز نظر نہ آئی۔ پرانی عمارتیں غائب ہو گئی تھیں۔ ان کی جگہ نئی سڑکوں نے لے لی تھیں۔ اور ان کے کنارے کنارے بڑے بڑے مکانوں اور احاطے والے خوشنما گھروں کا سلسلہ تھا کہ ختم ہونے کو نہ آتا تھا۔ پبلک پارک کے درخت اور جھاڑیاں، جہاں اس نے جیما کو اپنی محبت کا حال بتایا تھا، بہت گھنے اور لمبے ہو گئے تھے اور اب یہ جگہ اتنی بدلی ہوئی معلوم ہو رہی تھی کہ سانن نے اپنے دل سے پوچھا کہ یہ وہی جگہ ہے یا کوئی اور؟ کیا کروں؟ کہاں اور کس سے پوچھ گچھ کروں؟ تیس برس بیت چکے تھے۔ . . اس نے کوئی آسان بیڑا نہیں اٹھایا تھا۔ اس نے پوچھ گچھ کی بھی تو کیا، کسی نے روسیلی کا نام تک نہ سنا تھا۔ ہوٹل کے مالک نے مشورہ دیا کہ لائبریری میں معلوم کرو۔ اس نے کہا کہ وہاں تمام پرانے اخبار مل جائینگے۔ لیکن ان سے فائدہ کیا ہوگا، ہوٹل کا مالک یہ نہ بتا سکا۔ انتہائی مایوسی کے عالم میں اس نے ہیر کلیوبر کا پتہ پوچھا۔ ہوٹل کا مالک اس نام سے اچھی طرح واقف تھا لیکن یہاں بھی اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس آن بان کے دوکان دار نے ترقی کی بہت سی منزلیں طے کی تھیں، اور سرمایہ دار بن گیا تھا، پھر اسے بہت خسارہ سہنا پڑا اور دیوالیہ ہو گیا اور انجام کار جیل میں مر گیا۔ ہاں اس خبر سے سانن کو ذرا دکھ نہ ہوا، وہ اب محسوس کرنے لگا تھا کہ اس کا سفر جنگلی بطخ کی تلاش سے کم نہیں۔ لیکن ایک دن فرانکفرٹ کے ہدائت نامے کی ورق گردانی کرتے ہوئے اس کی نظر پینشن یافتہ میجر فون دون‌ہوف

کے نام پر پڑی (Major v. D.) — اس نے فوراً ایک گاڑی لی
اور چل پڑا —— حالانکہ کیا ضروری تھا کہ یہ فون دون‌ہوف وھی
ہو جس کو وہ جانتا تھا اور اگر وہ وھی ہو بھی تو کیا ضروری تھا
کہ وہ روسیلی خاندان کا نشان پتہ جانتا ہو — لیکن ڈوبتے کو تو
تنکے کا سہارا چاھئے!

سانن کو پینشن یافتہ میجر گھر پر ملا اور اس نے سفید بالوں والے
معمر آدمی کی صورت میں اپنے پرانے حریف کو پہچان لیا —
فون دون‌ہوف نے بھی اس کو پہچان لیا اور اس کو دیکھ کر خوش
بھی ھوا کیونکہ اس نے اپنے دور شباب اور اس زمانے کے من چلے پن
کی یاد تازہ کر دی تھی — سانن کو معلوم ھوا کہ عرصہ دراز
ھوا کہ روسیلی خاندان امریکہ میں جابسا، کہیں نیو یارک میں —
جیما نے ایک کاروباری آدمی سے شادی کر لی تھی اور فون دون‌ہوف
کا کوئی اپنا شناسا تھا جو غالباً اس آدمی کو جانتا تھا اور شاید
اس کے پاس اس کا پتہ بھی ہو — اس لئے کہ اس کا امریکہ سے
بڑا کاروبار تھا — سانن نے اس کو مجبور کیا کہ وہ جا کر اپنے دوست
سے ملے — اور اوہ کیا پوچھنا خوشی کا! فون دون‌ہوف جیما کے
شوھر کا پتہ لے آیا — مسٹر جیریمی سلوکم، ۵۰۱، براڈوے، نیو یارک —
لیکن یہ پتہ ۱۸۶۳ء کا تھا —

"آؤ ھم امید کریں" فون دون‌ہوف چلایا "ھماری فرانک‌فرٹ کی
سابقہ حسینہ اب تک زندہ ھے اور نیویارک کو چھوڑ کر کہیں
نہیں گئی ھے! —— ھاں!" اس نے اپنی آواز دھیمی کرتے ھوئے
کہا "اور کیا وہ روسی خاتون — وہ جو ویسبادن میں آکر رھی

تھی— تم جانتے ہو، وہ مادام فون بو. . . فون پولوزوف کیا وہ اب تک زندہ ہے؟"

"نہیں" سانن نے کہا "زمانہ ہوا وہ چل بسی— "

فون دون ہوف نے سر اٹھایا لیکن یہ دیکھہ کر کہ سانن ایک طرف ہٹ گیا ہے اور اس کی تیوریاں چڑھہ گئی ہیں، وہ ایک لفظ کہے بغیر وہاں سے چلتا ہو گیا—

اسی دن، سانن نے، مسز جیما سلوکم کے نام، نیو یارک ایک خط لکھا جس میں اس نے لکھا کہ وہ یہ خط فرانکفرٹ سے لکھہ رہا ہے جہاں وہ صرف اس غرض سے آیا تھا کہ اس کا کھوج لگائے— ظاہر ہے اس کو پورا احساس تھا کہ اسے ذرا حق نہیں کہ اس سے جواب کی امید کرے— وہ جانتا تھا کہ وہ اس کی معافی کا بالکل مستحق نہیں اور اسے صرف اس کی امید تھی کہ وہ اپنے موجودہ مسرت بخش ماحول میں، بہت پہلے ہی اس کے وجود کو سرے سے فراموش کر چکی ہوگی— اس نے لکھا کہ اس نے جیما کو اپنی یاد دلانے کا قصد محض ایک اتفاقیہ واقعے کی بنا پر کیا ہے جس سے اس کے پورے ماضی کی واضح تصویر آنکھوں میں پھر گئی ہے— اس نے اس کو اپنی زندگی کے بارے میں بتایا، تنہا، مسرتوں سے خالی اور بیوی بچے سے محروم زندگی کے بارے میں— اس نے التجا کی کہ میرے اس خط کی غرض سمجھنے کی کوشش کرو، مجھے قبر میں بھی گناہ کے تلخ احساس کے بوجھہ تلے دبا رہنے پر مجبور نہ کرو—— اس گناہ کے احساس تلے جو ایک زمانے سے دل پر بوجھہ

بنا ہوا ہے — گناہ جسے اب تک معاف نہیں کیا گیا ہے — اس نے التجا کی تھی، چاہے چند ہی قلم سہی، اپنے بارے میں اور نئی دنیا میں اپنی زندگی کے بارے میں جہاں وہ اب جابسی تھی، کچھہ ضرور بتائے — "صرف ایک لفظ" اس نے اپنا خط ختم کیا "مجھے لکھہ کر تم ایک بڑا نیک کام کروگی جو تمہارے نیک دل کے شایان شان ہوگا اور اپنی زندگی کے آخری لمحے تک تمہارا شکر گزار ہونگا — میں "سفید ھنس" میں ٹھہرا ہوا ہوں" (اس نے ان الفاظ کے نیچے ایک لکیر کھینچ دی) "اور موسم بہار تک تمہارے جواب کا یہاں انتظار کرونگا — "

اس نے خط ڈاک میں ڈالا اور انتظار کے دن کاٹنے لگا — وہ پورے چھہ ھفتے ھوٹل میں ٹھہرا رہا — وہ شاذ و نادر ہی کمرے سے نکلتا اور کبھی کسی سے نہ ملتا — کوئی نہ تھا جو روس یا کہیں اور سے اسے خط لکھتا — اور یہ عین اس کی خواھش کے مطابق تھا — اگر کوئی خط آئیگا تو پہلے ہی سے معلوم ہو جائیگا کہ یہ وہی خط ہے جس کی وہ راہ دیکھہ رہا تھا — وہ صبح سے شام تک بس پڑھتا رہتا، رسالے نہیں بلکہ سنجیدہ چیزیں، تاریخی کتابیں — مسلسل مطالعہ، سناٹا، سادھوؤں جیسی گوشہ نشینی کی زندگی —— اس کی ذھنی کیفیت سے پوری طرح ہم آھنگ تھی — اس کے لئے بھی وہ جیما کا ممنون تھا — لیکن وہ زندہ تھی یا مردہ؟ کیا وہ جواب دیگی؟

آخرکار اسے امریکی ٹکٹ کے ساتھہ ایک خط نیویارک سے ملا — لفافے پر پتہ انگریزی میں لکھا ہوا معلوم ہوتا تھا — وہ لکھائی پہچان نہ سکا اور اس کے دل میں ہوک سی اٹھی — وہ خود کو

فوراً لفافه چاک کرنے پر آماده نه کر سکا — جب اس نے لفافه کھولا تو سب سے پہلے اس نے نیچے نام دیکھا: جیما! اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے — یہی بات که اس نے اپنا نام بغیر خاندانی لقب کے لکھا تھا، اس کا ثبوت نظر آیا که جیما نے اسے معاف کر دیا ہے — اس نے نیلگوں باریک کاغذ کو کھولا اور اس میں سے ایک تصویر گر پڑی — اس نے جلدی سے اسے اٹھایا اور دم بخود رہ گیا: یه تو خود جیما تھی، جیتی جاگتی جیما ، ویسی ھی شگفته اور جوان جیسی تیس برس پہلے اس کو دیکھا تھا! وهی آنکھیں، وهی هونٹ، وهی مکھڑا — تصویر کی پشت پر لکھا تھا: "میری بیٹی مریانتا" — خط بھی ساده اور نازک جذبات سے بھرا هوا تھا — جیما نے سانن کا شکریه ادا کیا تھا که وه اسے خط لکھنے میں ذرا نه جھجکا اور اس پر اپنا اعتماد باقی رکھا — اس نے سانن سے یه نہیں چھپایا که واقعی اس کے فرار هو جانے کے بعد، وه بڑے غم انگیز لمحے سے گزری لیکن ساتھه ھی اس نے یه بھی لکھا تھا که سانن سے اپنی ملاقات کو وه اپنی خوش نصیبی سمجھتی رهی اور اب بھی سمجھتی هے کیونکه اس ملاقات نے اس کو هیر کلیوبر کی بیوی بننے سے بچا لیا تھا اور اس طرح، بالواسطه ھی سہی، یه ملاقات موجوده شوهر سے اس کی شادی کی وجه بنی جس کے ساتھه وه ستائس برس سے پوری مسرت، خوش حالی اور آرام چین کی زندگی بسر کر رهی هے — ان کا گھر نیو یارک میں هر شخص جانتا هے — جیما نے سانن کو یه بھی بتایا که اس کے پانچ بچے هیں — چار لڑکے اور ایک اٹھاره ساله لڑکی، جو اب دلہن بننے والی هے اور جس کی تصویر اس کے لئے ملفوف هے — کیونکه عام رائے یه هے که وه بالکل اپنی ماں پر هے — جیما

نے بری خبر خط کے آخر کے لئے رکھہ چھوڑی تھی — فراؤ لینورے نیویارک میں چل بسی تھی جہاں وہ اپنی بیٹی اور داماد کے ساتھہ ھی چلی گئی تھی، لیکن اس نے اپنے بچوں کی مسرتیں بھی دیکھیں اور نواسے نواسیوں کو خوب گود بھی کھلایا — پنتالیونے کا ارادہ بھی امریکہ جانے کا تھا مگر فرانکفرٹ سے روانہ ھونے سے پہلے ھی مر گیا — "ھمارا ایمیلیو، ھمارا پیارا ایمیلیو سسلی میں اپنی مادر وطن کی خاطر، ایک شاندار موت مرا — وہ ان "ایک ھزار" جیالوں میں سے تھا جنھوں نے عظیم گاری‌بالڈی کی سرکردگی میں داد شجاعت دی — ھم نے اپنے پیارے بھائی کی موت پر دل خون کیا، لیکن آنسو بہاتے ھوئے ھمیں اس پر ناز ھو رھا تھا، اور ھم ھمیشہ اس پر ناز کرینگے اور اس کی مقدس یاد کو کلیجے سے لگا کر رکھینگے — اس کی شاندار اور بے لوث روح تاج شہادت کے شایان شان تھی!" اس کے بعد جیما نے رنج و افسوس کا اظہار کیا تھا کہ سانن کی زندگی اتنی بری گزری، اس نے دعا کی تھی کہ اسے آرام چین اور روحانی سکون حاصل ھو— اس نے لکھا تھا کہ سانن سے دوبارہ مل کر اسے بڑی مسرت ھوگی حالانکہ اسے اس قسم کی ملاقات کے ممکن نہ ھونے کا احساس تھا —

ھم یہ نہیں بیان کرینگے کہ اس خط کو پڑھتے وقت سانن کے جذبات کا کیا عالم تھا — ایسے جذبات کے اظہار کے لئے موزوں الفاظ موجود نہیں — یہ جذبات الفاظ سے زیادہ گہرے اور شدید ھیں اور اتنے نازک کہ الفاظ کبھی اتنے نازک نہیں ھو سکتے — صرف موسیقی ان جذبات کو اپنے اندر سمو سکتی ھے —

سانن نے فوراً جواب دیا اور ھونے والی دلہن کو ایک تحفہ بھیجا —— یاقوت کی ایک صلیب جو موتیوں کے گلوبند میں جڑی

ہوتی تھی ــ اور اس پر یہ عبارت لکھی تھی "مریاننا سلوکم کے لئے ایک گمنام دوست کی طرف سے" ــ اس تحفہ نے جو حد سے زیادہ قیمتی تھا، اس کا دیوالہ نہیں نکالا ــ اپنے فرانکفرٹ کے پہلے سفر کے بعد، اس تیس برس میں، اس نے کافی دولت جمع کرلی تھی ــ مئی کے شروع میں وہ پیٹرس‌برگ لوٹا، لیکن شاید زیادہ عرصے کے لئے نہیں ــ خبر گرم ہے کہ وہ اپنی تمام جاگیریں بیچ رہا ہے اور امریکہ کی راہ لینے والا ہے ــ

بادن ــ بادن ۱۸۷۱ء

تشریحی نوٹ

۱ — "گریونے گیویلیے" — ڈریسڈن کا ایک عجائب گھر، "بیش بہا چیزوں کی گیلری" جہاں ۱٦ ویں — ۱۷ ویں صدی کے فن زیورات سازی کے قیمتی نمونے رکھے ھیں — صفحہ ۱۲

۲ — رافیل کی گالاتیا — شہر روم میں فارنیزینا محل میں دیوار پر بنی ہوئی مشہور تصویر "گالاتیا کی فتح" جو عظیم اطالوی مصور رافیل (۱۴۸۳ء — ۱۵۲۰ء) کی بنائی ہوئی ھے — صفحہ ۳٦

۳ — زمانۂ قدیم کی تاریخ پر ایک درسی کتاب جو ۱۹ ویں صدی کے پہلے نصف میں مشہور تھی، اس کے مصنف تسارسکوئے سیلو کی درسگاہ کے پروفیسر ا — ک — کئیدانوف تھے — صفحہ ۱۰٦

٤ — فرائیتا گ — ماسکو میں ۱۸۳۰ء کے زمانے میں برق رفتار گھوڑوں کا ایک مشہور مالک — صفحہ ۱۷۲

۵ — اگیوست باربیئے (۱۸۰۳ء — ۱۸۸۲ء) — فرانسیسی انقلابی شاعر، مشہور دیوان "مخمس" کا مصنف — صفحہ ۱۸۸

٦ — "ماسکو ٹیلی گراف" — ترقی‌پسند ادبی اور تنقیدی رسالہ (۱۸۲۵ء — ۱۸۳٤ء) — صفحہ ۱۸۸

۷ — بینی‌دیکتوف و — گ — (۱۸۰۷ء — ۱۸۷۳ء) — روسی شاعر — صفحہ ۲٤۷

پڑھنے والوں سے

بدیسی زبانوں کا اشاعت گھر آپ کا بہت احسان مند ہوگا اگر آپ ہمیں اپنی رائے لکھه کر بھیجیں کہ اس کتاب کا ترجمہ کیسا ہے، اس کی شکل صورت اور طباعت کیسی ہے اور یہ کہ آپ اور کیا چاہتے ہیں۔

ہمارا پتہ : زوبوفسکی بلوار- نمبر ۲۱
ماسکو سوویت یونین

И. С. ТУРГЕНЕВ

ТРИ ПОВЕСТИ

АСЯ
ПЕРВАЯ ЛЮБОВЬ
ВЕШНИЕ ВОДЫ